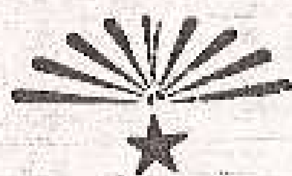
THE LIFE OF CHRIST

حیاتُ المسیح

مترجمہ و مؤلفہ

پادری طالب الدین صاحب بی-اے (مرحوم)



پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی

انارکلی - لاہور

P. R. B. S., ANARKALI - LAHORE

حیات المسیح

مترجمہ و مؤلفہ

پادری طالب الدین صاحب بی۔ اے (مرحوم)

پنجاب ریلجس بک سوسائٹی

انار کلی۔ لاہور

سنہ ۱۹۶۶ء

تعداد ۱۰۰۰

بار چہارم

فہرس

حیاتُ المسیح

پہلا باب

آمد آمد کی خبر

جہان کو روشن کرنے والے سُورج نے ابھی رات کی تاریکی کو اپنی کرنوں سے دُور نہیں کیا تھا کہ ہیکل کے کارگزار اپنے اپنے کام میں مصرُوف ہونے کی تیاری کرنے لگے۔ وُہ اپنے دستُور کے مطابق ہر صبح ایک مکان میں جمع ہُوا کرتے تھے تاکہ اُن میں سے ہر کاہن قُرعہ کے وسیلے سے دن بھر کے لئے اپنی خاص خدمت پر مقرر کیا جائے۔ یہ طریقہ اس واسطے اختیار کیا گیا تھا کہ وُہ حسد کی آگ سے محفُوظ رہیں اور چھوٹائی بڑائی کا خیال اُن کی یگانگی میں رخنہ نہ ڈالنے پائے۔ قُرعہ چار مرتبہ ڈالا جاتا تھا، دو دفعہ ہیکل کا دروازہ کُھلنے سے پیشتر اور دو دفعہ دروازہ کُھلنے کے بعد۔ پہلا قُرعہ ڈالنے کے وقت وُہ آگ کا شعلہ اپنی روشنی دیا کرتا تھا جو چراغِ سحری کی طرح مذبح پر جلتا ہُوا اپنی

کرنیں چاروں طرف پھیلاتا تھا۔ دُوسرا قرعہ اُس وقت ڈالا جاتا تھا جبکہ صبح صادق رات کی تاریکی کا پردہ اُٹھا کر اپنے جمالِ جہاں آرا سے دُنیا کو روشن کرتی تھی۔ اِس موقع پر وُہ لوگ اپنی اپنی خدمت پر مقرّر ہوتے تھے جو قُربانی چڑھانے اور سونے کے شمعدان کے آراستہ کرنے اور بخور کے مذبح کے سنوارنے میں کام کرتے تھے۔ اِس کے بعد برّہ لایا جاتا تھا تاکہ بڑے غور سے دیکھا جائے کہ آیا وُہ قُربانی کے لائق ہے یا نہیں اور اگر اُس میں ضرُوری صفتیں پائی جاتی تھیں تو اُس پر سونے کے پیالے سے پانی ڈال کر اور اُس کا مُنہ مغرب کی جانب کر کے اُسے مذبح کے شمالی حصّے پر باندھ کر رکھ دیتے تھے۔ اس پُر راز طریقے کی نسبت یہ روایت جاری تھی کہ ابرہام نے بھی اضحاق کو اسی طرح قربان کرنے کے لئے باندھا تھا۔

اور پھر جب قُربانی مذبح کے لئے تیار کی جاتی تھی تو اُس عرصہ میں مقرّری کاہن پاک جگہ کو آراستہ کر دیتے تھے تاکہ وہاں بخور جلایا جائے جو کہ اسرائیل کی قبُول کی ہُوئی دُعاؤں کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ اس موقع پر تیسری دفعہ چٹھی ڈالی جاتی تھی اور اُس کا یہ مقصد ہوتا تھا کہ اُس کے وسیلے سے وُہ شخص چُنا جائے جو بخور جلانے کی خدمت کو انجام دے۔ یہ کام عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ نصیب ہُوا کرتا تھا۔ اُس وقت تمام کاہن دُعا مانگتے اور اپنے عقیدے کا اقرار کیا کرتے تھے۔

جس دن کا ذکر ہم کر رہے ہیں اُس دن چٹھی ایک ایسے کاہن کے نام نکلی جو اس دُنیا کے سفر کی کم از کم ساٹھ منزلیں طے کر چکا تھا۔ وُہ زکریاہ کاہن تھا۔ اگرچہ وُہ اس سے پہلے کبھی بخور جلانے کی خدمت

کے لئے منتخب نہیں ہُوا تھا تو بھی ہیکل کے خادم اُس سے ناآشنا نہ تھے کیونکہ کاہنوں کا ہر گروہ سال میں دو دفعہ ہیکل کی خدمات میں مصرُوف ہُوا کرتا تھا اور کاہن لاویوں کی طرح بڑھاپے کے سبب سے معزُول نہیں کئے جاتے تھے، پھر بھی کئی باتوں کے سبب سے اُس میں اور دیگر کاہنوں میں بڑا فرق پایا جاتا تھا۔ مثلاً اُس کا گھر اُن بڑے بڑے شہروں میں نہ تھا جو کاہنوں کی سکونت گاہ سمجھے جاتے تھے، وُہ ایک چھوٹے سے گاؤں کا رہنے والا تھا جو اُس کوہستانی علاقے میں آباد تھا، جو یروشلیم کے جنُوب میں واقع تھا، مگر وُہ ہر طرح سے عزّت کے لائق تھا کیونکہ اوّل تو کاہن ہونا ہی بڑے فخر کا باعث سمجھا جاتا تھا اور پھر جب کوئی کاہن کسی دُوسرے کاہن کی لڑکی سے شادی کر لیتا تھا تو اُس کی عزّت اور بھی بڑھ جاتی تھی۔ لُوقا ۱: ۵۸ و ۵۹ و ۶۱ و ۶۵ و ۶۶ سے معلُوم ہوتا ہے کہ زکریاہ اپنے علاقہ میں نزدیک و دُور خُوب مشہور تھا۔ اُس کے پڑوسی اُس کے معاملات میں دلچسپی لیتے اور اُس کے ساتھ کمال تعظیم سے پیش آتے تھے۔ وُہ اور اُس کی بیوی الیشبع اُن احکام اور فرائض کے بجا لانے میں دل و جان سے کوشاں تھے جن کا بجا لانا اُن پر فرض تھا۔

لیکن زکریاہ لاولد تھا کیونکہ اُس کی بیوی بانجھ تھی۔ اس میں شک نہیں کہ اُس نے اس معاملے میں کئی سال تک دستِ دُعا دراز کیا ہوگا اور الیشبع نے اپنی بے اولادی سے بارہا غم کھایا ہوگا کیونکہ عورت کے رحم کا بند ہونا اُن دنوں بڑی بے حُرمتی کا باعث سمجھا جاتا تھا۔ ہر خاتون یہ اُمید رکھتی تھی کہ شاید میرے ہی بطن سے

مسیح پیدا ہو اور اسرائیل کی اُمیدیں بر آئیں۔

لیکن اس وقت زکریاہ کے دِل میں اولاد کا خیال نہ تھا بلکہ اُس عظیم خدمت کے خیال میں جو اُس کے سپرد کی گئی تھی محو ہوگا۔ اُسے بخور جلانا تھا اور اس وقت، وہ اُسی کے دھیان میں مگن تھا مگر بخور جلانے سے پہلے اُسے اپنے دوستوں یا عزیزوں میں سے دو اور شخصوں کو مدد کے لئے چُننا تھا۔ اُن میں سے ایک کا کام یہ تھا کہ وہ بخور کے مذبح کو صاف کرے یا یُوں کہیں کہ گذشتہ شام سے جو کچھ مذبح پر بچ رہا تھا اُسے ہٹا کر اور سجدہ کر کے چلا جائے اور دُوسرا سوختنی قربانی کے مذبح پر سے دہکتے ہُوئے کوئلے لے کر اُن کو بخور کے مذبح پر بچھائے اور پھر وُہ بھی سجدہ کر کے نکل جائے۔ یہ دونوں شخص اپنا کام کر کے چلے گئے۔ اب زکریاہ اکیلا سونے کا بخوردان ہاتھ میں لئے پاک جگہ میں کھڑا تھا جو سات شاخوں والے شمعدان کی روشنی سے نُورانی ہو رہی تھی۔ اُس کے سامنے اور اُس پردے کے پاس جو پاک ترین جگہ کے سامنے لٹک رہا تھا سونے کا مذبح رکھا تھا جس پر دہکتے ہُوئے کوئلے چمک رہے تھے اُس کی دہنی طرف نذر کی روٹیوں کی میز پڑی تھی اور اُس کی بائیں جانب سونے کا شمعدان دھرا تھا۔ اب زکریاہ خاموش کھڑا اُس اشارے کا انتظار کر رہا تھا جو یہ خبر دیا کرتا تھا کہ مذبح پر بخور ڈالنے کا وقت آ گیا ہے۔ کاہن اور دیگر اشخاص مذبح سے الگ ہو کر اور اوندھے مُنہ گر کر چُپ چاپ دُعا مانگ رہے تھے اور جب تک بخور کو آگ نہ لگی، زکریاہ وہیں کھڑا رہا اور اگر ایک رویا اُس پر ظاہر نہ ہوتی تو وُہ بھی سجدہ کر کے

نکل آتا مگر اُس عجیب رویا کے سبب سے وُہیں کھڑا رہا اور وُہ رویا یہ تھی کہ اُس نے سونے کے مذبح اور شمعدان کے درمیان ایک فرشتے کو دیکھا۔ آگے کبھی کسی کاہن کو بخور جلاتے وقت اس قسم کی رویا کا نظارہ نصیب نہیں ہُوا تھا تو بھی جس وقت کوئی کاہن خُدا کے حضُور جایا کرتا تھا تو لوگوں کے دِل خوف سے کانپ اُٹھتے تھے اور اگر اُس کے آنے میں ذرا دیر ہو جاتی تھی تو وُہ اور بھی گھبرانے لگ جاتے تھے۔

زکریاہ یہ رویا دیکھ کر ڈر گیا اور جب فرشتے نے اُسے اُس کی دُعائیں اور اُمیدیں یاد دلائیں اور کہا کہ وُہ اب پُوری ہوں گی تو وُہ حیرت کا پُتلا بن گیا۔ اُسے بتایا گیا کہ جو لڑکا اُس کے ہاں پیدا ہوگا اُس کا نام یُوحنا "خُدا مہربان ہے" رکھا جائے گا اور اُس کے سبب سے نہ صرف ماں باپ بلکہ غیروں کے دِل بھی شادمان ہوں گے۔ وُہ خُدا کے حضُور میں بزرگ اور سمسُون اور سموئیل کی طرح عُمر بھر کے واسطے خُدا کا نذیر ہوگا اور ماں کے پیٹ ہی سے الٰہی خدمت کے لئے مخصُوص کیا جائے گا۔ وُہ ایک طرح سے سمسُون اور سموئیل سے بھی بڑھ کر ہوگا کیونکہ اُس میں خُدا کی قُدرت بیرونی اور باطنی ہر دو صُورت میں نمایاں ہوگی کیونکہ وُہ اُسی وقت سے جبکہ زندگی کا دَم اُس میں پھُونکا جائے گا رُوح القُدس سے بھر جائے گا۔ سمسُون کی طرح خُدا کی قُدرت سے مامُور ہو کر اُن درختوں کی جڑ پر کلہاڑا رکھے گا جن کی بیخ کنی خُدا کو منظُور ہے اور سموئیل کی طرح بہت سے بنی اسرائیل کو خُدا کی طرف رجُوع کرے گا اور یُوں اُن دونوں بزرگوں

کی خوبیوں سے بہرہ ور ہو کر جیسا کہ الیاس کوہِ کرمل پر اُن سے ماموُر ہُوا وُہ نبوّت کے مطابق الیاس کی طاقت کے ساتھ مسیح کے ظاہر ہونے سے پہلے نمُودار ہوگا اور الیاس کے دوبارہ آنے کے علامتی معنوں کو پُورا کرے گا اور اس صُورت میں یہ نیا الیاس خُداوند کے لئے ایک گروہ تیار کرے گا۔

اب جس طرح وُہ فرشتے کی شکل دیکھ کر دریائے حیرت میں ڈُوب رہا تھا اُسی طرح اُس کے الفاظ سُن کر تعجب سے بھر گیا اور کچھ مُدت تک اُن کا مطلب سمجھنا اُس کے لئے مشکل ہوگیا۔ البتہ ایک خیال جو مُدت سے اُس کے دِل میں جاگزین تھا اب پھر دِل میں کھٹک رہا تھا اور وُہ بیٹے کا خیال تھا۔ وُہ سوچتا تھا کہ اس بڑھاپے میں یہ کہاں ممکن ہے؟ پس اس کم اعتقادی کے باعث اُس نے جو کچھ فرشتے سے سُنا تھا اُس کا نشان مانگا۔ اُس کو یہ نشان دیا گیا کہ وُہ گونگا ہوگیا پر چُونکہ یہ نشان بے اعتقادی کی دُعا کا نتیجہ تھا اس لئے اُسے ایک طرح زکریاہ کی سزا سمجھنا چاہیئے پر وُہ ایک دُوسرے معنی میں اُس جماعت کے لئے جو ہیکل میں منتظر کھڑی تھی اور الیشبع کے لئے اور اُن لوگوں کے لئے جو زکریاہ سے واقف تھے اور خود زکریاہ کاہن کے لئے بھی اُس کی نوماہ کی تنہائی اور گوشہ نشینی میں ایک حقیقی نشان تھا۔ ہاں ایک ایسا نشان تھا جو اُس وقت جب کہ اُس کی زبان کھولی گئی آگ کے شعلے کی طرح چمک اُٹھا۔ زکریاہ کو ہیکل میں معمُول کے برخلاف زیادہ دیر لگی۔ لوگ دُعا مانگ چکے تھے اور اب پاک جگہ کی طرف کھڑے دیکھ رہے تھے۔ آخرکار زکریاہ

پاک جگہ سے باہر آیا اور اُن سیڑھیوں پر کھڑا ہُوا جو ہیکل کے سامنے سے کاہنوں کے صحن کی طرف جاتی تھیں اور وہاں کاہنی برکت کے کلمات ادا کرنا چاہتا تھا کیونکہ پہلے وُہ برکت دی جاتی تھی جو گنتی ۶: ۲۴-۲۶ میں قلمبند ہے اور پھر نذر کی قُربانی چڑھائی جاتی تھی اور لاویوں کے ساتھ حمد و ستائش کے مزامیر خُوش آوازی سے شرُوع کئے جاتے تھے۔ قُربانیوں کے ٹکڑے مذبح پر حسب ترتیب چُنے گئے تھے اور کاہن سیڑھیوں پر صف باندھے تھے نیز عابدوں کی جماعت مُنتظر کھڑی تھی۔ زکریاہ بولنا چاہتا تھا پر بول نہیں سکتا تھا کیونکہ ابھی اُس نے محسُوس نہیں کیا تھا کہ گویائی کی طاقت مجُھ سے بالکل جاتی رہی ہے لیکن لوگوں نے اُس کی خاموشی سے جان لیا کہ اُس نے ہیکل میں کوئی رویا دیکھی ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد کاہن اور دیگر اشخاص تتر بتر ہو گئے۔ بعض عُوفل کو اور بعض یہودیہ کو اور بعض اپنے اپنے گاؤں کی طرف چلے گئے مگر خُدا نے اپنے وعدہ کو جو فرشتے کے وسیلے سے کیا تھا وقت مقرّرہ پر پُورا کیا۔

اب الیشبع کو حاملہ ہُوئے قریباً پانچ ماہ گذر گئے تھے کہ ایک اجنبی قاصد اُس کی رشتہ دار مریم کے پاس جو مُلک گلیل میں رہا کرتی تھی ایک عجیب پیغام کے ساتھ آیا۔ وُہ قاصد جبرئیل تھا۔ اس وقت وُہ سونے کے مذبح اور شمعدان کے درمیان جہاں شوکت اور جلال بڑی سنجیدگی سے اپنا جلوہ دکھاتے تھے نمودار نہ ہُوا بلکہ شہر ناصرت میں ایک غریب شخص کی جھونپڑی میں ظاہر ہُوا۔ اس غیر معمُولی نظارے کو دیکھ کر مریم پر خوف چھا گیا ہوگا پر وُہ اس

عجیب قاصد کی صورت سے اس قدر متحیر نہیں ہوئی جس قدر اُس
کلام سے جو اُس قاصد کے مُنہ سے نکلا اور جس کے وسیلے سے ایسی
بے نظیر برکت کی خبر اُس کو دی گئی جو کبھی اُس کے خواب و خیال میں
میں بھی نہ آئی تھی "سلام تجھ کو" البتہ یہ الفاظ تو کچھ غیر معمولی نہ تھے
کیونکہ سلام کرتے وقت عموماً یہی الفاظ استعمال کئے جاتے تھے اور نہ
کوئی ایسی عجیب بات الفاظ "خداوند تیرے ساتھ ہے" سے ظاہر ہوتی
تھی کیونکہ اس سے اُن چھٹکاروں کا سماں جو زمانہ ماضی میں فرشتے
کی امداد سے وقوع میں آئے تھے آنکھوں میں پھر جاتا تھا مگر یہ کہنا
کہ خدا کی طرف سے تجھ پہ فضل ہوا ہے "کسی بہت ہی بڑی نعمت
کی خبر دیتا تھا اور اسی خیال نے اُسے حیرانی میں ڈال دیا پر یہ حیرت
غالباً اس لئے نہیں ہوئی کہ وہ اپنے افلاس کو دیکھ کر یہ کہتی تھی کہ
مجھ ایسی بے بس و بے کس کو کب ایسی برکت مل سکتی ہے بلکہ
اس لئے کہ وہ اپنی ذاتی اور اندرونی غریبی کو فروتنی سے محسوس
کر رہی تھی، جب وہ اس حیرت افزا کلام کو جو فضل الٰہی کا پتہ
دیتا تھا سُن کر حیران ہوئی تو فرشتے نے اُس فضل کی تفصیل بیان کی اور
بتایا کہ وہ کس طرح حاملہ ہوگی اور اُس لڑکے کا نام جو اُس سے پیدا
ہوگا کیا رکھا جائے گا اور کہ وہ نام کس طرح اُس کے کام پر دلالت
کریگا۔ فرشتے نے اُس کی لامحدود عظمت کو بھی اُس پر ظاہر کیا اور بتایا کہ
وہ خدا کا بیٹا کہلائے گا اور اُس میں وہ اُمید بر آئے گی جس کا وعدہ

نٹ جو لوگ مسیحی نہیں وہ مسیح کے مجسم ہونے اور اس دُنیا میں معجزانہ طور پر آنے
سے ہمیشہ ٹھوکر کھاتے ہیں اور چونکہ ہمیں اُمید ہے کہ کتاب حیات المسیح ہمارے

داؤد کے ساتھ کیا گیا تھا یعنی اُس میں داؤد کے خاندان کی بادشاہی
ہمیشہ تک قائم رہیگی اور اُس کی کوئی انتہا نہ ہوگی، یہ کوئی ایسی بات نہ تھی

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۰) ہندو بھائیوں اور مسلمان دوستوں کے مطالعہ سے بھی گذرے گی
لہٰذا ہم اُن کے لئے چند سطور اس امر پر تحریر کرنا چاہتے ہیں گو ایک ایسی لائف آف کرائسٹ
میں جس کا مقصد فقط یہ ہے کہ خداوند مسیح کی انسانی زندگی کے واقعات کو ترتیب
وقت کے مطابق ناظرین کے سامنے رکھے تاکہ وہ اس کے مطالعہ سے فائدہ اُٹھائیں ۔
اس قسم کی بحث کے لئے جگہ نہیں، پر ہم مختصر طور پر چند خیالات ہدیہ ناظرین کرتے ہیں ۔
مفصّل بحث کے لئے جرمنی کے مشہور عالم نیانڈر صاحب کی لائف آف کرائسٹ کا
ملاحظہ کرنا چاہیئے جو مسٹر اسٹراس وغیرہ معترضوں کے جواب میں تحریر کی گئی ہے ۔
اگر ہم مسیح کی پیدائش اور تجسم کے اصل مقصد کو سمجھ لیں جو یہ تھا کہ بنی انسان
میں اخلاقی تبدیلی پیدا ہو اور بنی آدم کی ترقی کا ایک نیا سلسلہ جاری ہو تو خدا کا مجسم ہونا اور
معجزانہ طور پر اس دُنیا میں آنا خلافِ عقل معلوم نہ ہوگا ہم اس بات کو مانتے ہیں کہ مسیح کی انسانی
زندگی تاریخی واقعات کے سلسلہ میں منسلک ہے بلکہ ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ تمام تاریخ منشائے
الٰہی کے مطابق اس طور پر مرتب کی گئی تھی کہ یہ عجیب و غریب واقعہ جب سرزد ہوا اُس وقت
اس میں اپنی مقررہ جگہ لے ۔ تاہم یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ عدیم المثل واقعہ دُنیوی تاریخ میں
سے پیدا نہیں ہوا بلکہ یہ ایک اعلیٰ عنصر ہے جو دُنیا کی اصلاح اور درستی کے لئے ہے ۔
وہ اُوپر سے داخل ہوا جو نئے انسان کے فطری سلسلہ سے پیدا ہوتی ہے وہ مُرّد ہ
ہے کہ انسانیت کے نقص اور خرابیوں سے بھی چھوٹے اور اس پر اُس کے عیوب کی مہر لگی
ہوئی ہو لیکن یہ ممکن ہے کہ وہ شخص جو انسانیت کی ایک نئی نسل پیدا کرنے کو مقرر ہوا
ہے اور جو دُوسرا آدم بننے والا ہے وہ خود انہی گناہوں اور خرابیوں میں مبتلا ہو جن سے
نجات دینے کے لئے وہ نمودار ہوا ہے ۔ پس اگر ہم مسیح کو بنی آدم میں سے ایک عام آدمی نہ

جس کو تسلیم کرنا ناممکن ہوتا کیونکہ جو لوگ اسرائیل کی عظیم اُمید کے بر آنے کی راہ دیکھ رہے تھے وُہ اسی قسم کے نادر اظہار کے مُنتظر تھے ،

(بقیہ پر صفحہ ۱۰) سمجھیں بلکہ ایک نئی نسل کا بانی تصور کریں تو اُس کا تجسّم ناممکن معلوم نہ ہوگا۔ یہ عقل کی گواہی ہے اور جب ہم حقیقی واقعات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ جو خیال ہم کو عقلاً صحیح معلوم ہوتا ہے اُس کے وقُوع میں آنے پر تاریخ بھی گواہی دیتی ہے مثلاً متی اور لُوقا کے بیان سے صاف ظاہر ہے کہ خُداوند مسیح پیدائش کے معمولی قواعد کے مطابق اس دُنیا میں نہیں آیا۔ اب جو لوگ اس تواریخی گواہی کو رد کرتے ہیں وُہ مجبور ہیں کہ دو دعوؤں میں سے ایک دعوے کو اختیار کریں۔ ایک یہ ہے کہ متی اور لُوقا کا بیان بالکل بناوٹی ہے اور دُوسرا یہ کہ کوئی نہ کوئی بات اس کی جڑ میں ضرور ہوگی جس پر مسیحی مؤرخوں نے مسیح کے مُعجزانہ طور پر پیدا ہونے کا دعویٰ قائم کر لیا۔

جو لوگ پہلا دعوے کرتے ہیں وُہ یہ کہتے ہیں کہ جب مسیح کے شاگردوں نے اُس کی نادر سیرت اور اُس کی عجیب تعلیم کو دیکھا اور سُنا تو اُس کے بعد اس فکر میں لگے کہ اُس کی پیدائش کا ایک ایسا فوق العادت بیان تجویز کریں جو اُس کی عظمت کے شایاں ہو مگر یہ خیال بالکل بے بُنیاد ہے، کیونکہ وُہ عبارتیں جو اس بیان کو پیش کرتی ہیں بالکل سادہ اور ہر طرح کے تصنع سے پاک ہیں اور پھر یُوسف کی پریشانی اور اُس کی دلی حالت کا وُہ نقشہ جو متی کے بیان میں پایا جاتا ہے اس خیال کا سخت مخالف ہے وُہ نقشہ بالکل ایسا ہے جیسا کہ اُس وقت کھینچ جاتا ہے جب انسانی غیرت مُشتعل ہوتی ہے۔

اور دُوسرا دعوے کرنے والے لوگ کوئی اصلی واقعہ جس کی بنا پر انجیلی بیان رقم کیا گیا پیش نہیں کر سکتے۔ بجُز اس کے جو ایک گندے اور ناقص خیال پر مبنی ہے اور جس سے دینی خیالات کی جڑ کٹتی اور الٰہی پروردگاری کی بیخ کُنی ہو جاتی ہے۔ علاوہ بریں اس قسم کی بناوٹ یہُودیوں میں نہ پیدا ہو سکتی تھی اور نہ اُن کے درمیان رواج پا سکتی تھی۔

اور نہ نام کے پیش از وقت بتلائے جانے میں کوئی انہونی بات پائی جاتی تھی کیونکہ مریم جانتی تھی کہ کئی بزرگوں کا نام اُن کی پیدائش سے پہلے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۰) اگر ہندوؤں کے درمیان اس قسم کی کہانی گھڑی جاتی تو ناممکن نہ تھا لیکن پھر بھی طرزِ بیان کی وُہ صُورت نہ ہوتی جو کہ ہم انجیلوں میں پاتے ہیں۔ ہند وطرز اپنی مصنُوعی خاصیت کو فوراً ظاہر کر دیتی مگر یہُودیوں کے درمیان اس قسم کی کہانی کا دخل پانا بالکل ناممکن تھا مثلاً وحدتِ الٰہی کی تعلیم جس کے وُہ دل وجان سے پابند تھے اس کی مانع تھی پھر یہُودی بیاہ کے رشتہ کی بڑی عزت کیا کرتے تھے اور عورت کے تنہا رہنے کو اچھا نہیں سمجھتے تھے نہ وُہ مسیح کی اُلوہیت کو بخُوبی سمجھتے تھے پس یہ تمام باتیں مانع تھیں کہ اس قسم کی کوئی بات یہُودیوں کے وہم سے پیدا ہو یا اُن کے قلم سے نکلے تا وقتیکہ فی الحقیقت واقع نہ ہُوئی ہو۔

اور نہ اضحاق اور سمسُون اور سموئیل کی نظریں پیش کر کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ مسیح کی پیدائش کا حال بھی کچھ کچھ اُن بزرگوں کی پیدائش کے حال کی مانند ہوگا یا اُن کی پیدائش کے بیان نے انجیل نویسوں کے ذہن کو ایک نئے بیان کے اختراع کرنے میں مدد دی کیونکہ یہُودی تاریخ میں ان بزرگوں کی تاریخ کا حال بالکل مختلف صُورت رکھتا ہے اُن کی مائیں بانجھ تھیں مگر مریم بانجھ نہ تھی اور نہ اُن بزرگوں کی پیدائش اُن کو قانُونِ قُدرت سے مستثنیٰ ٹھہراتی ہے۔

بعض دفعہ یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اگر وُہ معجزانہ طور پر پیدا ہُوا تھا تو اُس کے نزدیکی رشتہ دار اُس پر ایمان کیوں نہ لائے۔ اس کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ تعجب نہیں کہ شروع میں اُس کے تمام رشتہ دار اس واقعہ کو برحق سمجھ کر اُس سے بڑی بڑی باتوں کی اُمید رکھتے ہوں گے مگر چونکہ تیس برس کا عرصہ گذر گیا اور اُنہوں نے کوئی عجائبات اُس سے نہ دیکھے اور جب وُہ اپنے آپ کو ظاہر کرنے لگا تو اُس وقت بھی وُہ ایسا مسیح ثابت نہ ہُوا جیسا وُہ اپنے ذہن میں سمجھے بیٹھے تھے تو اُنہوں نے اُس کو قبول نہ کیا مگر اُس کی

بتلایا گیا ہے اُور اسی طرح مسیح موعُود کا نام بھی پہلے ہی سے بتلایا جائے گا۔ اُس کے دِل میں بے اعتقادی کی رُوح نہ تھی۔ وُہ خُدا کے وعدوں کو سچا جانتی

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۰) ہاں اُس کی فوق العادت پیدائش کے سبب اُس پر ایمان رکھتی تھی اُور یہ اُس موقعہ سے بخُوبی ثابت ہے جبکہ اُس نے قانا ئے گلیل میں اُس سے مُعجزہ دکھانے کی درخواست کی حالانکہ اب تک اُس نے کوئی مُعجزہ نہ دکھایا تھا۔ اگر وُہ اُس کی مُعجزانہ قدرت کی قائل نہ ہوتی تو کبھی ایسی درخواست نہ کرتی۔ واضح ہو کہ اس مُعجزے کے لیئے مریم کی درخواست کا ذکر وُہ انجیل نویس کرتا ہے جو اُس کے مُعجزانہ طور پر پیدا ہونے کا مطلق ذکر نہیں کرتا۔

اسی جگہ ایک اَور بات کا ذکر کرنا مناسب معلُوم ہوتا ہے اَور وُہ یہ ہے کہ مُعترض یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ یُوحنّا نے اُس کی غیر معمُولی پیدائش کا ذِکر کیوں نہیں کیا؟ اُس کے جواب میں پہلے ہم یہ کہتے ہیں کہ اس رسُول کو اپنی انجیل میں یہ دکھانا منظُور تھا کہ مسیح جو مجسّم ہو کر اس دُنیا میں آیا اُس کی انسانی زندگی میں کس طرح باپ کے اکلوتے کا جلال ظاہر ہُوا۔ پر ہم دیکھتے ہیں کہ اُس کی انجیل میں کوئی ایسی بات نہیں پائی جاتی جو اس واقعہ کے برخلاف ہو بلکہ اشارے ملتے ہیں جو اس کی تائید کرتے ہیں مثلاً وُہ تعلیم جو کلمے کے متعلق اُس کی انجیل میں پائی جاتی ہے دلالت کرتی ہے کہ یُوحنّا اُس کی مُعجزانہ پیدائش کا قائل ہے اَور پھر ہم دیکھتے ہیں کہ اُسی کی انجیل میں مسیح یہ کہتا ہے کہ "جو جسم سے پیدا ہُوا ہے وُہ جسم ہے"۔

پھر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مسیح کے رُوبرو اُس کے مخالف کہا کرتے تھے "کیا یہ یُوسف اَور مریم کا بیٹا نہیں؟" اس بات کو سُن کر مسیح نے اپنے فوق العادت پیدائش کا دعوےٰ کیوں نہ کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وُہ اپنے دعوؤں کے ثبوت میں ایک ایسا واقعہ پیش نہیں کرنا چاہتا تھا جو گُزر چُکا تھا اَور جس کا ثابت کرنا مُشکل بلکہ ناممکن تھا۔ پس وُہ اس واقعہ کی طرف اشارہ کرنے کی جگہ یہ بہتر سمجھتا تھا کہ

تھی اُور اگر اُس نے فرشتے سے سوال کیا تو اس خیال سے کہ وُہ اپنے آپ کو ہیچ اُور ناچیز سمجھتی تھی اُور چاہتی تھی کہ اس کو زیادہ ہدایت کی جائے کہ

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۰) لوگ اُس کے کاموں اُور اُس کی تعلیم سے جن کو وُہ دیکھتے اُور سُنتے تھے قائل کئے جائیں پس وُہ ایک ایسے واقعہ کا حوالہ نہیں دینا چاہتا تھا جس کو وُہ دیکھ نہیں سکتے تھے۔

پھر دیکھا جاتا ہے کہ لوگ اکثر غیر قوموں کی میتھیالوجی (علم الاصنام) سے نظیریں ڈھونڈلاتے ہیں اُور کہتے ہیں کہ ان قصّوں نے انجیل نویسوں کو مسیح کی مُعجزانہ پیدائش کا حال گھڑنے میں مدد دی ہوگی۔

ہم اُوپر دکھا چُکے ہیں کہ اس قسم کے قصّہ کہانیاں یہُودی دماغ میں راہ نہیں پا سکتے تھے اُور نہ اُن کے تعصّبات سے موافقت رکھ سکتے تھے پر ہم یہاں یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ میتھولاجیکل اُور انجیلی بیان میں جو مُشابہت پائی جاتی ہے اُس کے اصل حل تک پہنچنے کے لیئے اُس رشتے پر غور کرنا چاہیئے جو کہ میتھیالوجی کے نیچرل مذہب اُور انجیلوں کے الہامی اُور تواریخی مذہب میں پایا جاتا ہے۔ میتھیالوجی میں دیوتاؤں کے بیٹوں اُور اُن کے پیدا ہونے کا خیال اُس ادراک سے پیدا ہوتا ہے جو بُت پرستی کی بطالت سے ناقص ہو جاتا ہے مگر ساتھ ہی اس خیال کا بھی محکُوم ہوتا ہے پر انجیل میں ہم دیکھتے ہیں کہ یہی خیال تواریخی صداقت پر مبنی اُور سادگی سے مُلبّس ہے اُور بڑی وضاحت اُور صفائی کے ساتھ اپنے تئیں ظاہر کرتا ہے۔

اب جو بات بُت پرست قصّوں کی تہ میں نہاں ہے وُہ یہ ہے کہ انسان میں ایک زبردست خواہش پائی جاتی ہے جسے وُہ اپنی رُوح سے جُدا نہیں کر سکتا وُہ خُدا کی صحبت اُور اُس کے وصل کی ضرُورت کو محسُوس کرتا ہے اُور چاہتا

وہ کس طرح سے پورے طور پر اپنے آپ کو خدا کے ہاتھ میں
سونپ دے۔ فرشتے نے خدا کی برکت کے وعدہ کا باقی حصہ بھی اُس
پر ظاہر کیا اور رُوح القدس کے نازل ہونے اور اُس پر سایہ کرنے کی
بشارت اُس کو دی۔ یہ بات اُس کے لئے غیر مانوس نہ تھی کیونکہ یہودی اس
بات کے قائل تھے کہ بڑے بڑے واقعات میں رُوح القدس کام کرتا ہے
گو یہ ممکن ہے کہ وہ اُس کے تشخص کے بھید کو پورے طور پر نہیں سمجھتے
تھے، پر وہ یہ بھی مانتے تھے کہ رُوح القدس کی مدد اور طاقت
صرف بزرگوں اور اہل علم و فضل کو حاصل ہوتی ہے پھر جبرئیل نے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۰) ہے کہ اُس کی رُوح اور خدا کے مابین جو لگاؤ پایا جاتا ہے وہ
دُور ہو جائے اور ایسا اتصال ذاتِ الٰہی کے ساتھ حاصل ہو کر اُس کی زندگی بالکل
تبدیل ہو جائے۔ مسیحی مذہب انسانیت اور الوہیت کا ایسا میل مسیح میں دکھاتا
ہے۔ اب اگر اس حقیقت کے اشتیاق میں پرانے مذہبوں نے وہ قصے اور
کہانیاں گھڑلیں جو انجیلی بیان کے ساتھ نہایت ہی خفیف سی مشابہت رکھتی ہیں
تو کچھ تعجب نہیں ::

پھر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ انجیلوں کے بیان اور پرانے بت پرست
مذاہب کے بیان میں بڑا فرق پایا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ بت پرست مذاہب
کے بیان خدا کی قدرت کے ساتھ نیچرل اسباب کو بھی عجیب واقعات کے برپا کرنے
میں شامل کرتے ہیں اور یوں وہ فطری طاقتوں کو خدا کا ہم پلہ بنا دیتے ہیں اور اسی
لئے اُن کی شرح بھی نیچرل اصول کی بنا پر ہو سکتی ہے مگر مسیحی مذہب جب مسیح کی
معجزانہ پیدائش کا ذکر کرتا ہے تو نیچرل اسباب کو دخل نہیں دیتا بلکہ سب کچھ براہِ
راست خدا کی مرضی اور قدرت سے منسوب کرتا ہے ::

اُس فضل کا جو مریم پر نازل ہونے والا تھا اُس کو یہ نشان دیا کہ جو کچھ خدا
نے اپنی رحمت سے الیشبع کے حق میں کیا تھا وہ سب کچھ اُس کو
خود بخود بتا دیا۔

یہ نشان ایک طور پر اُس کے لئے رہنمائی کا کام کر گیا یعنی شروع
ہی سے اُس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا اور رفتہ رفتہ بڑھتا گیا کہ
میں اُس عورت کے پاس جاؤں جو ہر بات میں میرے ساتھ طبیعت
اور مزاج میں رُوحانی یگانگی رکھتی ہے اور اُسے اپنا حال سُنا کر اپنے
دل کو ٹھنڈا کروں اور اُس سے برکت آمیز کلمات سُنوں۔ پس اُس کا
اُٹھنا اور جلدی سے اپنے رشتہ دار کے پاس جانا بہت موزوں تھا۔
الیشبع نے اُس کنواری ماں کو بڑے تپاک سے قبول کیا ہوگا۔ اس
میں شک نہیں کہ الیشبع نے وہ تمام باتیں جو اُس کے بیٹے کی پیدائش
اور اُس کے کام سے علاقہ رکھتی تھیں اپنے شوہر سے معلوم کی ہوں گی۔
پس وہ جانتی تھی کہ مسیح اب آنے والا ہے کیونکہ یوحنا جس کی خبر زکریاہ
کو دی گئی تھی اُس کا پیش رو تھا، پر وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ وہ کب
آئے گا اور کس کے گھر پیدا ہوگا لیکن جونہی اُس نے مریم کے سلام کی
آواز سُنی، بچہ اُس کے پیٹ میں اُچھل پڑا۔ بچہ کا پیٹ میں اُچھل پڑنا
ایک نشان تھا جس سے سب یہودی خوب واقف تھے اور جب
یہ نشان وجود میں آیا تو الیشبع نے فوراً پہچان لیا کہ یہی مریم جو میرے
نزدیکی رشتہ داروں میں سے ہے خداوند کی ماں ہے۔ وہ رُوح القدس
سے بھر گئی اور با آواز بلند بول اُٹھی "تو عورتوں میں مبارک اور
تیرے پیٹ کا پھل مبارک ہے"۔ یہ وہ دُعائے خیر تھی جو

بچوں والیاں بچوں والیوں کو دیا کرتی تھیں اور یہاں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ راستہ تیار کرنے والے کی ماں اُس کی ماں کو جس کے لئے راستہ تیار کیا جانا تھا دُعا دیتی ہے۔

تین ماہ تک مریم الیشبع کے یہاں رہی مگر جب الیشبع کے دن نزدیک آگئے تو اُس نے دیکھا کہ اب الیشبع کے پڑوسی اور رشتہ دار اُس کے پاس آئیں گے اور اُس کی خوشی میں شامل ہوں گے مگر ایسے مجمعوں میں حاضر ہونا میرے لئے زیبا نہیں، اگرچہ وہ خُوب جانتی تھی کہ جو کچھ میرے ساتھ ہُوا ہے اُس کا کیا مطلب ہے تو بھی جب اُس نے یُوسف کے پاس اِس ماجرے کا ذکر کیا ہوگا تو یہ تذکرہ اُس کے لئے گویا اُس تلوار کا پہلا زخم ہُوا ہوگا جس کی نبوت شمعون نے بعد میں اِس طرح کی "بلکہ خود تیری جان بھی تلوار سے چھد جائے گی" اور ہم دیکھتے ہیں کہ یُوسف کے دِل سے اُس وقت تک بدگمانی دُور نہ ہُوئی جب تک خُدا نے اُس کو نہ بتایا کہ جو مریم کے رحم میں ہے وہ رُوح القدس سے ہے۔ اس آگاہی سے پہلے وہ حیران و پریشان نظر آتا تھا اور کبھی مریم کو چھوڑ دینے کا ارادہ کرتا تھا مگر اُس کے پُورا کرنے میں جلدی بھی پسند نہیں کرتا تھا۔ کبھی کہتا تھا کہ اگر اُس سے قطع تعلق کرنا چاہُوں تو مجھے دستور کے مطابق طلاق دینی پڑے گی اور اگر مجھے ایسا کرنا ہی پڑا تو چپکے سے دو گواہوں کے سامنے طلاق نامہ اُس کے حوالہ کر دوں گا، لیکن اُس کو دُنیا کی انگشت نمائی کا نشانہ نہ بناؤں گا جس طریقہ سے وہ الٰہی ارادوں سے آگاہ کیا گیا اُس کی امید اُس کو مطلق نہ تھی۔ چنانچہ خواب کے وسیلے سے خُدا نے اُس کو ساری باتیں بتادیں۔ اس کے بعد تمام شکوک کا غُبار یک بارگی اُس کے

دِل سے دُور ہوگیا کیونکہ جب یہ آواز اُس کے کان میں آئی "اے یُوسف ابن داؤد" تو وہ فرشتہ کے پیغام کے لئے تیار ہوگیا اور پھر جب مسیح کا نام پیشتر سے بتایا گیا تو اُس نے اِس خبر کو بھی خیالاتِ مروجہ کے عین مطابق پایا اور پھر یشوع نام کی یہ تشریح کہ وہ اپنے لوگوں کو اُن کے گناہوں سے بچائے گا، مسیح موعود کے اصل کام پر دلالت کرتی ہُوئی معلوم ہُوئی اور چونکہ یہ خبر اُس کو خواب میں ملی تھی لہٰذا اُس نے اُسے بے تامّل قبول کر لیا۔ تین چیزیں تھیں جو کہ خُدا کی خاص رحمت کا نشان سمجھی جاتی تھیں اور اُن میں سے ایک "اچھا خواب" تھا۔ اب جب اس خواب کے وسیلے سے یُوسف کے دل کی تمام کدورت دُور ہوگئی اور اُس نے محسوس کیا کہ ہونیوالے یسُوع اور اُس کی کنواری ماں کے متعلق اب میرا فرض یہ ہے کہ جس قدر جلد ہوسکے میں مریم سے نکاح کر لوں جس سے نہ صرف ظاہری نیک نامی بنی رہے گی بلکہ ہم دونوں کی اخلاقی محافظت بھی ہوگی۔

اسی اثنا میں زکریاہ کے گھر میں وہ عجیب واقعہ ہُوا جس کی راہ مُدت سے دیکھی جارہی تھی یعنی یُوحنّا پیدا ہُوا۔ یہودی خاندانوں میں سب سے زیادہ سنجیدہ اور سب سے زیادہ خوشی کا موقع وہ ہوتا تھا جبکہ لڑکے کا ختنہ کیا جاتا تھا۔ اس رسم کے وسیلے سے شریعت کا جُوا بچے کے کندھے پر آپڑتا تھا اور وہ اُن تمام فرائض کا ذمہ دار اور حقوق کا مستحق ٹھہرتا تھا جس پر یہ ضابطہ دلالت کرتا تھا۔ روایت تھی کہ جب یہ رسم وقُوع میں آتی ہے تو باپ سردار کاہن کی جگہ لے کر خود اپنے بچے کو خُدا کے حضور شکرگزاری اور محبت کی راہ سے نذر کرتا ہے۔ یُوحنّا کا ختنہ حسبِ معمول آٹھویں دن کیا گیا اور جب

نام رکھنے کا وقت آیا تو زکریاہ اور الیشبع کے دوستوں اور عزیزوں نے اُس کو اُس کے باپ کا نام دینا چاہا۔ اس موقع پر لڑکے کی ماں نے کہا کہ اُس کا نام زکریاہ نہیں بلکہ یُوحنّا رکھا جائے گا۔ واضح ہو کہ ختنے سے پہلے کلماتِ دُعائیہ استعمال کئے جاتے تھے اور جب ختنہ ہو چکتا تھا تو پھر مے کے پیالے پر برکت مانگی جاتی تھی اور دُعا کے ساتھ لڑکے کا نام رکھا جاتا تھا اور جو دُعا اُس وقت مانگی گئی وہ کچھ اسی قسم کی ہوگی جو اب بھی یہودیوں میں مانگی جاتی ہے "ہمارا خُدا اور ہمارے باپ دادوں کا خُدا اس بچے کو اُس کے ماں باپ کے لئے برپا کرے اور وہ اسرائیل میں زکریاہ ابن زکریاہ کہلائے"۔ زکریاہ اس وقت خاموش بیٹھا تھا کیونکہ بول نہیں سکتا تھا، پر وہ اُس نشان کو پورا ہوتے دیکھ رہا تھا جو ہیکل میں اُس کو دیا گیا تھا اور جب اُس سے لڑکے کے نام کی بابت پوچھا گیا تو اُس نے بھی تختی منگا کر وہی نام بتایا جو الیشبع نے بتایا تھا۔ اس بات کو دیکھ کر حاضرین متعجب ہوئے۔ مگر اس سے بھی زیادہ تعجب کی بات یہ تھی کہ اُسی دم اُس کی زبان کھل گئی اور وہ بولنے اور خُدا کی حمد کرنے لگا۔ ہیکل میں اُس کے الفاظ سے بے اعتقادی پائی جاتی تھی مگر اب جب اُس کی زبان کھلی تو وہ حمد و توصیف کے گیت گانے لگا اور جو کلمات اب اُس کی زبان سے برآمد ہوئے وہ یقین اور ایمان سے معمور تھے۔ ان باتوں کو دیکھ کر آس پاس کے رہنے والوں پر دہشت چھا گئی اور یہودیہ کے تمام مُلک میں ان سب باتوں کا چرچا پھیل گیا اور سب سننے والوں نے دل میں سوچ کر کہا، "پھر یہ لڑکا کیسا ہونے والا ہے"۔

دوسرا باب

آغوشِ مادر اور خاموش تربیت

پیدائش۔ جس زمانہ میں مسیح پیدا ہُوا اُن دنوں قیصر اگستس رُوم کا بادشاہ تھا اور رُوم کے تخت پر متمکن ہونا گویا تمام مہذب دُنیا کی عنانِ حکومت کو ہاتھ میں لانا تھا۔ پس یہ کہنا بے جا نہیں کہ اگستس قدرِ بے اختیار سے تمام عالم کو تہ و بالا کر سکتا تھا۔ وہ اپنی دولت اور بے انتہا اختیار پر نازاں تھا اور چاہتا تھا کہ اُنہیں اور بھی رونق دے اور اس آرزو کو پورا کرنے کے لئے وہ اس فکر میں تھا کہ ایک ایسا رجسٹر تیار کیا جائے جس میں تمام ممالکؔ کی آبادی کا شمار اور آمدنی کی تفصیل

ا؎ لوقا صرف ہم کو یہ بتاتا ہے کہ قیصر اگستس کی طرف سے یہ حکم جاری ہُوا کہ ساری دُنیا کے لوگوں کے نام لکھے جائیں۔ یہ پہلی اسم نویسی شام کے حاکم کورنیس کے عہد میں ہوئی ہے وہ یہ نہیں بتاتا کہ کون سے سال اور کون سے مہینے میں ہوئی اور اس کی انجام دہی میں کون سے طریقے اختیار کئے گئے اور نہ یہ بتاتا ہے کہ اس اسم نویسی کا کیا مقصد تھا آیا یہ کہ صرف لوگوں کے شمار سے واقفیت پیدا کی جائے یا اس کے ساتھ ان کی جائداد اور ملکیت کا بھی تخمینہ معلوم ہو تاکہ پھر ان پر ٹیکس لگایا جائے۔ وہ ان باتوں کا اس لئے کچھ ذکر نہیں کرتا کیونکہ اُسے ان باتوں سے کچھ سروکار نہ تھا۔ وہ صرف یہ بتانا چاہتا ہے کہ یوسف اور مریم کس طرح بیت اللحم میں آئے جہاں مسیح پیدا ہُوا۔ ہم اس بحث کو جو لوقا کے اس مقام سے علاقہ رکھتی ہے

درج ہو۔ تھوڑے عرصہ کے بعد اُس نے وُہ حکم جاری کیا جو مُقدس لُوقا کی انجیل میں اِس طرح قلمبند ہے۔ "اُن دنوں میں ایسا ہُوا کہ قیصر اگستس کی طرف سے یہ حکم جاری ہُوا کہ ساری دُنیا کے لوگوں کے نام لکھے جائیں"۔ اس اسم نویسی یا مردم شماری کا مطلب یہ تھا کہ آیندہ اسی کے مطابق محصُول اَور جزیہ لیا جائے۔ جن ممالک پر اس فرمان کی اطاعت فرض تھی اُن میں سے ایک فلسطین تھا جس کا بادشاہ ہیرودیس شہنشاہِ رُوم کے باجگزاروں میں شامل تھا۔ اس حُکم سے تمام مُلک میں ہل چل پڑ گئی کیونکہ یہودیوں کا یہ قدیم دستور تھا کہ اسم نویسی کے وقت جہاں وُہ رہا کرتے تھے وہاں اپنے نام نہیں لکھوایا کرتے تھے بلکہ ہر فرقہ کے لوگ اپنے نام لکھوانے کے لئے اُن جگہوں کو چلے جاتے تھے جو اُن کے باپ دادوں سے علاقہ رکھتی تھیں۔

جن لوگوں کو قیصر کا حُکم مُختلف جگہوں کو کھینچے لئے جاتا تھا اُن میں یُوسف اَور مقدسہ مریم بھی شامل تھے یہ دونوں مقدسین ناصرت سے بیت لحم کی طرف روانہ ہُوئے۔ سَو میل کا کٹھن سفر اُن کے سامنے تھا

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۱) درج نہیں کر سکتے کیونکہ جگہ کی قلت ہم کو اجازت نہیں دیتی۔ ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر کوئی دلچسپ بحث کو دیکھنا چاہے تو اینڈریوز لائف آف کرائسٹ کو پڑھے یا عمدہ تفسیروں کا ملاحظہ کرے۔ اینڈریوز صاحب اس بحث کو تین حصّوں میں تقسیم کرکے ہر حصّہ پر غور کرتے ہیں وُہ حصّے یہ ہیں :- (۱) اس اسم نویسی کی کیا غرض تھی اَور کہاں کہاں وقُوع میں آئی (۲) اس بات کا ثبوت کہ یہ اسم نویسی فی الحقیقت لُوقا کے بیان کے مطابق وقُوع میں آئی اَور (۳) کورنیس کے ساتھ اس کا کیا تعلّق تھا۔

تو بھی وُہ اس سفر کو جو مُشکلات اَور تکلیفوں کے سبب سے دوزخ کا نمونہ تھا، اختیار کرنے کو تیار تھے تاکہ اپنے شہر میں جا کر اصل رجسٹر میں اپنے نام درج کرائیں۔ گو اس وقت وُہ تنگی کے پنجہ میں گرفتار تھے اَور نہ اُن کی سیدھی سادی وضع سے غریبی ٹپکتی تھی مگر بیت الحم کو جانا ظاہر کر رہا تھا کہ شاہی خُون اُن کی رگوں میں حرکت کر رہا ہے۔ بادشاہ کا حُکم اِن دونوں کو دھکیلے ہُوئے اُن کی منزلِ مقصُود کی طرف لئے جاتا تھا اَور وُہ دشوار گزار راستے کی سختیوں کا مقابلہ کرتے ہُوئے دن بدن آگے بڑھتے جاتے تھے یہاں تک کہ ایک دن چٹانی چڑھائی طے کرکے اپنی منزل پر جا پہنچے۔ مگر اُس وقت یُوسف طرح طرح کی فکروں میں ڈوبا ہُوا تھا اَور مریم تھکان کے مارے بے دم ہُوئی جاتی تھی اَور جب وُہ سرائے[1] میں داخل ہُوئے تو دیکھا کہ

[1] عُلماء خیال کرتے ہیں کہ اُس زمانہ میں فلسطین کی سرائیں کچھ اسی طرز کی ہونگی جس طرز کی اَب مُلکِ آرام میں پائی جاتی ہیں۔ اُن کے سامنے ایک صحن ہوتا تھا جو دیواروں سے گھِرا ہُوا ہوتا تھا اَور اس کے ساتھ ایک یک منزلہ مکان لگا ہُوا ہوتا تھا جو بہت بلند نہیں ہوتا تھا۔ بڑی بڑی سراؤں میں کئی کوٹھڑیاں پائی جاتی تھیں۔ صحن میں جانور باندھے جاتے تھے اَور کوٹھڑیوں میں مُسافر رہتے تھے۔ مُسافر اپنے جانوروں کو آپ سنبھالتے تھے۔ اپنا کھانا اَور اپنا بستر اپنے ساتھ لاتے تھے۔ معلُوم ہوتا ہے کہ اُن سراؤں میں اَور ہمارے مُلک کی سراؤں میں جو بڑے بڑے دیہات اَور قصبوں میں پائی جاتی ہیں، بہت فرق نہ تھا۔ ہوٹل جن میں سجے ہُوئے کمرے اَور آسائش کے سب مکلّف سامان اَور لذیذ کھانے جس وقت چاہیں اُسی وقت مل جاتے ہیں، جدید تہذیب کا نتیجہ ہیں، لیکن فلسطین

دو مسافروں سے بھری پڑی ہے اور اُن مسافروں کو بھی وہی مقصد اس جگہ کھینچ لایا تھا جو یوسف اور مریم کے سفر کا موجب ہوا تھا۔ سرائے میں کہیں تل رکھنے کو جگہ نہ تھی اور نہ شہر میں کوئی ایسا دوست تھا جو آؤ بھگت کرتا اور نہ کوئی ایسا ہمدرد تھا جو ان مسافروں کے لئے اپنے گھر کا دروازہ کھولتا اور دسترخوان بچھاتا۔ آخر اس بے کسی اور بے بسی کی حالت میں اصطبل کے ایک گوشہ پر جہاں مسافروں کے گھوڑے اور خچر بندھے تھے، قناعت کی یا اُسی رات اور اُسی جگہ مریم کا پہلوٹھا بیٹا پیدا ہوا۔ اب چونکہ نہ تو کوئی ایسی عورت پاس تھی جو اس مشکل وقت میں اُس کی مدد کرتی اور نہ کوئی پلنگ یا کھٹولا موجود تھا جس پر اپنے بچہ کے تولد سے کو لٹاتی لہٰذا اُسے

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ ۲۲) میں ابھی بعض بعض جگہ تو کچی سرائے اور بعض جگہ اس کا طرز تعمیر ہے جہاں جانور اور مویشی باندھے جاتے تھے غار میں بھی ہوتا تھا۔ جسٹن شہید جو کہ سکم کا رہنے والا تھا اور فلسطین سے بخوبی واقف تھا بتاتا ہے کہ بیت الحم کی سرائے کا اصطبل جس میں مسیح پیدا ہوا ایک غار میں واقع تھا جو سرائے سے ملحق تھا۔ اسی غار پر ایک گرجا بنا ہوا ہے جو "چرچ اینڈ کانونٹ آف دی نیٹویٹی" (THE CHURCH AND CONVENT OF THE NATIVITY) کہلاتا ہے۔ اسی کے پاس ایک اور غار ہے جہاں قدیم مسیحی آباؤں میں سے جیروم نے اپنی زندگی کے پچھلے تیس برس [illegible] مناجات اور روزے اور مطالعہ میں صرف کئے۔

چیتھڑوں میں لپیٹ کر چرنی میں رکھ دیا۔ سٹاکر صاحب فرماتے ہیں کہ جب تک میں وسط جرمنی کے مشہور تجارتی شہر آکس لیبن میں

رہا دیکھئے تو کیسی سادگی سے دنیا کے نجات دہندہ کی پیدائش کا بیان کرتا ہے ایک لفظ بھی اُس کے بیان میں ایسا نہیں پایا جاتا جس سے اس قسم کی کوشش ظاہر ہو کہ گویا وہ مسیح کی پست حالی کو خارجی چیتھڑوں اور عجیب نظاروں سے ملبّس کرنا چاہتا ہے۔ پچھلے زمانوں کے غیر الہامی اور غیر مستند احوال بھی موجود ہیں جن کو اپاکرفل کہتے ہیں۔ اُن کے ساتھ اگر اس بیان کا مقابلہ کیا جائے تو فوراً معلوم ہو جائے گا کہ اس میں اور اُن میں آسمان و زمین کا فرق ہے۔ بے شک اُن کو جن کے دل منور نہیں یہ بات نا ممکن معلوم ہوتی ہے کہ مسیح جو ابن خدا تھا دنیا میں آئے اور اُس کی پیدائش کے وقت نیچر نہ تو بالا نہ ہو اور نہ اُس میں جنبش نہ آئے۔ فیرر صاحب ایک کتاب کا جو حقوق میں یعقوب کی انجیل کہلاتی ہے اور اپاکرفل کتابوں میں شامل ہے ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کتاب میں ایک باب ہے جس میں مسیح کی پیدائش کے متعلق کئی عجیب باتیں مذکور ہیں مثلاً یہ کہ جب وہ پیدا ہوا تو فضائے آسمانی بے حس و حرکت ہو گیا اور تمام جانور خاموش ہو گئے۔ بھیڑیں جو چرتی ہوئی تھیں، جہاں تھیں وہیں کھڑی کی کھڑی رہ گئیں۔ گڈریئے نے انہیں مارنے کو اپنا ہاتھ اٹھایا مگر اُس کا ہاتھ وہیں رہ گیا۔ بکروں نے ندی پر پانی پینے کے لئے سر جھکایا پر نہ پیا کیونکہ بے حرکت ہو گئے۔ غرضیکہ جو شئے آگے بڑھ رہی تھی اُس کی رفتار آناً فاناً رک گئی۔ مگر الہامی انجیلوں میں نیچر کے عمل کے دفعتاً ساکن ہو جانے کا کوئی اشارہ نہیں پایا جاتا اور نہ اُن میں یہ بتایا گیا ہے کہ مسیح کے آس پاس عجیب قسم کی روشنی نمودار ہوئی اور نہ یہ کہ دنیا میں کئی جگہ [illegible] جاری ہوا اور مریم درد زہ سے بالکل آزاد رہی اور نہ یہ کہ جب تک یسوع کو سجدہ کیا [illegible] میں پڑا ہوا تھا اور اُس نے پیدا ہونے کے بعد اپنی ماں سے کہا کہ میں خدا کا بیٹا ہوں [illegible] بیماری

نہ گیا تب تک یہ عجیب سماں پُورے پُورے طور پر میری سمجھ میں نہ آیا۔

جب مَیں اُس بیتھ کی سرائے میں پہنچا تو مَیں نے اُس کمرے کو دیکھا جہاں مارٹن لوتھر پیدا ہُوا تھا۔ اُس کے ماں باپ بھی کسی کام کے لئے یہاں آئے تھے اور وُہ بھی تنگدستی کے جنگل میں گرفتار تھے اور جب یہ سرائے ایک بڑی بھیڑ سے پُر اور شور و غوغا سے گونج رہی تھی عین اُس وقت وہ شخص پیدا ہُوا جو یُورپ کو ایک نئے سانچے میں ڈھالنے والا تھا۔

مسیح کی پیدائش کے بعد صبح کو سرائے میں پھر شور و غل کا بازار گرم ہُوا۔ بیت لحم کے باشندے حسبِ معمول پھر اپنے کاروبار میں مصروف ہو گئے۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ گزری رات ایک ایسی بات وقوع میں آئی ہے جو تمام دُنیا کی تاریخ میں بے نظیر ہے۔ ہر ایک بچہ جو اس دُنیا میں آتا ہے گویا رازِ سربستہ کی طرح یا یُوں کہیں کہ بند ڈبیا کی طرح ہوتا ہے، جس میں طرح طرح کے امکانات کے جواہر بند ہوتے ہیں۔ بیشک یُوسف اور مریم اس بھید سے واقف تھے اور جانتے تھے کہ مریم جو ایک غریب گھرانے میں پیدا ہُوئی اور ایک غریب نجار سے بیاہی گئی ہے، اس اعزاز سے ممتاز کی گئی ہے کہ اپنی قوم کے مسیح موعود اور دُنیا کے نجات دہندہ کی اور جسم کے اعتبار سے خُدا کے بیٹے کی ماں کہلائے ؎

ایک قدیم نبوت کے مطابق اُسے اُسی جگہ پیدا ہونا تھا۔ وُہ نبوت یہ تھی کہ "اے بیت لحم افراتا! ہر چند کہ تو یہوداہ کے سرداروں میں شامل ہونے کے لئے چھوٹا ہے تو بھی تجھ میں سے وُہ شخص نکل کے مجھ پاس آئیگا،

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۵) انجیلوں کا اِن فضول باتوں سے محفوظ رہنا اُن کی سچائی اور اُن کے مصنفوں کی دیانتداری کا پکا ثبوت ہے۔

جو اسرائیل میں حاکم ہو گا"۔ اگرچہ ان دو جانوں کو متکبر مزاج اگستس کا حکم بیت لحم کی جانب جو جنُوب کی طرف واقع تھا کھینچ لایا تھا، تو بھی یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ساتھ ہی ساتھ ایک اور ہاتھ بھی کام کر رہا تھا اور وُہ ہاتھ اُس کا تھا جو اپنے ارادوں کو پُورا کرنے کے لئے شہنشاہوں اور بادشاہوں، بڑے بڑے مدبّروں اور پارلیمنٹوں کے ارادوں کو اپنے بس میں رکھتا ہے خواہ وُہ اُسے جانیں یا نہ جانیں۔ اُسی نے فرعون کے دِل کو سخت کیا۔ اُسی نے خورس کو غلام کی طرح اپنے قدموں میں بُلایا۔ اُسی نے زبردار اور بزرگ نصر کو اپنا چاکر بنایا۔ پس وُہ اس قابل تھا کہ اگستس کی حرص اور تکبر کو اپنے اغراض کے پُورا کرنے کی خاطر اپنی حکمت کے مطابق کام میں لائے۔

مختلف پرستار:۔ اگرچہ مسیح نے بڑی پستی اور خاموشی سے زندگی کی سٹیج پہ اپنا قدم رکھا۔ اگرچہ باشندگانِ بیت لحم نے نہ جانا کہ ہمارے درمیان کیسا عجیب واقعہ سرزد ہُوا ہے۔ اگرچہ شہنشاہِ رُوم اس بات سے بالکل بے خبر تھا کہ باغِ عالم میں ایک نیا گُل کِھلا ہے، جس کی خوشبُو سے تمام دُنیا مہک اُٹھے گی اور آج وُہ بادشاہوں کا بادشاہ پیدا ہُوا ہے جو نہ صرف سلطنتِ رُوم پہ حکمران ہوگا بلکہ اُس کی بادشاہی کا سکہ اُن ممالک میں بھی رائج ہوگا جہاں رُومی عقاب نے اب تک پَر نہیں مارا۔ اگرچہ بنی آدم کی تاریخ موجزن دریا کی طرح شور مچاتی ہُوئی اپنی معمُولی طرز پہ جا رہی تھی اور اس نادر واقعہ سے جو سرزد ہو چکا تھا نا آشنا تھی تو بھی کئی لوگ ایسے بھی تھے جو اس عجیب واقعہ سے واقف تھے جس طرح الیشبع کے رحم میں جب اُس کے خُداوند کی ماں اُس کے نزدیک

آؤ اور لڑکا اُچھل پڑا تھا اسی طرح جب وُہ جو نئی دُنیا کو اپنے ساتھ لایا اور نمودار ہُوا تو جا بجا پُرانی دُنیا میں جو اَب مِٹنے والی تھی لوگوں کے درمیان آنے والے بادشاہ اور نجات دہندہ کے متعلق طرح طرح کے نشانات اور خیالات پیدا ہو گئے۔ چنانچہ جو لوگ اُس کی راہ دیکھ رہے تھے اور رُوحانی بینائی اور باطنی پاکیزگی کے سبب اِن نشانات کو دیکھنے اور سمجھنے کی لیاقت رکھتے تھے اُن کے دل میں کچھ کچھ روشنی چمک اُٹھی کہ جو آنے والا تھا وُہ آ گیا ہے۔

جن لوگوں نے سب سے پہلے اِس بچّہ کی زیارت کی اور اُس کے سامنے سر بسجود ہُوئے وُہ چرواہے تھے۔ جس سے یہ مثال واضح ہے۔ عالیجاہ بادشاہ اور زمانے کے بڑے بڑے نامور لوگ بے خبر تھے وُہ ایک ایسا واقعہ تھا کہ آسمانی شہزادے اُس میں اِس قدر محو اور مگن تھے کہ انہوں نے عالمِ غیب اُٹھا دیا تاکہ اپنی خوشی کے جوش کو ظاہر کریں اور اِس جلیل القدر واقعہ کا مطلب سمجھائیں اور وُہ جیسے لوگوں سے ملنا چاہتے تھے ویسے لوگ اُن کو مل گئے اور وُہ گڈریئے تھے جو بیابان دشت میں مصروف اور دُعا و مناجات میں مشغول ہو کر اُن کھیتوں میں اپنے گلّے چرا رہے تھے۔ یہ لوگ یہودی تاریخ کے بعض عجیب واقعات کا منظر ہونے کی وجہ سے رُوحانی حقیقتوں کے پھولوں کا گویا ایک گلدستہ بن گئے تھے جس میں سے تازہ تازہ خیالات خوشبو کی طرح اُٹھتے تھے۔ انہیں کھیتوں میں یعقوب اپنی بھیڑ بکریاں چرایا کرتا تھا۔ یہیں رُوت بوعز کے نکاح میں آئی۔ اسی جگہ داؤد نے جو عہدِ عتیق میں مسیح کا خاص نمونہ تھا اپنی جوانی کے دن کاٹے تھے۔ غرض گڈریئے ایسی یادگاروں کے مرکز میں لیٹے ہُوئے

کی مخفی صُورتوں کا مطالعہ کرتے ہُوئے آنے والے نجات دہندہ کے بارے میں تازہ سبق سیکھ رہے تھے۔ اِس علم میں اُن کی لیاقت اُن فریسیوں پر سبقت لے گئی تھی جو ہیکل کی شاندار عبادت میں اپنی زندگی بسر کیا کرتے تھے اور نہ ہی وُہ فقیہ اِس امر میں اُن کے ہم پلہ تھے جو پرانے عہد نامے کی نبوتوں کی ورق گردانی تو کیا کرتے تھے مگر اِس عمیق بحر میں جو موتی چھپا ہُوا تھا اُس کے دیکھنے کی آنکھ نہ رکھتے تھے۔ فرشتے نے اِن گڈریوں کو بتایا کہ دُنیا کا نجات دہندہ چرنی میں پڑا ہے اور وُہ یہ خبر پاتے ہی فی الفور اُس طرف روانہ ہُوئے تاکہ اُس کے دیدار سے آنکھیں روشن کریں۔ اِن گڈریوں کو اُن مفلس اور غریب لوگوں کے نمائندے سمجھنا چاہیئے جو کچھ عرصہ کے بعد بکثرت اُس کے پیرو ہو گئے۔

گڈریوں کے بعد شمعون اور حناہ آئے جنہیں اُن لوگوں کے نمائندے سمجھنا چاہیئے جو مقدس نوشتوں کو بڑے عجز و شوق سے پڑھا کرتے اور اُن کے معانی کو بھی سمجھتے تھے۔ اُن دنوں اِس قسم کے لوگ مسیح کے ظہور کے منتظر تھے اور اُن میں سے کئی ایک نے بعد میں اُس کی پیروی اختیار کی اور اُس کے وفادار اور جان نثار شاگرد بنے۔ پیدائش سے آٹھ روز بعد معمول کے مطابق اُس کا ختنہ کیا گیا اور وُہ اِس طرح شریعت کے تابع اور عہد میں شامل ہُوا اور اپنا نام اپنے خون سے لکھ کر اپنی قوم کے شمار میں داخل ہُوا اور جب تھوڑی مدت بعد مریم کی طہارت کے ایام پُورے ہو گئے تو مسیح کو بیت لحم سے یروشلیم میں لائے تاکہ ہیکل میں خُدا کے حضور نذر کریں۔ یہ کیسا عجیب سماں تھا گویا اُس وقت ہیکل کا خُداوند خُداوند کی ہیکل میں داخل ہو رہا تھا۔ کاہنوں نے شاید کبھی کسی زائر کو ایسی کم التفاتی سے نہ دیکھا

ہو گا جیسا مریم اور اُس کے بچّے کو دیکھا، کیونکہ مریم اپنے ساتھ وُہ قُربانی
نہیں لائی تھی جو عموماً ایسے موقعوں پر چڑھائی جاتی تھی۔ وُہ فقط قمریوں
کا ایک جوڑا لائی تھی جو کنگالوں کی قربانی سمجھا جاتا تھا۔ اگرچہ ہیکل کے
کارگذاروں نے اُسے نہ پہچانا پر بعض اہلِ بصیرت نے جن کی آنکھوں پر
اس گندم نما جو فروش دُنیا کے چکیلے نظاروں کی جھلک سے چکا چوندی
کا پردہ نہیں چھایا تھا اُسے پہچان لیا۔ تنگ دستی کا پردہ اُن سے اُس
کے جلال کو نہیں چھپا سکتا تھا۔ ان اہلِ نظر میں سے ایک شمعُون تھا
جس نے اپنی بے شمار دُعاؤں کے جواب میں یہ وعدہ پایا تھا کہ جب
تک وُہ مسیح کو نہ دیکھ لے تب تک اس دُنیائے فانی سے کُوچ نہ کریگا،
اور جب اُس نے مریم اور اُس کے بچّے کو دیکھا تو فوراً یہ خیال بجلی کی طرح
اُس کے دل میں سے گزر گیا کہ یہی بچّہ وُہ نجات دہندہ ہے جس کے
اشتیاقِ دیدار میں مدّت سے چشم براہ ہُوں۔ اُس نے اُسے اپنی گود میں
لیا اور غیر قوموں کے نور اور اسرائیل کے جلال کو دیکھ کر خُدا کا شُکر ادا کیا۔ وُہ
اپنا کلام ہنوز ختم نہ کرنے پایا تھا کہ ایک اور گواہ آن موجود ہُوا۔ یہ ایک
خُدا پرست بیوہ تھی جس کا نام حنّا تھا جو مدّت سے ہیکل ہی میں رہا کرتی تھی۔
اُس کی آنکھیں دُعا اور روزے کے سُرمہ سے ایسی صاف ہو گئی تھیں کہ اُس
کی نظر ظاہری صُورت کو دیکھنے سے اندرونی حقیقت کی تہ تک بآسانی پہنچ
سکتی تھی۔ اُس نے بُوڑھے شمعُون کی گواہی کی تائید کی اور اس راز سے
دیگر بندگانِ خُدا کو جو اسرائیل کی نجات کی انتظاری میں تھے آگاہ کیا۔
اب یہ چرواہے اور یہ عُمر رسیدہ مقدّس تو اُس جگہ کے نزدیک ہی
رہا کرتے تھے جہاں یہ نئی طاقت دُنیا میں داخل ہُوئی، مگر اس عجیب واقعہ

نے دُور دراز ممالک میں بھی اثر پذیر دلوں پر اپنا عکس جا ڈالا۔ جب مجُوسی
اُسے دیکھنے آئے تو اُس وقت غالباً وُہ ہیکل میں جا چُکا تھا اور اُس کے
ماں باپ اُسے بیت لحم کو واپس لے گئے تھے تاکہ وہیں بُود و باش اختیار کریں
اور ناصرت کو واپس نہ جائیں۔ یہ مجُوسی اُن ممالک کے رہنے والے تھے۔ وُہ
گویا گنجینۂ علُوم کے محافظ تھے جس میں سائنس اور فلسفہ اور طب شامل
تھے اور دینی رازوں کے خزانوں کی کُنجیاں بھی اُنہیں کے سپرد تھیں۔ ٹے
سیٹس اور سوٹانیس اور یُوسیفس جیسے نامور مؤرخ بتاتے ہیں کہ
جن ممالک سے یہ لوگ آئے تھے وہاں اُن دنوں اس بات کا انتظار عالمگیر
تھا کہ مُلکِ یہودیہ میں ایک بادشاہ پیدا ہونے والا ہے اور ہمیں قابل
منجم کیپلر کے حساب سے معلُوم ہُوا ہے کہ اُنہیں ایّام میں سطحِ آسمان پر
ایک چند روزہ مگر نہایت چمکتا ہُوا ستارہ[1] نمودار ہُوا تھا۔ اب یہ

[1] اس ستارے کی نسبت جو کچھ مشہور منجم کیپلر نے کہا ہے۔ اس سے زیادہ واقف
ہونے کے لئے فیرار اور انڈر ہلز صاحبان کی کتابوں کو دیکھنا چاہیئے۔ اُن میں یہ مفصل
ذکر پایا جاتا ہے کہ کس طرح کیپلر نے ۱۶۰۳ اور ۱۶۰۴ کے دَور میں پہلے زُحل اور
مُشتری کا قِران معلُوم کیا اور پھر یہ کہ کچھ عرصہ کے بعد مریخ بھی اُن سے آملا اور پھر زُحل
اور مُشتری کے درمیان ایک نیا ستارہ دیکھا جو اپنی چمک دمک میں زُہرہ سے بھی کہیں بڑھ
کر تھا۔ یہ قِران قریباً آٹھ سو سال کے بعد وقُوع میں آتا ہے اور حساب لگانے سے
معلُوم ہوتا ہے کہ جن دنوں ہمارا خُداوند پیدا ہُوا اُن دنوں یہ قِران واقع ہُوا تھا اور یہ ستارہ
بھی جو کیپلر نے زُحل اور مُشتری کے مابین دیکھا اُس وقت نمایاں دکھائی دیا ہوگا۔ مجُوسیوں کے
ستارے کی نسبت تین روایتیں مروّج ہیں۔ اوّل یہ کہ اس ستارے سے وُہ قِران مُراد ہے جو
کیپلر صاحب کے حساب کے مطابق مسیح کی پیدائش سے ذرا پہلے واقع ہُوا۔ اس پر یہ اعتراض

نجومی علم نجوم کے بڑے شائق تھے اور جانتے تھے کہ غیر معمولی اظہار جو سطح آسمان پر نمودار ہوتا ہے اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ سطح زمین پر بھی کوئی غیر معمولی واقعہ رُونما ہو گا۔ پس ممکن ہے کہ اُنہوں نے اس ستارے کو جس کی طرف اُن کی توجہ ہُوئی ہوگی اور اُس عالمگیر انتظار کو جو اُن کے ممالک میں پایا جاتا تھا کے پہلو بہ پہلو رکھ کر زیادہ جوش حاصل کیا ہو کہ چلیں اور چل کر دیکھیں کہ جس بات کی انتظاری میں بے قراری ہو رہی ہے وُہ ابھی پُوری ہُوئی ہے یا نہیں۔ نا ممکن نہیں کہ اس کے ساتھ ہی اپنی ذاتی محتاجی اور بے کسی کو بھی پہچانا ہو اور آسودگی کی خبر عالم غیب سے پائی ہو۔ پس ممکن ہے کہ گو اُن کی تلاش کا آغاز محض ایک علمی شوق اور تصوّر پر مبنی ہو سکتا ہے تو بھی خدا نے اُنہیں کامل صداقت کی راہ دکھائی۔ خدا ہمیشہ اسی طرح کیا کرتا ہے مثلاً ہم ناکاملوں کو لعنت ملامت کرنے کی جگہ وُہ ہمارے ساتھ ایسی زبان میں ہمکلام ہوتا ہے جو ہم سمجھ سکتے ہیں خواہ اُس کا مطلب ادھورے طور پر ہی ظاہر ہو اور یوں وُہ ہمیں کامل صداقت

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۱) کہا جاتا ہے کہ قرآن میں فقط دو سیّارے ایک دُوسرے کے نزدیک آ جاتے ہیں مگر مل کر ایک نہیں ہوتے۔ اس کے جواب میں وُہ لوگ جو قرآن والی تھیوری کو مانتے ہیں یہ کہتے ہیں "کہ گو یُونانی لفظ ستارے کے لئے بھی آتا ہے۔ دُوسرا خیال یہ ہے کہ وُہ ستارا وہی تھا جو زحل اور مُشتری کے درمیان دکھائی دیا اور تیسرا یہ ہے کہ وُہ بالکل ایک نیا ستارہ تھا جو خُدا نے اپنی قُدرت سے اُنہیں دنوں معجزانہ طور پر خلق کر کے سطح آسمان پر ظاہر فرمایا۔ ڈاکٹر سٹاکر کی رائے جو متن میں درج ہے زیادہ صاف اور مُشکلات سے بری معلوم ہوتی ہے۔

کی طرف لے چلتا ہے جس طرح اُس نے اسٹرالوجی (علم نجوم) سے دُنیا کو اسٹرانومی (ہیئت) تک پہنچایا اور مجوسیوں کی کیمیاگری کے پنجہ سے رہا کر کے حقیقی علم کیمیا (کمسٹری) کا دروازہ دکھایا اور جس طرح "ریوائیول آف لرننگ" کے بعد آفتاب ریفارمیشن کو طلوع کیا اُسی طرح اُس نے اُن لوگوں کے علم سے کیا جو پہلے نصف سے زیادہ لغو اور باطل ہو گا یعنی اُسی کے وسیلے سے اُنہیں دُنیا کے نُور کے حضُور لے آیا۔ اُن کا آنا گویا اس بات کی نبوت تھا کہ آنے والے زمانوں میں کس طرح غیر قومیں اُس کی تعلیم اور نجات کو قبول کریں گی اور کیونکر اپنی دولت اور حکمت کا اپنا علم اور فلسفہ اُس کے پاؤں پر نثار کر ڈالیں گی۔

یہ لوگ تو اُس کے گہوارے کے اردگرد اس لئے جمع ہُوئے تھے کہ اُس کے سامنے سر نیاز خم کریں۔ چنانچہ گڈریئے اپنی سادگی سی ہیئت کے ساتھ اُس کے حضُور سر نگوں ہُوئے مجُوسی اور اتنا اُس گہری تعظیم کے ساتھ جو صدیوں کی دانائی اور دینداری سے پُر تھی اُس کے سامنے سر بسجُود ہُوئے اور مجوسیوں نے بڑے بڑے نذرانوں اور مایۂ علم کے ہدیوں کے ساتھ ڈنڈوت کی۔ اِدھر یہ لوگ اُس کے در پر سجدے کرتے ہیں اُدھر ایک اور شخص نمودار ہوتا ہے جس کے چہرے سے دغا اور خونریزی کے آثار ظاہر ہیں یہ ہیرودیس ہے جو اُس مُلک کا بادشاہ ہے اور اس وقت داؤد اور مکابیوں کے تخت کا وارث بنا بیٹھا ہے۔ یہ شخص درحقیقت ایک اجنبی کمینہ اور غاصب آدمی تھا اُس کی ماں عربی تھی اور باپ ادومی تھا۔ کہتے ہیں کہ

له یعنی یورپ میں تاریکی اور جہالت کی صدیوں کے بعد علمی نشو و نما کا زمانہ۔

جب وہ تختِ نشین ہُوا تو ممبرانِ سنہیڈرم نے کمال دلیری سے اس کو آگاہ
کیا کہ ہم بموجب استثنا ۱۷: ۱۵ کے ایک اجنبی کو اپنا بادشاہ نہیں بنا سکتے۔
ہیرودیس نے اُن میں سے کئی ایک کو مروا ڈالا۔ اُس کی رعایا اُس سے نفرت
رکھتی تھی اور اگر وہ اپنے تخت پر قائم تھا تو رُومیوں کے طفیل سے تھا۔
اس میں شک نہیں کہ وہ ایک قابل اور حریص اور شان و شکوہ کو پسند کرنے
والا آدمی تھا، مگر اس کے ساتھ ہی وہ ظالم اور فریبی اور مُردہ اور پلید دل
بھی رکھتا تھا۔ اُس کا ثانی سوا مشرقی ظالموں کے اور کہیں نہیں مل سکتا۔
کوئی ایسا جرم نہ تھا جس کا مرتکب وہ نہ تھا۔ اُس کا محل خُون میں تیر رہا
تھا۔ اپنی چہیتی بیوی کو اُس نے قتل کیا۔ اپنے تین بیٹوں کا خُون اُس نے
پیا اور اپنے کئی رشتہ داروں کو تلوار کے گھاٹ پار اُتارا۔ اِن دنوں
بڑھاپے کا عالم تھا۔ کبھی بیماری دُکھ دیتی تھی اور کبھی ناکردنی افعال
کی ندامت اُس کو ستاتی تھی۔ کبھی یہ خیال بے آرام کرتا تھا کہ لوگ مجھ کو پسند
نہیں کرتے اور کبھی تخت کے دعوے داروں کی دعوے داری کا ڈر گلے
کا ہار بن جاتا تھا۔ مجوسی قاعدے کے مطابق پہلے دارالسلطنت کی
طرف آئے تاکہ دریافت کریں کہ جس کا ستارہ اُنہوں نے پُورب میں دیکھا
تھا وہ کہاں پیدا ہُوا ہے۔ اور جب اُنہوں نے یہ سوال ہیرودیس سے
کیا تو اُس کے دل پر برچھیاں چلنے لگیں۔ لیکن اُس نے اپنے خیالات کو
بڑی احتیاط سے شیطانی ریاکاری کے پردے تلے چھپا رکھا اور کاہنوں
سے پتہ لے کر کہ مسیح بیت لحم میں پیدا ہوگا ان پردیسیوں کو وہاں جانے
کی ترغیب دی اور کہا کہ لوٹتے وقت ضرور مجھے وہ گھر بتاتے جانا جہاں
وہ نیا بادشاہ سکونت پذیر ہے۔ وہ اپنے خیال میں یہ سمجھے ہوئے تھا کہ میں

اُسے ایک ہی ضرب سے چکنا چُور کر ڈالوں گا لیکن اُس کے تمام خیالات
بیکار نکلے کیونکہ مجوسی خُدا سے آگہی پاکر دُوسری راہ سے اپنے وطن کو
روانہ ہُوئے، اور پھر کبھی ہیرودیس کے پاس واپس نہ آئے۔ یہ دیکھ
کر ہیرودیس کے غضب کی آگ بھڑک اُٹھی اور اُس نے اپنے سپاہیوں
کو روانہ کیا کہ جا کر تمام بچّوں کو جو دو برس سے نیچے تھے[۱]

[۱] اِس ظالمانہ واقعہ کے بارے میں بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ واقع
سرزد نہیں ہُوا کیونکہ یہودی مؤرخ جوسیفس اس کا ذکر اپنی کتابوں میں نہیں کرتا۔
اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ ہیرودیس نے طرح طرح کے ظلم کیے جن کا شمار
کرنا آسان کام نہیں۔ پس اگر اُس کی بے شمار ظالمانہ حرکات میں سے جوسیفس نے
بعض کا ذکر نہ کیا تو کچھ تعجب کی بات نہیں اور یہ جواب تسلی بخش معلوم ہوتا ہے۔ اصل
میں متی کے الفاظ "جو دو برس کے یا اُن سے چھوٹے" پڑھنے والے کو کسی قدر حیرت میں
ڈال دیتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو بچے قتل کیے گئے تھے اُن کی تعداد بے شمار
ہوگی اور اُن کے قتل کیے جانے کی خبر جابجا پھیل گئی ہوگی پر ہم بعض علماء کے قیاسوں
کو پیش کرتے ہیں جن کے مطابق مقتول لڑکوں کا شمار بہت قلیل نظر آتا ہے۔
اندریوز صاحب ایک شخص کی رائے اُسی کے لفظوں میں اِس طرح رقم کرتے
ہیں۔ "صرف وہی لڑکے اس شمار میں داخل تھے جنھوں نے دُوسرا سال شروع کیا
تھا۔" اور ایک اور عالم یہ کہتا ہے کہ فقط وہی لڑکے مراد ہیں جو تیرہ مہینے کے تھے۔
بعض علماء نے حساب لگا کر یہ رائے دی ہے کہ بیت لحم کے باشندے ۲ ہزار کے
قریب تھے لہٰذا وہ لڑکے جو قتل کیے گئے ۹ سے زیادہ نہ ہوں گے اور بعضوں نے
بیت لحم کے باشندوں کی تعداد ۲۰۰۰ بتائی ہے اور مقتول لڑکوں کی تعداد ۵۰۔ اور
بعضوں نے یہ کہا ہے کہ اُن کا شمار دس یا پندرہ سے زیادہ نہ ہوگا جوسیفس ہیرودیس کی

ہلاک کر ڈالیں پر اگر وہ پہاڑی چٹان کو ہوائی ضربوں سے چکنا چور کر
سکتا تو خدا کے ارادوں کو بھی کاٹ ڈالتا۔ اُس نے مرغِ بلند پرواز کو شکار

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۵) نسبت تحریر کرتے ہوئے یوں کہتا ہے "وہ (یعنی ہیرودیس) سب
بنی آدم پر ظلم کرتا رہا تھا اور انسانیت سے بالکل بے بہرہ تھا۔ پس جس شخص نے اپنی بیوی
کو قتل کیا اور اپنے بچوں کا خون پینے سے دریغ نہ کیا اور مرتے دم بھی غضبناک ہو کر یہ خواہش
ظاہر کی کہ اُس کے تمام اُمرا قتل کئے جائیں تاکہ اُن کا جنازہ بڑی دھوم دھام سے اُٹھے
اگر ایسا شخص چند بچوں کو مروا ڈالتا تو یہ اُن لوگوں کے لیے جو اُس کی ظالمانہ طبیعت سے
بخوبی واقف تھے تعجب کا باعث نہ ہوتا۔ پس ممکن ہے کہ یہودی مؤرخ جوسیفس جو اس واقعہ
سے بہت مدت بعد لکھنے لگا اس سے واقف نہ تھا اور اگر تھا تو بھی لازم نہ تھا
کہ وہ اس کو ضرور لکھتا۔ بعض اشخاص نے اُس کی خاموشی کے یہ باعث پیش کئے ہیں۔
اوّل کہ وہ اُن باتوں کو جو مسیحی اُمیدوں سے وابستہ تھیں ظاہر کرنا نہیں چاہتا۔ دوم یہ کہ وہ
کوئی ایسی بات اپنی تحریر میں درج کرنا نہیں چاہتا تھا جس سے مسیحی مذہب کی طرف توجہ
کھینچی جائے۔ غالباً کہ یہ وجوہات صحیح ہیں اور اگر نہیں ہیں تو بھی کچھ ہرج نہیں کیونکہ ہم متی
کے بیان کو ردّ نہیں کر سکتے۔ صرف وہی لوگ اُس کی معتبری پر شک لاتے ہیں جو ہر واقعہ
کے ثبوت میں یہودی یا غیر قوموں کی تواریخ سے تائید طلب کرتے ہیں۔

غیر قوم مؤرخوں نے بھی اس کا ذکر اپنی کتابوں میں نہیں کیا اور اس کی وجہ غالباً یہ
تھی کہ اُن کی دانست میں یہودیہ رومی مقبوضات میں ایک ادنیٰ درجہ کا مُلک تھا،
اور اُس کے بعض واقعات کو جو غیروں کے لیے کچھ دلچسپی نہیں رکھتے تھے رقم کرنا
اُنہیں چنداں ضروری معلوم نہ ہوا۔ ایک شخص نے جس کا نام مکروبی اس تھا اور مسیحی نہ
تھا، یہ لکھا ہے کہ جب اگسٹس (شہنشاہ روم) نے سنا کہ ارام کے اُن دو دو برس کے لڑکوں
میں جن کے قتل کرنے کا حکم ہیرودیس نے دیا تھا .... ہیرودیس کا بھی ایک
لڑکا شامل تھا تو اُس نے کہا کہ "ہیرودیس کا بیٹا بننے کی نسبت اس کے سوروں میں شامل ہونا بہتر ہے"

کرنے کے لیے اپنی تلوار گھونسلے پر چلائی، پر وہ پہلے ہی سے اُڑ گیا تھا
یعنی لڑکے کو یوسف مصر لے گیا اور ہیرودیس کی موت تک وہیں رہا۔
جب ہیرودیس مُلکِ عدم کو روانہ ہوا تو وہ ناصرت کو واپس آیا اور
وہاں رہنے لگا کیونکہ بیت لحم جانے سے خدا نے اُس کو روک دیا تھا وجہ
یہ تھی کہ بیت لحم ہیرودیس کے بیٹے ارخلاؤس کی حدود میں واقع تھا جو
اپنے قاتل باپ کا ہم مزاج اور ہم طبع بیٹا تھا۔ ہیرودیس کی خونی آنکھوں کا
اس بچے کی طرف دیکھنا اس بات کی افسوسناک ثبوت تھی کہ دنیا کی طاقتیں
اُسے ستائیں گی اور اُس کی زندگی کے درخت کو باغِ عالم سے کاٹ ڈالیں گی۔

ناصرت میں خاموش زندگی۔ مسیح کی پیدائش سے لے کر مصر جانے تک
جو واقعات سرزد ہوئے وہ تو مفصل طور پر انجیلوں میں قلمبند ہیں لیکن
ناصرت سے واپس آنے کے بعد اس تفصیل کا سلسلہ کٹ جاتا ہے۔
چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اُس کی عام خدمت کے آغاز تک جو کچھ واقع ہوا
اُس پر ایک پردہ سا پڑا ہے جو صرف ایک ہی مرتبہ اُٹھایا جاتا ہے۔
اس میں شک نہیں کہ ہمارے دل تو یہ چاہتے ہیں کہ جس شرح و بسط
کے ساتھ مصر سے واپس آنے تک اُس کی زندگی کے واقعات کا
سلسلہ چلا آیا تھا اُسی طرح اُس کی پبلک خدمت کے شروع تک
برابر چلا جاتا اور وقائع نویس خاموش نہ ہوتے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ
موجودہ زمانہ میں جو سوانح عمریاں تحریر کی جاتی ہیں اُن میں بچپن کے
زمانہ کی دلچسپ حرکات و سکنات کو اُبھری ہوئی جگہ دی جاتی
ہے اور اس کی یہ وجہ ہے کہ جو واقعات اس عرصہ میں سرزد
ہوتے ہیں وہ گویا اس بات کی ثبوت کرتے ہیں کہ جس شخص کی زندگی

سے وُہ علاقہ رکھتے ہیں وُہ آیندہ کیا ہوگا اَور کیا کریگا یا یُوں کہیں کہ
چھٹپن کے واقعات ہونہار بِروا کے چکنے چکنے پات ہوتے ہیں۔
پس اگر کوئی ہم کو یہ بتا دے کہ مسیح کی زندگی کے اس عرصہ میں
اُس کی ایسی عادتیں تھیں، ایسے ایسے اُس کے دوست تھے، ایسے
ایسے اُس کے خیالات اَور الفاظ اَور کام تھے تو شاید اس علم کے
لئے ہم اپنی جان تک دینے کو تیار ہو جائیں لیکن ان تمام باتوں پر
مُہر لگی ہُوئی ہے اَور اُس خاموشی کی دیوار پر سے جو اس چمنستان
کو چاروں طرف سے گھیرے ہے، صرف ایک ہی پھُول باہر کی
جانب ہمارے دامن اشتیاق میں پھینکا جاتا ہے جو اپنے رنگ و
بُو سے مُشتے نمونہ از خروارے کا کام کرکے ہمیں اَور بھی اس
خواہش سے بھر جاتا ہے کہ اگر ممکن ہو تو کُل باغ کی سیر کریں۔ لیکن خُدا
کو پسند آیا کہ اس باغ کے دروازے بند رہیں اَور ہم جانتے ہیں کہ خُدا
کی خاموشی اُس کے بولنے سے کچھ کم عجیب نہیں ہوتی۔

لیکن یہ بات انسان کی ذات میں داخل ہے کہ جب خُدا کسی بات
کو چھپاتا ہے اَور آدمی اُسے جاننا چاہتا ہے تو اُس کی قوتِ واہمہ
اپنا کام شروع کر دیتی ہے اَور تھوڑے سے عرصہ میں خالی صفحہ کو
ایک سرے سے دُوسرے سرے تک اپنے قیاسوں سے بھر دیتی ہے۔
اِسی طرح کلیسیا کے ابتدائی زمانہ میں ہُوا کہ جعلی انجیلیں شائع کی گئیں
تاکہ جس زمانہ کی نسبت اصلی انجیلیں خاموش ہیں، اُس کے
واقعات کی کیفیت رقم کریں اَور ہم دیکھتے ہیں کہ اُن میں مسیح کی طفولیت
کی باتیں اَور کام کثرت سے قلمبند ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسے

بڑے کام کو انجام دینے کے لئے انسان کی قوتِ متخیلہ کافی نہیں اَور
جب ہم اُن انجیلوں کو موجُودہ اناجیل کے مقابل رکھ کر دونوں کا ملاحظہ
کرتے ہیں تو صاف معلُوم ہو جاتا ہے کہ حقیقت کیا ہے۔ ایک کام البتہ
وُہ انجیلیں کرتی ہیں اَور وُہ یہ کہ جس جعل اَور بناوٹ سے انسان نے
اُن کی ساخت میں کام لیا ہے اُس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ وُہ جھوٹی
اَور مروّجہ اناجیل صحیح ہیں۔ اُن سے معلُوم ہوتا ہے کہ گویا مسیح ادنےٰ قسم
کی کرامات اَور غیر ضرُوری اچنبھے دکھاتا پھرتا ہے۔ کہیں مٹی کے جانور
بنا کر ہوا میں اُڑاتا ہے اَور کہیں اپنے ہمجولیوں کو بکری کے بچّوں میں تبدیل
کرکے حاضرین کو تماشہ دکھاتا ہے۔ غرضیکہ یہ قیاسی انجیلیں نکمی باتوں
بلکہ کفر آمیز قصّوں کا طُومار ہیں۔

اَور اس انسانی ناکامی سے ہم کو یہ نصیحت ملتی ہے کہ اِس مُقدّس
جگہ کے اندر واہمہ کی رسائی نہیں اَور کہ ہمارے لئے فقط اتنا
جاننا کافی ہے کہ "مسیح دانائی اَور قد و قامت میں خُدا اَور انسان کی
مقبولیت میں ترقی کرتا گیا۔" وُہ ہوا کا پُتلا نہ تھا بلکہ واقعی ایک حقیقی
بچہ اَور حقیقی لڑکا تھا اَور نشوونما کے قدرتی قوانین کے مطابق بڑھتا اَور
سیانا ہوتا گیا جسم اَور دماغ معمُول کے مطابق برابر برابر ترقی کرتے گئے۔
جسم نے نشوونما پاکر جوانمردی کا پھل دیا اَور دماغ کے شگوفہ میں حکمت اَور
دانائی کا میوہ لگا، اُس کی خصلت کے ابتدائی حُسن و جمال نے شرُوع ہی
سے دیکھنے والوں کو اپنی خُوبی اَور پاکیزگی کا گرویدہ بنا لیا۔
اب اگرچہ یہ صحیح ہے کہ اس معاملہ میں اپنی قوتِ واہمہ کو حدِ اعتدال سے
باہر نہ جانے دینا چاہیئے تو بھی ہمیں اس بات کی ممانعت نہیں بلکہ یہ

ہمارا عین فرض ہے کہ ہم اُس زمانے کے اوضاع و اطوار اور رسم و رواج کو مدِنظر رکھ کر یا اُن واقعات سے جو بعد میں اُس کی زندگی میں سرزد ہوئے مدد پا کر اُس کے زمانۂ طفلی کو اُس کے عرصۂ خدمت سے ربط دیں۔ ایسا کرنے سے ممکن ہے کہ ہم کو کسی قدر اس بات کا پتہ لگ جائے کہ اُس کی طفولیت کا عالم اور شباب کا زمانہ کیسا تھا اور کہ وہ کیسے تاثیرات کے درمیان اتنے برسوں تک خاموشی میں ترقی کرتا گیا۔

ہم جانتے ہیں کہ جن خانگی تاثرات کے درمیان اُس نے پرورش پائی وہ کیسے تھے۔ اُس کا گھر اُن گھروں میں سے تھا جنہیں مُلک کا فخر سمجھنا چاہیئے یا یُوں کہیں کہ اُس کا مسکن خُدا پرست اور خرد مند اور محنت کش لوگوں کا گھر تھا۔ یُوسف جو اُس گھرانے کا سرگروہ تھا نہایت دیندار اور بڑا با فراست آدمی تھا مگر چونکہ اُس کا ذکر خُداوند مسیح کی سوانح عُمری کے آخری ابواب میں بہت کم آتا ہے اس لئے لوگ خیال کرتے ہیں کہ وہ خانگی ذمہ داری کا بوجھ مسیح پر چھوڑ کر راہیِ مُلکِ بقا ہو گیا تھا پس گمان غالب ہے کہ جن خارجی تاثیرات نے مسیح کی نشو و نما میں حصّہ لیا وہ بیشتر اُس کی ماں کی طرف سے آئی تھیں۔ اُس کی عظمت کا موازنہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ دُنیا کی عورتوں میں سے وُہی انتخاب کی گئی کہ مسیح کی ماں بننے کے عالی رُتبہ سے ممتاز کی جائے جو گیت اُس نے اپنی اس خُداداد عزّت اور مقدرت پر گایا اُس سے عیاں ہے کہ وُہ بڑی پارسا عورت تھی جو شاعرانہ طبیعت اور حُب الوطنی کی صفت سے بہرہ ور تھی۔ اُسی گیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وُہ پاک نوشتوں کا مطالعہ کرنے والی اور پُرانے عہد کی دیندار عورتوں کی خصلت پر غور کرنے والی عورت تھی کیونکہ یہ گیت عہدِ عتیق کے

خیالات سے پُر اور حنّہ کے گیت کے تصوّرات سے مملو ہے۔ ہاں وُہ ایسی عورت تھی جو ایک طرف زیورِ حلم سے آراستہ تھی اور دُوسری جانب یہ لیاقت بھی رکھتی تھی کہ اُس عزّت کو جو اُسے بخشی گئی تھی بخُوبی محسُوس کرے، پر وُہ آسمان کی ملکہ نہ تھی جیسا کہ باطل پرستی نے اُسے بنانے کی کوشش کی ہے بلکہ وُہ ایک پاک اور مُقدّس اور پُرمحبت اور بلند مزاج عورت تھی اور کیا اِن حمیدہ صفات کا بدلہ کافی نہیں؟ مسیح نے اُس کی محبت کے زیرِ سایہ پرورش پائی اور اس محبّت کا جواب فرزندانہ محبت میں ادا کیا۔

لیکن اس گھر میں اور بھی کئی لوگ رہتے تھے۔ اُس کے کئی بھائی اور کئی بہنیں تھیں۔ اُن میں سے دو یعنی یعقُوب اور یہُوداہ کے خطوط نئے عہد نامہ میں مندرج ہیں اور اُن کے مطالعہ سے معلُوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ کس خصلت کے آدمی تھے۔ شاید یہ کہنا گستاخی نہ ہوگا کہ اُن کے خطوط میں کسی قدر سختی پائی جاتی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ ایمان لانے سے پہلے وُہ سخت گیر اور ہمدردی میں قاصر تھے۔ بہرحال یہ ثابت ہے کہ وُہ اُس کے جیتے جی اُس پر ایمان نہ لائے اور غالب ناصرت میں کبھی اُس کے ساتھ شیر و شکر نہیں ہُوئے تھے۔ وُہ غالباً بیشتر تنہائی میں زندگی بسر کرتا تھا اور اُس کا وُہ اندوہناک نالہ جو ان الفاظ سے ٹپکتا ہے کہ "نبی اپنے وطن اور اپنے گھر کے سوا اور کسی جگہ بے عزّت نہیں ہوتا" نہ صرف اُس بدسلوکی کی خبر دیتا ہے جو اُسے اپنے ایامِ خدمت میں پیش آئی بلکہ اُس زمانے کی سرد مُہری پر بھی اشارہ کرتا ہے۔

اُس نے اُسی مکتب میں اور شاید اُسی قصبہ سے تعلیم پائی ہوگی جو

اُس گاؤں کے عبادت خانہ سے علاقہ رکھتا تھا۔ اُس کی علمی استعداد بظاہر ایک غریب آدمی کی تعلیم سے زیادہ نہ تھی اور اسی واسطے فقیہ طنزاً کہا کرتے تھے کہ وُہ کچھ نہیں جانتا، پر گو اُس نے کسی کالج میں تربیت نہیں پائی تھی تو بھی شروع ہی سے علم کی محبت اُس کے دل میں پیدا ہو گئی تھی اور وُہ ہر روز گہری سوچ اور فرحت بخش خیالات کی لذّت سے محظوظ ہوتا تھا۔ حقیقی علم کے دروازے کی کلید اُس کے ہاتھ میں تھی یعنی وُہ ایک وسیع دماغ اور محبت سے بھرا ہُوا دل رکھتا تھا اور تین بڑی بڑی کتابیں ہر وقت اُس کے سامنے کھُلی رہتی تھیں یعنی بائبل، انسان اور کائنات۔

وُہ بڑی سرگرمی کے ساتھ پُرانے عہدنامہ کی تلاوت کیا کرتا ہوگا۔ اُس کا کلام جو پُرانے عہدنامے کے اقتباسوں سے بھرا ہُوا ہے ثابت کرتا ہے کہ یہ پاک نوشتے اُس کی رُوح کی غذا اور اُس کے دل کی تسلی کا باعث تھے۔ اُس نے شروع جوانی میں جو مطالعہ کیا وُہ بعد میں بہت کام آیا چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ وُہ بڑی آسانی اور سُرعت سے اس کلام کو کام میں لاتا ہے تاکہ اپنی مُنادی کو اُس سے زیب دے اور اپنی تعلیمات کو اُس کے وسیلے سے تقویت بخشے اور اپنے دُشمنوں کا مُنہ اُس کی شہادت سے بند کرے اور شیطان کی آزمائشوں پر اُس کے زور سے غالب آئے۔ اُس کے اقتباسوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وُہ اِن نوشتوں کو اصل عبرانی میں پڑھا کرتا تھا نہ کہ یُونانی ترجمہ جو اُس وقت عموماً استعمال کیا جاتا تھا۔ البتہ اُس وقت عبرانی زبان کا رواج مُلک فلسطین سے بھی اُٹھ گیا تھا اور جس طرح اب مُلک اٹلی میں لاطینی یا ہندوستان میں سنسکرت مُردہ زبانوں کے

زُمرے میں شامل ہے اسی طرح مسیح کے زمانے میں عبرانی تھی پر تو بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ اُس کی دِلی آرزو یہی ہوگی کہ وُہ کلام اللہ کو اصل زبان میں پڑھے جن لوگوں کو وسیع تعلیم حاصل کرنے کا موقعہ شروع میں نہیں مِلا اور جنہوں نے خود باوجود طرح طرح کی مُشکلات کے یُونانی سمجھنے کی استعداد بہم پہنچائی ہے تاکہ نئے عہدنامہ کو اصل زبان میں پڑھ سکیں، وُہ قیاس کر سکتے ہیں کہ اُس نے کس طرح ایک گاؤں میں رہ کر اُس قدیم زبان کو سمجھنے کا ملکہ پیدا کیا ہوگا اور کیسے ذوق و شوق کے ساتھ عبادتخانہ کے طُوماروں کو لے کر یا اُس نسخہ کو جو اُس کے پاس ہوتا ہوگا کھول کر مُقدّس نوشتوں کی تلاوت کی ہوگی۔ جس زبان کو وُہ عموماً سوچتے اور بولتے وقت کام میں لاتا تھا وُہ ارمنی تھی اور جو اُسی قدیم زبان کی شاخ تھی جس کی ایک شاخ عبرانی بھی ہے۔ اُس کے جو الفاظ اس زمانہ تک پہنچے ہیں اُن میں کہیں کہیں اِس زبان کے بعض جُملے موجود ہیں مثلاً "تالیتا قومی" اور "ایلی ایلی لما سبقتنی" وغیرہ اور یُونانی سیکھنے کا موقع اُسی طرح اُسے بھی حاصل تھا جس طرح سکاٹ لینڈ ہائی لینڈرز کو انگریزی یا پنجابیوں کو اُردو سیکھنے کا حاصل ہے۔ "غیر قوموں کا جلیل" اُس وقت یُونانی بولنے والوں سے پُر تھا۔ پس معلُوم ہوتا ہے کہ وُہ تین زبانوں سے بخُوبی واقف تھا جن میں سے ایک عبرانی تھی جسے مذہبی معاملات کے اعتبار سے دُنیا کی زبانوں میں دینی زبان کہنا چاہیئے۔ اُس کے نوشتوں سے وُہ بخُوبی ماہر تھا اور دُوسری یُونانی تھی جو دُنیاوی علوم و فنُون کے خیالات کو ادا کرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھی۔ البتہ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وُہ یُونان کے بڑے بڑے مصنفوں کی تصانیف سے بھی واقف تھا کیونکہ اس کا

کوئی ثبوت نہیں ملتا اَور تیسری ارمنی تھی جو عام لوگوں کی زبان تھی جسے
اُس نے اپنے وعظ و نصیحت کے کام میں زیادہ استعمال کیا۔

انسانی طبیعت کا علم اَور کسی جگہ ایسی اچھی طرح حاصل نہیں ہوتا
جیسا کہ دیہات میں ہوتا ہے۔ ایک چھوٹے سے گاؤں میں ہم اپنے ہمسایوں
کے مفصّل حالات سے بلکہ ہر شخص کی زندگی کے نشیب و فراز سے بخوبی واقف
ہو جاتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ بڑے بڑے شہروں میں ہم زیادہ
لوگوں سے میل ملاپ رکھتے ہیں مگر اس میں شک نہیں، بہت تھوڑوں
سے اچھی طرح سے واقف ہوتے ہیں کیونکہ شہروں میں صرف زندگی
کی سطح دکھائی دیتی ہے لیکن گاؤں میں سطح کا دکھاوا بہت کم ہوتا ہے
اَور وُہ باتیں جو دل کی تہ سے نکلتی ہیں ریاکاری کی ملمع سازی سے
بَری ہوتی ہیں۔ ناصرت بُرے باشندوں کے لئے مشہور تھا جیسا
کہ اس ضرب المثل سوال سے مترشح ہے "کیا ناصرت سے کوئی اچھی
چیز نکل سکتی ہے"؟ مسیح کی ذات میں گُناہ کا تخم نہ تھا پر اس قصبہ میں
رہنے سے اُس نے گُناہ کی گرم بازاری کو خُوب دیکھا یا یُوں کہیں کہ جس
بات سے اُسے عمر بھر لڑنا تھا اُس کے زور و شور کو اچھی طرح محسوس کیا
اَور پھر اپنے پیشے کے وسیلے سے بھی اُسے انسانی خصلت کو معائنہ
کرنے کا موقع ملا۔ وُہ یُوسف کی دُکان میں بڑھئی کا کام کیا کرتا تھا اَور اُس
کے ہم وطنوں سے بڑھ کر اَور کوئی اِس بات سے واقف نہ تھا اَور وُہ اس کی
عجیب مُنادی سے متحیّر ہو کر کہتے ہیں "کیا یہ بڑھئی نہیں ہے"؟ پر اس
بات کی خُوبی اَور مطلب کی تہ تک پہنچنا کہ کیوں خُدا نے سب بڑے بڑے
عہدوں کو چھوڑ کر اپنے بیٹے کے لئے ایک پست کام منتخب کیا آسان نہیں ہے؟

اتنا صاف ظاہر ہے کہ اس سے انسانی محنت اَور مشقت کے سر پہ
اَبدی شرافت کا تاج رکھا گیا۔ اس سے مسیح نے سینکڑوں لوگوں کے دلی
خیالات سے واقفیت حاصل کی اَور جانا کہ انسان میں کیا ہے لہٰذا بعد میں
اس کے حق میں کہا گیا کہ وُہ انسان سے ایسا واقف تھا کہ اس بات کا محتاج
نہ تھا کہ کوئی اُس فن میں اُسے درس دے۔

خُداوند مسیح کا بڑھئی کی دُکان میں بیٹھ کر کام کرنا کئی نصیحت خیز اَور
حوصلہ افزا باتیں ہمیں سکھاتا ہے۔

ہماری خوش قسمتی سے مرقس کی انجیل میں وُہ الفاظ محفُوظ ہیں جو
اُس کے مخالف طنزاً کہا کرتے ہیں "کیا یہ وُہی بڑھئی نہیں"؟ یہ الفاظ
جیسا ہم نے اُوپر کہا بنی آدم کی محنتوں کو وُہی زیب دیتے ہیں جو بادشاہوں
کو افسرِ شاہانہ سے حاصل ہوتی ہے۔ اُنہوں نے افلاس کے زخموں
کے لئے مرہم کا کام دیا۔ غریب مزدوروں کے حوصلے بڑھائے اَور سب
سے بڑھ کر بنی آدم کو یہ سبق دیا کہ انسانیت میں ایک جوہر ہے جو
آپ ہی آپ اپنی جھلک دکھاتا ہے اَور اس بات کا محتاج نہیں
کہ سونا چاندی اُس کی رونق کو دوبالا کرے۔

(۱) ان لفظوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارا خُداوند شرُوع ہی سے
ایک غریب آدمی تھا، نہ صرف مُنادی کے تین سال میں وُہ بے زر معلُوم
ہوتا ہے بلکہ بچپن ہی سے دُنیوی عیش و عشرت کے ساز و سامان سے
ناآشنا تھا۔ بڑے بڑے شہروں میں تو غالباً یُونانی بڑھئی کام کیا کرتے تھے
اَور وُہ اپنے فن میں ماہر و مشتاق ہونے کے سبب سے فارغ البالی اَور
چین سے زندگی بسر کرتے تھے لیکن یُوسف فلسطین کے ایک قصبے کا بڑھئی تھا اَور اگر

روایت صحیح ہے تو اپنے کام میں پُوری پُوری مہارت بھی نہیں رکھتا تھا۔ سو وُہ ایک عام درجہ کا آدمی تھا جس کی آمدنی فقط خانگی ضروریات کے لئے کافی ہوتی ہوگی۔ لوگ ہر زمانہ میں دولت کے نہ ہونے سے بے چینی میں تڑپتے ہیں اور جن کو اس دُنیا کا مال نصیب ہو جاتا ہے اُن کو دُنیا کے لوگ خُوش قسمت سمجھتے ہیں۔ ہم خُوشی کو دولت کی باندی سمجھتے ہیں پر اس غلط فہمی سے طرح طرح کی فکریں اور قسم قسم کے حاسدانہ خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ اسی لئے مسیح نے قصداً غریبی کی حالت اختیار کی پر اُس کی غریبی وُہ غریبی نہ تھی جو آدمی کو افکار کی چکّی میں پیس ڈالتی ہے اور اُس کے خیال کو ہر وقت کھانے اور کپڑے کی دُھن میں لگائے رکھتی ہے اور آخر کار اُسے شرافت کے پایہ سے گرا کر رذیل اور پست ہمت بنا دیتی ہے۔ اُس کی غریبی ایسی غریبی تھی جو اس دُنیا میں بہت لوگوں کے حصّے میں آتی ہے۔ اس قسم کی غریبی میں البتہ عیّاشی کی جگہ نہیں ملتی مگر زندگی کی تمام سادہ ضروریات بخوبی رفع ہوتی رہتی ہیں۔ وُہ اُو دی خاندان جو اب داوُد کے تخت و تاج کا وارث بنا ہوُا تھا، اِن عیاشیوں اور اوباشیوں میں ڈوبا ہوُا ہوگا جو دولت کی کثرت سے پیدا ہوتی ہیں، مگر مسیح اُن سے بری تھا اور زیبا بھی یہی تھا کہ وُہ جو تمام بنی آدم کا ہمدرد دوست اور نجات دہندہ اور بادشاہ بن کر آیا تھا، ایسی حالت اختیار کرتا جو بہُت لوگوں کے حصّے میں آتی ہے اور ہمیشہ آتی رہے گی۔

۲۔ اور پھر یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ انسان کی طبیعت ہمیشہ سُستی کی طرف مائل ہے۔ وُہ آرام طلبی کو امیری کا لازمی جزو یا خاصہ سمجھتا ہے۔ محنت و مشقّت کو کم درجہ اشخاص کا حصّہ جانتا ہے بلکہ ہر طرح کی محنت

پر حقارت اور ذلّت کا داغ لگاتا ہے لیکن یسُوع یہ دِکھانا چاہتا تھا کہ جو محنت دیانت داری سے کی جاتی ہے وُہ انسان کے فخر کا باعث ہے۔ وُہی زندگی کا نمک اور مردمی کا گریند ہے کیونکہ اُسی کے طفیل سے انسان بے جا نزاکتوں سے بچتا اور اُسی کی بدولت اُس کی رُوح ناپاک خیالات میں ڈوبنے سے محفوظ رہتی ہے۔ یہی سبب تھا کہ مسیح نے محنت کش زندگی اختیار کی اور اپنے ہاتھوں سے کام کرنا اہل بنایا اور جوئے تیار کرنا روا رکھا۔ اُس کے مخالف اُس کی پست حالی کو ٹھٹھوں میں اُڑایا کرتے تھے۔ وُہ سوچتے تھے کہ یہ ناممکن ہے کہ دُنیا کا نجات دہندہ ایسے خاندان میں پیدا ہو یا ایسا تنگ دست ہو کہ اپنی روزی کمانے کے لئے نیچ لوگوں کی طرح اپنے ہاتھ سے کام کرے، پر ہم دیکھتے ہیں کہ سوسائٹی کو نئے سانچے میں ڈھالنے اور پُرانی باتوں کو نئی بنانے کے لئے اس بات کی اشد ضرُورت تھی کہ وُہ جو اِن تبدیلیوں کو وجُود میں لانے والا تھا خود حقیقی خاکساری اور فروتنی کا نمونہ بنے۔

۳۔ پھر مسیح کی زندگی کا وُہ زمانہ جو گمنامی میں کٹا، جس کا حال انجیلوں میں قلمبند نہیں اور جس میں شاید بہُت بڑے بڑے واقعات بھی سرزد نہ ہوئے ایک اور سبق ہمارے لئے رکھتا ہے اور وُہ یہ کہ خُدا ہماری زندگی کی اندرونی حالت پر نگاہ کرتا ہے نہ کہ ظاہری شان و شوکت اور خارجی ساز و سامان پر۔ دُنیا اپنی آنکھ اُن لوگوں پر لگاتی ہے جو شجاعت میں نام پیدا کرتے، جو علم و ہُنر میں یگانۂ زمانہ سمجھے جاتے اور عرصۂ دار و گیر میں سکندر کے ہم پلّہ ہوتے اور حکمت و دانائی میں افلاطُون و ارسطو پر سبقت لے جاتے ہیں مگر ایسے لوگ بہُت تھوڑے ہوتے ہیں گویا سمندر میں سے

ایک قطرہ اور پھر مرنے کے بعد صفحۂ ہستی سے ایسے حرفِ غلط کی طرح مِٹ جاتے ہیں کہ فقط کسی کسی کتاب کے چند اوراق کے سوا اور کسی جگہ اُن کا پتہ نہیں مِلتا۔ ہاں چند دِن کے بعد اُن کتبوں کو بھی جو اُن کی یاد کو تازہ رکھنے کے لئے اُن کی تربتوں پر لگائے جاتے ہیں کیڑا کھا جاتا ہے اور اگر بالفرض حروف نہ بھی مٹیں تو بھی کون اُن میں سے جو قبرستان میں آتے ہیں اُن کے کارناموں کو یاد کر کے اُن پر آنسو بہاتے ہیں؟ لیکن خُدا کی نظر میں نہ صرف وُہی شخص پسندیدہ ہے جس کی زندگی اُس دریا کی طرح ہے جو چٹانوں میں سے گزرتے وقت پتھروں سے ٹکر کھا کر شور مچاتا ہے بلکہ وُہ بھی جس کی زندگی ایسی خاموش ہے کہ آس پاس کے لوگ اُس کی طرف متوجہ ہونے کی ذرا تحریک نہیں پاتے مگر خُدا اُس شخص کی اندرونی زندگی کی حقیقی خُوبی سے واقف ہے۔

۴۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جب غریبوں کی بے قدری کی جاتی ہے تو وُہ خود اپنے آپ کو ناچیز سمجھنے لگ جاتے ہیں، وُہ خیال کرتے ہیں کہ ہم جو ایک ذرۂ بے مقدار سے بھی حیثیت میں کم ہیں، اِس دُنیا میں مصرف کے نہیں۔ پس وُہ کھانے پینے اور مرجانے ہی کو سب کچھ جانتے ہیں مگر یسُوع نے غریبوں کے طرزِ زندگی کو اختیار کر کے ثابت کر دیا کہ ممکن ہے کہ جو زندگی بظاہر ناچیز سمجھی جاتی ہے وہی دُنیا کی تاریخ میں انقلاب پیدا کرنے والی ہو اُس نے ظاہر کر دیا کہ سچی اور صادق زندگی ہمیشہ بڑے بڑے واقعات کے شور و غل اور بڑی بڑی کامیابیوں کے مجمعوں سے ممتاز نہیں ہوتی بلکہ خُدا کے بے شمار پیارے اُن لوگوں میں بھی پائے جاتے ہیں جن کو دُنیا ناچیز اور حقیر سمجھتی ہے۔ پس ہم کہہ سکتے ہیں کہ

خُداوند کی زندگی کے وُہ سال جو بڑھئی کے کام میں صرف ہُوئے اگرچہ خاموشی میں گزرے تو بھی حقیقی خوشی سے لبالب بھرے تھے جب اُس نے مُنادی کا کام شروع کیا اور لوگوں کی بے پروائی اور سخت دلی کے معائنہ سے غمگین ہُوا اُس وقت بھی وُہ خوشی اور تر و تازگی جو اُسے اُن دِنوں حاصل تھی اپنا جلوہ دکھا جاتی تھی۔

شائقینِ سیر و سیاحت بتاتے ہیں کہ جس جگہ مسیح نے پرورش پائی وُہ اُن جگہوں میں سے ہے جو دُنیا میں اپنی خوبصورتی کے سبب بے مثال ہیں۔ ناصرت کوہستانِ زبلون کی ایک وادی میں واقع ہے جو اپنے نظاروں کا جوبن دکھا رہی ہے، اِسی جگہ زبلون کا پہاڑ گویا اپنی بلندی سے نیچے اُتر کر اسدرلان کے میدان سے ہاتھ ملاتا ہے۔ ناصرت کے سفید سفید گھر جن کی دیواروں سے تاک کی ٹہنیاں بغل گیر ہوتی ہیں، زیتون اور انجیر اور نارنج اور انار کے پُربہار جھرمٹوں میں لپٹے ہُوئے دکھائی دیتے ہیں۔ کھیتوں کو تھوہر کی باڑیں جُدا کرتی ہیں اور جابجا رنگا رنگ پھُولوں کی رنگینی اُن کی خوش نمائی کو دوبالا کرتی ہے۔ گاؤں کے پیچھے ایک پہاڑی کھڑی ہے جو قریباً پانسو فیٹ اُونچی ہے۔ اُس کی چوٹی پر سے دُنیا کا عجیب نظارہ آنکھوں کو نصیب ہوتا ہے۔ شمال کی طرف گلیل کے پہاڑ جن میں برفانی حرمون بھی شامل ہے، آسمان سے باتیں کرتے ہیں۔ کرمل کی چوٹی، صُور کا کنارہ۔ بحیرہ اعظم کا چمکتا ہُوا پانی مغرب کی جانب دکھائی دیتا ہے اور مشرق کی جانب کوہ تبور اپنے جنگلات کے ساتھ مخروطی شکل اختیار کرتا ہُوا سر بلند ہوتا ہے۔ جنوب میں اسدرلان کا میدان پھیل رہا ہے جس کی دُوسری طرف

کوہستانِ افرائیم کا سلسلہ موجود ہے۔ خُداوند مسیح کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس نے اُس قُدرتی خوبصورتی سے کیا حظ اُٹھایا اور موسموں کی تبدیلی کو کس آنکھ سے دیکھا۔ معلُوم ہوتا ہے کہ اُس نے اپنے لڑکپن میں اُنہیں کھیتوں کی سیر کرتے کرتے اُن قُدرتی خوبصورتیوں کا سرمایہ جمع کیا جو آگے چل کر تمثیلوں اور درسوں کو سجانے کے کام آیا۔ اسی پہاڑی پر آنے جانے کی عادت سے پہاڑوں میں جا کر رات بھر دُعا مانگنے کی وُہ عادت پختہ ہُوئی جو اُس کی زندگی میں جا بجا جلوہ نما ہے۔
یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ جو تعلیم وُہ دیا کرتا تھا وُہ اُس کے ذہن میں اتفاقیہ طور پر نہیں آئی تھی بلکہ اُس کی تعلیمات کو ایک دریا کہنا چاہیئے جس کا پانی کئی سال تک جمع ہوتا رہا اور جب وقت آیا تو بہہ نکلا۔ ہاں اُس نے اُنہیں کھیتوں کے گوشوں اور اُنہیں پہاڑوں کے کناروں پر اُن تعلیمات کو اپنی دُعا اور دھیان کے زمانہ میں سوچا ہوگا۔

ایک اور بات کا ذکر کرنا باقی ہے جس نے اُس کی تعلیم میں بڑا حصہ لیا۔ بارہ برس کی عُمر کو پہنچ کر وُہ ہر سال اپنے ماں باپ کے ساتھ عید فسح کے موقع پر یروشلیم جانے لگا۔ ہماری خُوش قسمتی سے پہلی مرتبہ کا حال انجیل میں قلمبند ہے اور یہی وُہ موقع ہے جبکہ تیس برس کے عرصہ پر سے ایک دفعہ پردہ اُٹھایا جاتا ہے۔ جو لوگ اُس وقت کو یاد رکھتے ہیں جبکہ وُہ پہلی مرتبہ اپنے گاؤں سے اپنے مُلک کے دارالخلافہ کی طرف روانہ ہُوئے۔ قیاس کرسکتے ہیں کہ یسُوع اِس موقعہ پر کیسے جوش و خروش سے پُر ہوگا۔ اُسے اسّی میل کا سفر کرنا تھا اور ایسے مُلک میں سے

گزرنا تھا جس کا ہر میل تاریخی واقعات اور جوش انگیز یادگاروں سے پُر تھا۔ علاوہ اس کے وُہ ایسے قافلہ کے ساتھ روانہ ہُوا جو قدم قدم پر ایسے مسافروں کے شمار سے بڑھتا جاتا تھا جو بڑی عید کے سبب سے مذہبی جوش اور سرگرمی سے معمُور تھے اور جس شہر کو وُہ جا رہے تھے وُہ ایسا شہر تھا جسے ہر یہُودی دل و جان سے پیار کرتا تھا اور اتنا کہ اور کسی دارالخلافہ سے کبھی نہیں کیا گیا۔ یہ شہر ایسی چیزوں اور یادگاروں سے پُر تھا جو اُس کے دِل میں ہر قسم کی تحریک اور دلچسپی پیدا کر سکتی تھیں۔ عید فسح کے موقع پر کم از کم پچاس ممالک سے یہُودی مختلف بولیاں بولتے اور مختلف لباس پہنے ہُوئے آتے اور یروشلم میں جمع ہوتے تھے۔ اِسی موقع پر وُہ پہلی مرتبہ اُس عید میں شامل ہونے کے لئے آیا، جس سے طرح طرح کے مُقدس اور حُب الوطنی کے خیالات برآمد ہوتے تھے۔ پس تعجب نہیں کہ وُہ نئی نئی دلچسپ باتوں کے خیال میں ایسا مگن ہُوا کہ جب واپس لوٹنے کا دِن آیا تو مقررہ وقت اور جگہ پر اپنے قافلے والوں سے نہ مل سکا۔ یروشلیم میں ایک جگہ تھی جس پر وُہ فریفتہ ہوگیا اور وُہ ہیکل تھی اور خصوصاً اِس کا وُہ حِصّہ جہاں اصحابِ علم و حکمت لوگوں کو تعلیم دیا کرتے تھے۔ اُس کے دِل میں بے شمار سوالات جوش زن تھے جن کا جواب وُہ اُن حکماء سے طلب کرنا چاہتا تھا یا یُوں کہیں تحصیلِ علم کی پیاس کو جو اُس کے دِل میں چمک رہی تھی، اب آسُودہ ہونے کا موقع مِلا۔ یہی وُہ جگہ تھی جہاں اُس کے فکرمند ماں باپ نے اُسے پایا جب کہ وُہ اُس کی تلاش میں یہ سمجھ کر یروشلیم کی طرف لوٹے کہ وُہ کھو گیا ہے اور جب یہاں آئے تو دیکھا کہ بڑی توجہ کے ساتھ اُس زمانہ کی

حکمت کی باتیں سُن رہا ہے اور وُہ الفاظ جو اُس نے اپنی ماں کے
ملامت آمیز سوال کے جواب میں بیان فرمائے اُس کے دِل پر سے پردہ
اُٹھا دیتے ہیں اور ہمیں تھوڑی سی دیر کے لئے اجازت ملتی ہے کہ اُن
خیالات کو اِک نظر دیکھ لیں جو ناصرت کے کھیتوں میں اُس کے دل کو معمور
کیا کرتے تھے۔ اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ وُہ ابھی بچہ ہی تھا تو بھی اُن
لاکھوں آدمیوں پر سبقت لے گیا تھا جو زندگی کی راہ سے ہر روز گزرتے
ہیں پر ایک لمحہ کے لئے اِس بات پر غور نہیں کرتے کہ زندگی کا کیا مطلب اور
کیا مقصد ہے۔ پر وُہ اُسی وقت سے جانتا تھا کہ مجھے اپنی زندگی کے ایام میں
اُس کام کو انجام دینا ہے جو خُدا نے میرے لئے مقرر کیا ہے اور میرے جینے
کا یہی مُدعا ہے کہ میں اُسے پُورا کروں۔ چنانچہ یہ پُر جوش خیال تمام عمر اُس
کے دِل میں جاگزیں رہا۔ یہی خیال ہر فردِ بشر کی زندگی کا اوّل اور آخر خیال
ہونا چاہیئے اور ہم دیکھتے ہیں کہ یہ خیال بار بار بعد میں اُس کی باتوں میں ظاہر
ہُوا اور آخر کار اُس کی زمینی زندگی کے خاتمہ پر ان الفاظ میں گونج اُٹھا "پورا ہوا"۔

اکثر پُوچھا جاتا ہے کہ کیا یسُوع شروع ہی سے جانتا تھا کہ میں مسیح ہُوں
اور نجات کے کام کے لئے مقرر کیا گیا ہُوں۔ اگر ایسا نہیں تو کب اور کس طرح
یہ علم اُس کو حاصل ہُوا؟ کیا یہ خیال اُس وقت اُس کے دِل میں پیدا ہُوا
جبکہ اُس نے اپنی ماں سے اپنی معجزانہ پیدائش کا حال سُنا یا خود بخود اُس
کے دِل میں روشن ہو گیا؟ پھر کیا یہ خیال یکبارگی یا رفتہ رفتہ رُونما ہُوا؟ اُس
نے کب اپنے کام کا وُہ نقشہ تیار کیا جس کے مطابق وُہ اپنی خدمت
کے شروع سے آخر تک بے جھجکے کام کرتا رہا؟ کیا وُہ کئی سال کے گیان
دھیان کے بعد رفتہ رفتہ اُس کے خیال میں آیا یا یکبارگی اُس کی نظر سے گزر

گیا؟ ان سوالات پر بڑے بڑے مسیحی عُلماء نے غور کیا ہے اور مختلف جواب
دیئے ہیں پر اگر ہم اُس کے جواب کو جو اُس نے اپنی ماں کو دیا نظر انداز نہ
کریں تو ہمیں ماننا پڑے گا کہ کوئی وقت ایسا نہ تھا جبکہ وُہ یہ نہیں جانتا تھا
کہ میں کس کام کے لئے آیا ہُوں۔

ضرور ہے کہ یروشلم میں بار بار آنے نے اُس کی دماغی نشوونما پر
بڑا اثر ڈالا ہو اور اگر وُہ ہیکل کے مکتبوں میں اکثر آیا جایا کرتا تھا تو اُس
نے بہت جلد دریافت کر لیا ہوگا کہ ربیوں کی مشہور حکمت کیسی تنگ ہے۔
غالباً اُنہیں سالانہ موقعوں پر اُس نے معلوم کیا کہ مذہب کی حالت ردّی
ہو رہی ہے۔ تعلیم اور تعمیل دونوں کامل اصلاح کی محتاج ہیں اور یہیں
اُس نے اُن رسموں اور اُن شخصوں کو دیکھا ہوگا جن پر کچھ عرصہ کے بعد
اُس نے پاک غیرت سے معمور ہو کر سخت حملہ کیا۔

اب ہم اُن خارجی اسباب کو دیکھ چکے ہیں جن کے درمیان مسیح نے
پرورش پائی اور جوانی کی طرف قدم اُٹھایا۔ اُس تاثیر کی نسبت مُبالغہ کرنا
جو ان اسباب نے اُس کی نشوونما میں کی، بڑا آسان کام ہے۔ پر یاد رکھنا
چاہیئے کہ جس قدر کسی شخص کی طبیعت زیادہ اعلیٰ اور خود رَو ہوتی ہے اُسی
قدر وُہ اپنی نشوونما میں خارجی اسباب و شرائط پر کم انحصار رکھتا ہے۔ اُس کی
ذات اُن اندرونی چشموں سے سیراب ہوتی ہے جو اُس کے اندر پوشیدہ ہوتے
ہیں اور اُس میں وُہ لیاقت چھپی ہُوئی ہوتی ہے جو اُس کی ذات کے مُطابق
خود بخود پھُوٹ کر پھُول جاتی اور بیرونی اسباب کی پرواہ نہیں کرتی۔ پس یسُوع
خواہ کسی حالت میں رکھا جاتا بہر حال اپنی بڑی بڑی خاصیتوں کے سبب
سے ویسا ہی شخص بنتا جیسا کہ ناصرت میں رہ کر بنا۔

تیسرا باب

قوم اور زمانہ کی حالت

اب ہم مسیح کی زندگی کے اُس حصّہ کے نزدیک آپہنچے ہیں جس کا مفصّل حال انجیلوں میں قلمبند ہے۔ مسیح اب کُنجِ تنہائی کو چھوڑ کر دُنیا کے سامنے آتا اور اپنا اصل کام اختیار کرتا ہے پس اس موقعہ پر زیبا معلوم ہوتا ہے کہ ہم اُس قوم کے رسم و رواج پر غور کریں جس کے درمیان اُسے کام کرنا تھا اور نیز یہ دریافت کریں کہ اُسے اپنی خدمات کے متعلق کون سے مقاصد مدِّنظر تھے۔ بزرگوں کی زندگیوں کے وسیلے سے کوئی نہ کوئی نئی طاقت اِس دُنیا میں داخل ہوتی ہے پس اُن کے سوانح عُمری تحریر کرنا گویا دو باتوں کو رقم کرنا ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ کونسی نئی بات اُن کے وسیلہ سے اِس دُنیا میں داخل ہُوئی اور وہ کیوں کر پُرانی طاقتوں سے شیر و شکر ہو کر بعد کے زمانے کا حصّہ بن گئی۔ پس ضرور ہے کہ ہر ایک شخص کے سوانح عُمری کی تاثیرات کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے پہلے ہم اُس نئی طاقت کی ماہیت کے سمجھنے کی کوشش کریں جو اُس کی زندگی سے صادر ہُوئی اور نیز اس بات پر غور کریں کہ جس زمانہ میں وہ طاقت نمودار ہُوئی اُس وقت دُنیا کی کیا حالت تھی اگر ہم دوسری بات کو نظر انداز کر دیں تو پہلی بات کی خصوصیتیں سمجھ میں نہ آئیں گی اور نہ ہی یہ عُقدہ حل ہوگا کہ کس طرح اُس نئی طاقت کو دُنیا نے قبول کیا، کیا صدائے خوش آمدید بلند کر کے اِس دُنیا نے اُسے سینہ سے لگایا یا دُشمنی اور عداوت کا پہلو

اختیار کر کے اُسے ردّ کرنا چاہا۔ خُداوند مسیح ایسی نئی طاقت اپنے ساتھ لایا تھا جس کا کام یہ تھا کہ انسانی تاریخ کو ایک نئے سانچے میں ڈھال کر نئی صُورت میں تبدیل کرے۔ پس جب تک ہم اُن لوگوں کے حالات سے واقف نہ ہوں جن کے درمیان اُس نے بُود و باش اختیار کی تب تک نہ ہم اُس کی خصلت کو اور نہ اس بات کو جان سکتے ہیں کہ جس بڑی بخشش کو وُہ اپنے ساتھ لایا اُس کو تاریخی واقعات کی لڑی میں پرونے کے لئے اُسے کون کون سی مُشکلات کا مُقابلہ کرنا پڑا۔

جب ہم عہدِ عتیق کی آخری کتاب کا آخری ورق بند کر کے عہدِ جدید کو کھول کر اُس کا مطالعہ شروع کرتے ہیں تو ہمارے دِل میں یہ خیال گُزرتا ہے کہ گویا ہم اُنہیں لوگوں کے درمیان چلتے پھرتے اور اُسی قسم کی رسُوم کا دَور دیکھ رہے ہیں جو ہم نے ملاکی کی کتاب میں چھوڑی تھیں لیکن یہ خیال سراسر غلط ہے کیونکہ ملاکی اور متی کے درمیان چار سو سال کا فاصلہ ہے اور جو تبدیلیاں اتنے عرصہ کے اندر کسی مُلک میں پیدا ہو سکتی ہیں، وُہ اس مُلک میں واقع ہو چُکی تھیں۔ جو زبان ملاکی کے زمانہ میں مروّج تھی، وُہ اب معدُوم ہو گئی تھی اور نئی رسمیں نئے رواج نئے خیالات نئے طریقے اور نئے فرقے برپا ہو گئے تھے۔ غرضیکہ مُلک کی ایسی کایا پلٹ گئی تھی کہ اگر ملاکی زندہ ہو کر اپنے مُلک اور اپنے لوگوں کو دیکھتا تو حیرت کا مُبتلا بن جاتا اور مُشکل سے اُن کو پہچانتا۔

مُلکی انتظام میں طرح طرح کی تبدیلیاں ہو چُکی تھیں مثلاً اسیری کے بعد یہُودی قوم کا انتظام سردار کاہنوں کے ہاتھ آیا اور یہُودیوں کا تمام مُلک ایک دینی حکُومت کی صُورت میں تبدیل ہو گیا۔ کئی فتح مند بادشاہوں نے

بار بار اُس پر حملہ کر کے ہر بیرے انتظام کو نیا لباس پہنایا۔ کچھ عرصہ کے لئے دلیر مکابیوں نے موروثی بادشاہی کے قدیم اختیارات کو پھر بحال اور آزادی کے لئے جنگ و جدل کرتے ہوئے کبھی شکست کھائی اور کبھی دشمن کو نیچا دکھایا۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد ایک ظالم نے زبردستی تخت نشینی اور حکمرانی کا لطف اُٹھایا اور اب آخر میں عنانِ حکومت اہلِ رُوم کے ہاتھ آئی جن کا سکّہ تمام مہذب دُنیا میں جاری تھا۔ اُنہوں نے مُلک کو پانچ حصّوں میں تقسیم کر کے کچھ ایسی ہی حکومت جاری کی جیسی اب ہندوستان میں رائج ہے۔ گلیل اور پیریا چھوٹے چھوٹے راجاؤں کے ہاتھ میں تھے۔ وُہ ہیرودیس کے بیٹے تھے جس کے عہد میں مسیح پیدا ہُوا تھا۔ یہ راجے قیصرِ رُوم کے ساتھ وہی علاقہ رکھتے تھے جو ریاست ہائے ہند کے سردار اور راجے شہنشاہ انگلستان کے ساتھ رکھتے ہیں۔ یہُودیہ ایک رُومی عامل کے اختیار میں تھا جو سُوریا کے رُومی صُوبہ کے فرمانروا کے ماتحت سمجھا جاتا تھا۔ رُومی سپاہی یروشلم کے گلی کُوچوں میں پھرتے دکھائی دیتے تھے۔ رُومی پھریرا ہر قلعہ کی چوٹی پر لہرا رہا تھا۔ رُومی محصُول لینے والے ہر شہر کے پھاٹک پر بیٹھے تھے۔ سنہڈرم (یہُودیوں کی مجلس حُکّام) جسے یہُودی اختیارات کا ایک آلہ کہنا چاہیئے، برائے نام ذرا سا اختیار رکھتی تھی مگر درحقیقت اُس کے صدر اور سردار کاہن رُومیوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی سے بڑھ کر نہ تھے چنانچہ جیسا ناچ وُہ نچاتے تھے ویسا ناچتے تھے جس قوم کو دیگر اقوام سے ایک قسم کا امتیاز حاصل تھا اور جس کے سامنے دُنیا کی تمام سلطنتوں کو سرِ تسلیم خم کرنا چاہیئے تھا اور جس کی حُبّ الوطنی میں دینی اور قومی محبت کا ایک ایسا مادہ موجود تھا کہ دُوسری قوموں کو ویسا کبھی نصیب

نہیں ہُوا وُہ قوم اِس وقت اپنے اعلےٰ پایہ سے گر کر ذلیل ہو رہی تھی۔

اور جب ہم مذہب کی طرف رُخ کرتے ہیں تو مذہبی عالم میں بھی بڑی تبدیلی اور عجیب طرح کا تنزّل نظر آتا ہے۔ ظاہری صُورت سے تو ایسا معلُوم ہوتا ہے کہ گویا تنزّل کے عوض مذہب بڑے فروغ پر ہے چنانچہ یہُودی قوم جیسی اس وقت اپنے عقائد کی پابند تھی ویسی پہلے کبھی نہیں ہُوئی تھی۔ ایک وُہ وقت تھا کہ بُت پرستی کلنگ ملا بن کر گلے کا ہار ہو رہی تھی مگر اسیری کے تلخ نسخہ نے اس بیماری کی ایسی بیخ کنی کی کہ اب ہر جگہ کے یہُودی بجز خُدائے واحد اور کسی کو عبادت کے لائق نہیں سمجھتے تھے۔ اُنہوں نے بابل سے واپس آکر کاہنی عُہدوں کو از سرِ نَو قائم کیا اور ہیکل کی عبادت اور عیدوں کی حفاظت میں ایسے مشغُول ہُوئے کہ رسُوم کی ادائیگی میں سرِ مُو فرق نہیں آنے دیتے تھے۔ علاوہ بریں اسی عرصہ میں ایک اور طریقِ عبادت برپا ہُوا جس نے ہیکل اور ہیکل کے کاہنوں کی مذہبی جوت مدھم کر دی۔ اسے سنیگاگ (عبادت خانہ) کہا کرتے تھے اور اُس کے کارپرداز ربّی کہلاتے تھے۔ قدیم زمانوں میں سنیگاگ کا وجُود کہیں نہیں ملتا کیونکہ اس طریق نے اسیری کے بعد جنم لیا اور اُس تعلیم کے پہلو میں پرورش پائی جو اُس وقت کلامِ الٰہی کے لئے لوگوں کے دلوں میں موجُود تھی جہاں جہاں یہُودی آباد ہُوئے وہاں یہ عبادت خانے بکثرت برپا ہُوئے۔ ہر سبت کے روز یہ عبادت خانے خُدا کے پرستاروں کی کثرت سے مُونہا مُنہ بھر جاتے تھے اور ربّی حاضرین کو پند و نصیحت کیا کرتے تھے۔ عبادت خانہ کے ساتھ ربیّوں کا فرقہ بھی پیدا ہُوا اور اس کا سبب

یہ تھا کہ زبان عبرانی اس وقت بولی نہیں جاتی تھی۔ سو اس بات کی ضرورت تھی کہ پُرانے عہد نامہ کا جو ایک سرے سے دُوسرے سرے تک سال میں ایک مرتبہ ہمیشہ پڑھا جاتا تھا، مروّجہ زبان میں ترجمہ کیا جائے۔ علم الٰہی کے مدرسے قائم کئے گئے جہاں ربّی تربیت پاتے اور فنِ تفسیر میں مہارت حاصل کرتے تھے۔

لیکن باوجود اِس ظاہری دینداری کی گرم بازاری کے مذہب دراصل تنزّل کی طرف مائل تھا یعنی خارجی رسُوم کی تعداد تو ترقی پر تھی مگر باطنی رُوح اور زندگی چراغِ سحری کی طرح گل ہونے پر تھی گو پُرانے زمانہ میں یہ قوم بار بار گناہ کے پھندے میں گرفتار ہُوئی تو بھی ہمیشہ اِس قابل تھی کہ اپنی تاریخ کے بدترین زمانوں میں بھی ایسے جلیل القدر اشخاص پیدا کرے جو زندگی کا اعلےٰ سے اعلےٰ نمونہ قائم رکھیں اور اس رابطہ کو مضبُوط کریں جو اُن کی قوم اور آسمانی بادشاہ کے درمیان موجُود تھا پس ہم دیکھتے ہیں کہ وُہ انبیاء جو صفا و صدق کی دَولت سے مالا مال تھے، سچّائی کو ہر طرح کی آلائش سے محفُوظ رکھتے تھے۔ اُن کے سلسلہ میں اُن چار صدیوں کے اندر جن کا ذِکر اُوپر ہُوا کوئی نبی برپا نہ ہُوا۔ اس میں شک نہیں کہ اُن کے مُقدّس کلام کی محافظت تو ایسی تعظیم سے کی جاتی تھی کہ اس تعظیم میں سے بسا اوقات بُت پرستی کی بُو آنے لگ جاتی تھی لیکن ایسے آدمی بہت ہی کم تھے جن کے اندر رُوحِ پاک کا وُہ نُورِ ہدایت درخشاں ہوتا جو نبیوں کے کلام کا اصل مطلب سمجھنے کے لئے ضرُوری ہوتا ہے۔

دین کے دائرہ میں جو فرقہ اُن دِنوں پیشوا سمجھا جاتا تھا وُہ فریسیوں

کا فرقہ تھا۔ فریسی اِس بات پر زور دیا کرتے تھے کہ خدا نے قوم یہُود کو دیگر اقوام سے امتیازِ خاص کے ساتھ جُدا کیا ہے۔ اب اگر یہ امتیاز پاکیزگی میں ظاہر ہوتا تو اُس پر زور دینا بہُت عمدہ اور موزوں ہوتا مگر چُونکہ لباس اور خوراک اور زبان کے ظاہری امتیازات کی نسبت اس اخلاقی امتیاز کا برقرار رکھنا ایک مشکل کام تھا، اس لئے لباس اور خوراک کے بیرونی فرق و امتیاز نے رفتہ رفتہ اس اصلی امتیاز کی جگہ لے لی۔ فریسی حُبّ الوطنی کے عجیب جوش سے پُر اور مُلکی آزادی کے لئے اپنی جان پر کھیل جانے کو تیار تھے۔ وُہ غیروں کی حکمرانی سے دِل ہی دِل میں جلتے اور دُوسری قوموں کو نظرِ حقارت سے دیکھا کرتے تھے اور اس اُمید میں محو تھے کہ ہماری قوم کو کچُھ عرصہ کے بعد ایک خُوش نما اور پُر جلال زمانہ نصیب ہوگا مگر مدّت تک اس راگ کو الاپنے کا یہ نتیجہ ہُوا کہ وُہ مغرُور ہو کر یہ سمجھنے لگ گئے کہ چُونکہ ہم ابرہام کی نسل سے ہیں، اس لئے خُدا کی نظر میں ہم ہی پسندیدہ ہیں اور اس بات کو بھُول گئے کہ خُدا کی نظر میں جو ہے وُہ نسبی شرافت نہیں بلکہ ذاتی خصلت ہے پس وُہ یہُودی رسموں کو بڑھاتے گئے اور انجام کار دُعا اور روزہ اور دہ یکی کی خارجی رسُوم نے اُس اعلےٰ امتیاز کی جگہ لے لی جو انسان اور خُدا کی محبّت میں جلوہ گر ہونا چاہیئے تھی۔

فریسیوں کے فرقہ کے ساتھ کئی فقیہہ بھی مُلحق تھے۔ اُن کو اس لئے فقیہہ کہتے تھے کیونکہ پاک نوشتوں کی تشریح اور کتابت اُن کے سپُرد تھی اور وُہی لوگوں کے لئے وکالت کا کام کیا کرتے تھے کیونکہ یہُودیوں کے

مُلکی قوانین کا مجموعہ پاک نوشتوں ہی میں داخل تھا، اس لئے علمِ فقہ
علم الٰہیات کی ایک شاخ سمجھا جاتا تھا۔ عبادت خانوں میں کلام
الٰہی کی شرح اکثر وُہی کیا کرتے تھے۔ اگرچہ ہر شخص کو اجازت تھی کہ اگر
یوں چاہے تو بولے۔ وُہ نوشتوں کے ایک ایک لفظ اور حرف کی تعظیم
کا دم بھرتے تھے اور روایتی پُرانے عہدنامے کے مذہبی اصُول کو لوگوں کے
درمیان پھیلانے اور اُس کے بڑے بڑے اولوالعزم بہادروں کا نمونہ
اُن کے سامنے رکھنے اور نبیوں کے کلام کو بیج کی طرح دِلوں میں بونے کا
عُمدہ موقع اُن کو حاصل تھا کیونکہ اس کام کو انجام دینے کے لئے عبادت
خانہ ایک عُمدہ مقام تھا لیکن اُنہوں نے اس عُمدہ موقع کو بالکل کھو دیا اور
مذہبی حاکموں اور متکلموں کی پھیکی سی گروہ بننے پر اکتفا کی اور اپنے اعلےٰ
مرتبہ کو اپنے ذاتی اغراض کو پُورا کرنے کا وسیلہ بنایا اور اُن لوگوں کو جنہیں
وُہ روٹی کے عوض پتھر دیا کرتے تھے جاہل اور بے علم سمجھ کر نظرِ حقارت
سے دیکھنا شروع کیا۔ پاک نوشتوں میں جو جو باتیں رُوحانی اور زندگی
بخش تھیں اور انسانی بہبُودی کے لئے اکسیر تھیں اُن کو نظر انداز کر دیا۔
پُشت در پُشت مشاہیر مفسّرین کی تفسیریں بڑھتی گئیں اور تفسیری
حاشیوں کو متن پر ترجیح دینے لگے۔ مزید برآں یہ خیال مروّج ہو گیا
کہ صحیح تفسیر کو وُہی رُتبہ دیا جائے جو کلام اللہ کو حاصل ہے اور
چُونکہ بڑے بڑے مشہور معلّموں کی تفسیریں صحیح سمجھی جاتی تھیں لہٰذا
یہ نتیجہ ہُوا کہ ہزارہا رائیں جو بائبل کی طرح مستند اور بیش قیمت سمجھی
جاتی تھیں روز بروز بڑھنے لگیں، یہاں تک کہ اُن کا شمار بہت
زیادہ ہو گیا۔ رفتہ رفتہ یہاں تک نوبت پہنچی کہ ہر کوئی اپنی مرضی کے مطابق

تشریح کرنے لگا اور یُوں ہر قسم کی رائے کو کلام اللہ کی کسی نہ کسی آیت سے
مربُوط کرنا یا اُس کو جائز قرار دینے کے لئے الٰہی سند ڈھونڈھنا آسان
کام ہو گیا۔

پس اِس طرح فریسیوں کی ہر نئی ایجاد نے ناجائز ہونے کا رُتبہ
حاصل کیا اور اُن نئی ایجادوں کا شمار اِس قدر بڑھ گیا کہ زندگی کے
دائرہ میں کوئی ایسی جگہ نہ تھی جہاں اُن کا سایہ نہیں پڑتا تھا۔ شخصی اور
خاندانی غرضیکہ زندگی کے ہر پہلُو پر ان لوگوں کی نو ایجادیاں حکمران
تھیں اُن کے شمار کی کثرت کے سبب سے اُن کے سیکھنے کے لئے
مدّت العمر کی ضرورت تھی اور ان فقیہوں کی تربیت کا بھی بڑا
جُزو یہی تھا کہ وُہ اِن مختلف خیالات سے واقف ہوں اور بڑے
بڑے ربّیوں کے مُفتیانہ کلام کا علم رکھیں اور تفسیر کے اُن طریقوں
کو ضبط کریں جن کی بنا پر ربّیوں نے اپنے خیالات کو جائز ٹھہرایا تھا۔
یہی وُہ بھُوسہ تھا جس سے وُہ عبادت خانہ میں آنے والوں کو سیر و
آسُودہ کرنا چاہتے تھے۔ ضمیر کی گردن پر ایسی بے شمار چھوٹی چھوٹی
باتوں کا بوجھ ڈالتے تھے جن میں سے ہر ایک کو دس احکام کی مانند
خُدا کی طرف سے بتاتے تھے۔ یہی وُہ ناقابلِ برداشت بوجھ تھا،
جس کی نسبت پطرس نے کہا کہ نہ ہم اور نہ ہمارے باپ دادے اسے
اُٹھا سکتے ہیں۔ یہی وُہ بوجھ تھا جس نے خوابِ پریشان کی طرح یہُودیوں کی ضمیر
کو دبا رکھا تھا۔ اِس سے بہت سے بُرے نتیجے پیدا ہُوئے یہ ایک مسلّمہ
تاریخی حقیقت ہے کہ جب رسُوم کو وُہی جگہ دی جاتی ہے جو اخلاقی صداقت
کا حق ہے تو اخلاق کی رونق کافُور ہو جاتی ہے فقیہہ اور فریسی اس فن میں طاق

تھے کہ اپنی خود رائی کے موافق شرح کرکے اور ضمیری معاملات پر اپنی مرضی کے مطابق بحث کرکے بڑے بڑے اخلاقی فرائض کی بنیادیں ہلا دیں اور نئے نئے دستوروں کی پابندی کے ستون برپا کریں۔ اس طرح یہ لوگ ہاتھی کے دانتوں کی طرح ظاہر میں کچھ اور باطن میں کچھ اور ہی تھے۔ دیکھنے میں سراپا پاکیزگی مگر خلوت میں خود غرضی کے عاشق اور نفسانی خواہشات کے نشے میں چور تھے اور یہی حال قوم کا تھا۔ وہ بھی قبر کی طرح اوپر سے آراستہ پر اندر بدی کی عفونت سے سڑ رہی تھی۔

اُن کے مقابل ایک اور فرقہ مخالفت میں ڈٹا کھڑا تھا۔ وہ صدوقیوں کا فرقہ تھا۔ صدوقی بزرگوں کی روایتوں کو سند نہیں مانتے تھے بلکہ برعکس اِس کے یہ چاہتے تھے کہ بائبل کے فیصلے مستند سمجھے جائیں اور بغیر اُس کے اور کسی رائے کی قدر نہ کی جائے اور نہ ہی وہ یہ چاہتے تھے کہ اخلاق کی جگہ خارجی رسوم کو دی جائے مگر اس مخالفت کا باعث مذہبی اصول کی پابندی نہ تھی بلکہ اُن کی متکبرانہ طبیعت اس کی موجب تھی۔ یہ لوگ سرمایۂ ایمان سے خالی اور سرگرمی اور جنونی مزاج سے پُر تھے۔ اگرچہ وہ اخلاقی صداقتوں کی تعریف میں بڑی سرگرمی دکھایا کرتے تھے تو بھی اُن کا عالم اخلاق کچھ اور ہی تھا۔ اُن کے اخلاق میں حقیقی جوش اور روشنی جلوہ نما نہ تھی کیونکہ وہ الٰہی قدرت کی اُن اعلےٰ منازل سے ناواقف تھے جہاں سے سچی اخلاقی زندگی کی ندیاں جاری ہوتی ہیں وہ فریسیوں کی دستور پرستی سے اپنی ضمیر کو زیر بار کرنا پسند نہیں کرتے تھے مگر اس کا اصل سبب یہ

تھا کہ وہ چاہتے تھے کہ عیش و عشرت سے زندگی بسر کریں، اور ہر روز روزِ عید اور ہر شب شبِ برات ہو۔ وہ فریسیوں کی اُس خصوصیت کو ہنسی میں اڑایا کرتے تھے جس کی وجہ سے وہ اپنے تئیں اوروں سے الگ رکھتے تھے مگر صدوقی اُس ایمان اور اُن قومی اُمیدوں سے بھی اپنے ہاتھ دھو بیٹھے تھے جو فریسی فرقہ کا خاصہ تھیں۔ سو وہ غیر قوموں کے ساتھ کھلم کھلا، ملتے جلتے، یونانی تہذیب و شائستگی کی پیروی کرتے اور غیر ممالک کے مشاغل سے دل بہلاتے تھے۔ ملکی آزادی کے لئے لڑنا اُن کو ناپسند تھا۔ اس فرقے کی ایک شاخ اِن خیالات میں اِس درجہ تک پہنچ گئی تھی کہ اُن کو ہیرودی کہتے تھے۔ اُنہوں نے ہیرودیس غاصب کی مدد کی اور اب خوشامد کی وجہ سے اُس کے بیٹوں کے مُنہ لگے ہوئے تھے۔

یہ صدوقی بیشتر اعلےٰ خاندانوں اور دولت مند گھرانوں سے علاقہ رکھتے تھے اور فقیہہ اور فریسی زیادہ تر درمیانہ درجہ کے لوگوں میں سے تھے گو کئی اُن میں سے بھی عالی خاندانوں سے علاقہ رکھتے تھے۔ ادنیٰ درجہ کے لوگوں اور دیہاتی باشندوں کو دولت نے امیروں سے جدا کر رکھا تھا مگر وہ فریسیوں پر فریفتہ ہو کر اُنہیں کا دم بھرتے تھے کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ جاہل لوگ جس طرف گرم جوشی دیکھتے ہیں اُسی طرف ہو جاتے ہیں۔ سب سے آخری درجہ پر ایک کثیر جماعت موجود تھی جس نے مذہب اور مروجہ سوسائٹی سے ہر طرح کا رشتہ منقطع کر لیا تھا۔ وہ محصول لینے والے اور کسبیاں اور گنہگار کہلاتے تھے اور کوئی اُن کی رُوحوں کی پروا نہ کرتا تھا۔

ہم نے دیکھا کہ قوم یہود کی اس وقت دینی اور اخلاقی حالت نہایت
ردّی ہو رہی تھی۔ اب یہ سوال پیش آتا ہے کہ کیا یہی لوگ خدا کے لوگ
ہیں؟ ہاں یہی لوگ ابرہام اور اضحاق اور یعقوب کی اولاد اور وعدوں
کے وارث تھے، اگرچہ چاہِ ضلالت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اگر ہم اس
زمانہ سے قطع نظر کر کے پیچھے کی طرف دیکھیں تو کئی صدیاں پہلے قدیم بزرگوں
کی نورانی صورتیں اور اُن بادشاہوں کے جلالی چہرے جو خدا کے ہم خیال
اور ہم مزاج تھے، ہماری نظروں سے گزریں گے اور کئی دیندار زبور نویس
اور سچے نبی دکھائی دیں گے اور کئی ایسی ہستیاں دیکھنے میں آئیں گی جو اپنے
ایمان اور اُمید کے سبب مشہور تھیں اور اسی طرح اگر آئندہ زمانے
کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھیں تو اُدھر بھی بزرگی اور فضیلت کا دَور
دَورہ نظر آئے گا۔ خدا کا وہ کلام جو آسمان سے نازل ہوا اور نبیوں کے
وسیلے سے بیان کیا گیا، کبھی "بے انجام" نہیں رہ سکتا تھا۔ اُس نے
فرما دیا تھا کہ میرا کامل مکاشفہ اسی قوم کو عطا کیا جائے گا اور انسانیت
کا بے نقص اور کامل نمونہ اسی قوم میں سے نکلے گا اور اسی میں سے
وہ چشمہ جاری ہوگا جو بنی آدم کو نئی زندگی اور تازگی اور نئی طاقتیں
دے گا۔ پس اس قول کے مطابق ابھی ایک عجیب زمانہ ظاہر ہونے والا
تھا یا یوں کہیں کہ یہودی تاریخ کا دریا اس وقت کچھ عرصہ کے لئے ریگستانی
خطوں میں جذب ہو کر غائب ہو گیا تھا، لیکن تھوڑی دیر کے بعد پھر زور و
شور کے ساتھ خدا کی مقرر کردہ راہ میں بہنے کو تھا۔ اگرچہ اس وقت
زمانہ کے ظاہری حالات کسی قدر ناموافق سے معلوم ہوتے تھے تو بھی خدا
کا فرمان پورا ہونے کا وقت آپہنچا تھا۔ چنانچہ کئی خدا پرست دیندار

اس وقت آپس میں کہتے تھے کہ کیا موسیٰ سے لے کر سب نبی ایک بزرگ
کے آنے کی خبر دیتے ہوئے یہ نہیں بتاتے رہے کہ وہ عین اُس وقت آئے گا
جبکہ اخلاقی تاریکی تاریک رات کے اندھیرے سے بھی بڑھ جائے گی
اور قومی ابتری انتہا درجہ کو پہنچ جائے گی؟ وہ زمانہ ہائے گذشتہ
کے کھوئے ہوئے جلال کو دوبارہ روشن کرے گا۔ یاد رہے کہ بدترین
زمانوں میں بھی نیک اشخاص کا وجود معدوم نہیں ہوتا لہٰذا اس
وقت بھی یہودیوں کے خود غرض اور بد اخلاق فرقوں میں بعض بعض
صاحب دل باقی تھے۔ لیکن ایسے زمانوں میں حقیقی دینداری
زیادہ تر کم حیثیت لوگوں کی جھونپڑیوں میں بسیرا کرتی ہے اور جس طرح
ہم کو اُمید ہے کہ رومن کیتھولک کلیسیا میں بھی بہت ایسے لوگ ہوتے
ہیں جو اُن رسوم کو جو مسیح اور اُن کے درمیان پردہ کرتی ہیں ترک کر کے
حیات کے چشمہ تک پہنچ جاتے ہیں اور روحانی مذاق کی امداد سے
لغویات سے کنارہ کش ہو کر صداقت کو مضبوطی سے پکڑ لیتے ہیں۔ اسی
طرح ہم یہ اُمید بھی رکھتے ہیں کہ فلسطین کے عام لوگوں میں بھی کئی ایسے
لوگ تھے جو خدا کے کلام کو عبادت خانوں میں سُن کر یا اپنے گھروں میں پڑھ
کر اپنے اُستادوں کی بھاری اور بے شمار تشریحوں کو نظر انداز کر دیتے ہوں
گے اور گذشتہ زمانوں کے جلال یعنی پاکیزگی کی رونق اور خدا کے کمال
کو دیکھتے ہوں گے جن کے نظارے سے فقیہہ محروم تھے۔

لیکن فقیہہ بھی نوشتوں کی پیشین گوئیوں سے بے پروا نہ تھے۔ وہ
بھی ایک طرح اُن کی چھان بین میں لگے ہوئے تھے اور فریسیوں کی تو یہ
ایک خصوصیت ہی تھی کہ وہ مسیح کے آنے کی اُمیدوں پر فریفتہ ہو رہے

تھے مگر قباحت یہ تھی کہ اُنہوں نے اپنی بے ڈھب تشریحوں سے نبیوں کے کلام پر پردہ ڈال رکھا تھا اور آنے والے زمانہ یعنی مسیح کے عہد کی شان و شوکت اور جاہ و جلال کی ایک فرضی تصویر اپنے قیاس کے مطابق کھینچ رکھی تھی۔ مسیح کو خُدا کا بیٹا اور اُس کے آنے کو خُدا کی بادشاہت کا آغاز سمجھا کرتے تھے لیکن اس کے ساتھ ہی اس بات کے بھی معتقد تھے کہ جب مسیح آئیگا تو وُہ بڑے بڑے معجزوں اور اپنی قدرت سے یہودی قوم کو غلامی کی قید سے آزاد کر کے دُنیوی عزّت اور شوکت کے اعلیٰ درجہ تک پہنچائے گا اور اس اُمید کے نشے سے بھی مسرور ہو رہے تھے کہ ہم جو حقیقی مذہبی قوم کے شریک ہیں، اُس کی بادشاہی میں اعلیٰ منصبوں اور مرتبوں پر مامور کئے جائیں گے، پر کبھی یہ نہیں سوچتے تھے کہ یہ بھی ضروری امر ہے کہ اُس کی ملاقات کے لئے ہماری زندگی میں باطنی تبدیلیاں پیدا ہوں اور اس کا سبب یہ تھا کہ دُنیاوی جلال کی جھلک نے پاکیزگی اور محبّت کے رُوحانی عنصروں کو اُن سے چھپا دیا تھا۔

جب اس قوم کے اصل مُدّعا یا انجام کے پُورا ہونے کا زمانہ آیا تو یہودی تاریخ کی ایسی صُورت تھی جیسی کہ بیان ہُوئی اور اس صُورت نے اُس کام کو جسے مسیح موعُود کو انجام دینا تھا پیچ در پیچ اُلجھنوں سے بھر دیا۔ اُمید تو یہ ہونی چاہیئے تھی کہ جب مسیح آئے تو وُہ تمام قوم کو گذشتہ نبیوں کے خیالوں اور روایتوں کے حقیقی مَعانی سے بھرپُور پائے اور اُسے اپنے تابع کر کے اُس سے ایسی امداد حاصل کرے جو جوش اور تاثیر سے پُر ہو مگر ایسا نہ ہُوا بلکہ برعکس اس کے یہ دیکھتے ہیں کہ جب وُہ آیا اُس وقت تمام قوم اپنے اعلیٰ تصوّرات کو کھو بیٹھی اور اُن کے عوض ادنےٰ خیالات پیدا

ہو گئے تھے۔ پس وُہ ایک ایسی قوم کے عوض میں جو پاکیزگی سے بہرہ ور اور خُدا کے مقرّر کردہ انتظام کے مطابق دُوسری قوموں کو برکت پہنچانے کے لئے تیار ہوتی اور اُس کی پیروی اختیار کر کے درجہ کمال تک پہنچتی اور پھر تمام دُنیا پر رُوحانی فتح پانے میں اُس کی مدد کرتی وُہ ایسی قوم سے دوچار ہُوا جس سے اِن باتوں میں سے کسی کی اُمید نہیں کی جا سکتی تھی۔ لہٰذا اُسے پہلے اپنے ہی مُلک کی اصلاح کا بیڑا اُٹھانا اور اُن تعصّبات کا نشانہ بننا پڑا جو سالہا سال کی پست حالی سے پیدا ہو گئے تھے۔

چوتھا باب

تیّاری کی آخری منزلیں

اب جس وقت قوم کی یہ حالت ہو رہی تھی اُس وقت وُہ جس کے آنے کی راہ لوگ اپنے اپنے خیال کے مطابق دیکھ رہے تھے اس دُنیا میں آیا۔ لیکن اُنہوں نے نہ جانا کہ وُہ آ گیا ہے اور وُہ کب یہ خیال کر سکتے تھے کہ جس کی انتظاری کے متعلق ہم غور و فکر میں مصروف اور دُعا و مناجات میں مشغول ہو رہے ہیں وُہ ناصرت جیسے حقیر شہر میں ایک بڑھئی کے گھر میں پرورش پا رہا ہے اور درحقیقت یہی ہو رہا تھا یعنی وُہ یُوسف کے گھر میں اپنے کام کے لئے تیاری کر رہا تھا۔ وہاں وُہ پُرانے زمانے کی نبوّتوں اور موجُودہ حالات کو دیکھ کر اپنے کام کی عظیم

وسعت کے سمجھنے میں مصرُوف تھا۔ وہاں اُس کی آنکھیں مُلک کا معائنہ کر رہی تھیں اور اُس کا دِل گناہ اور خرابی کی کثرت کو دیکھ کر اُس کے پہلو میں تڑپ رہا تھا اور وہ اپنے اندر اُن عظیم طاقتوں کو جُنبش کرتے ہُوئے محسُوس کر رہا تھا جو اُس کے بھاری مقصد کی انجام دہی کے لئے ضرُوری تھیں۔ آخر کار یہ جذبۂ شوق دریا کی طرح اُمڈ آیا اور وہ مجبُور ہُوا کہ اپنے دِل کا حال ظاہر کرے اور جس کام کے لئے آیا ہے اُسے انجام دے۔

یسُوع کو اپنے اصل کام کی بجاآوری کے لئے صرف تین سال ملے اور اگر ہم اس بات پر غور کریں کہ انسانی زندگی کے معمُولی تین سال کس قدر جلد گذر جاتے ہیں اور اُن کے خاتمہ پر کیسا تھوڑا کام اُن سے منسُوب کیا جا سکتا ہے تو ہم محسُوس کریں گے کہ وہ سیرت عجیب قسم اور عظیم قامت کی ہوگی اور وہ زندگی لاثانی طور پر اپنے ارادوں کی یکتائی اور پختگی سے معمُور ہوگی جس نے ایسے قلیل سے عرصہ میں دُنیا پر ایسا گہرا اثر ڈالا ہے جسے کسی تدبیر کا ہاتھ دُور نہیں کر سکتا اور بنی آدم کے لئے صداقت اور معرفت کی دولت کی ایسی میراث پیچھے چھوڑی جسے کوئی رہزن لُوٹ نہیں سکتا۔

عموماً مانا جاتا ہے کہ جب مسیح دُنیا کے سامنے آیا اُس وقت اُس کے تصوّرات نشوونما پا کر ترتیب کے سانچے میں مُرتّب ہو چکے تھے اور اُس کی سیرت کا ہر پہلو پُختہ بن گیا تھا اور اُس کے ارادے ایسے راسخ اور پکے ہو گئے تھے کہ وہ بے ہچکچاہٹ اپنے کام کو انجام تک پہنچانے کے لئے لگاتار کوشش کر سکتا تھا۔ تیس سال کے عرصہ میں کبھی ایک دم کے لئے اُس راستے سے دائیں بائیں نہ پھرا جس پر اُس نے اپنے کام کے

شُروع میں قدم رکھا تھا اور اس کا یہی سبب ہوگا کہ کام شُروع کرنے سے پہلے تیس برس کے عرصہ میں اُس کے تصوّرات اور اُس کی سیرت اور اُس کی تدبیریں اپنی نشوونما کی تمام منزلیں طے کرتی ہوں گی۔

اُس کی زندگی کا جو حِصّہ ناصرت میں گُزرا، اُس میں بظاہر کسی طرح کوئی غیر معمُولی خصُوصیّت نظر نہیں آتی۔ پھر اگر پردہ اُٹھا کر دیکھا جائے تو تہ میں قسم قسم کے تصوّرات اور گُوناگوں خیالات کی کثرت بڑے بڑے ارادوں اور تجویزوں کی شوکت اپنا رنگ دکھائے گی یا یُوں کہیں کہ اُس پاک اور سنجیدہ زندگی کی سطح کے نیچے بالیدگی کے تمام عمل جاری تھے جو انجام کار اُس خوبصورت پھول اور خوش نما پھل میں نمودار ہُوئے جن کو اب تمام زمانہ حیرت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اس تیاری میں بہُت سا وقت لگا۔

تیس برس تک خاموش رہنا اور اپنے اصل کام کو ہاتھ نہ لگانا واقعی ایک طویل زمانہ تھا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے بعد بھی اور کوئی بات اُس کی زندگی میں اُس خاموشی سے زیادہ شاندار نہیں جو وہ کام اور کلام دونوں میں ظاہر کرتا ہے۔ یہ خاصیّت بھی اُس میں ناصرت ہی میں پیدا ہُوئی جس وہ خاموشی کے ساتھ اُس وقت تک انتظاری کرتا رہا جب تک کہ تیاری پُوری نہ ہُوئی۔ وقت سے پہلے کوئی چیز اُس کو تنہائی سے باہر نہیں لا سکتی تھی۔ چنانچہ نہ یہ زبردست خواہش کہ اپنے گھر سے نکل کر اپنے زمانہ کی خرابیوں اور غلطیوں کا مقابلہ کرے اور نہ یہ آرزو کہ اپنے ہم جنسوں کو فائدہ پہنچائے وقت سے پہلے اُس کو باہر لائی۔

مگر جب وقت آیا تو اُس نے بڑھئی کے اوزاروں سے ہاتھ اُٹھایا اور اُس لباس کو جو اپنی دُکان میں پہنا کرتا تھا اُتار ڈالا اور اپنے گھر اور

ناصرت کی دلکش وادی کو خیرباد کہہ کر نئے طریق زندگی پر قدم رکھا مگر ابھی سب کچھ تیار نہ تھا کیونکہ اگرچہ اُس کی انسانیت خاموشی کی حالت میں اعلیٰ درجہ کی ترقی کر گئی تھی تو بھی اپنے کام کو ہاتھ لگانے سے پہلے اُسے ایک خاص قسم کی مدد کی ابھی ضرورت تھی۔

اور اسی طرح یہ بھی ضرور تھا کہ اُس کے تصور اور ارادے ایک عجیب قسم کی آزمائش کی آگ کے وسیلے سے نہایت مضبوط و پختہ کئے جائیں۔ بس اُس کی تیاری کی آخری دو باتیں یعنی بپتسمہ اور آزمائش ابھی وقوع میں آنے والی تھیں۔

اُس کا بپتسمہ۔ واضح ہو کہ مسیح ناصرت کی خاموشی سے نکل کر یک بیک لوگوں کے سامنے نہیں آیا بلکہ اُس کے آنے کی اطلاع پہلے دی گئی یا یُوں کہیں کہ ایک طرح سے اُس کا کام اُس کے ہاتھ لگانے سے پہلے شروع ہو چکا تھا۔ مسیح موعود کی آواز سُننے سے پہلے قوم کو ایک مرتبہ پھر نبوّت کی آواز جو مدّت سے خاموش ہو رہی تھی، نصیب ہوئی۔ چنانچہ تمام مُلک میں یہ خبر پھیل گئی تھی کہ یہودیہ کے صحرا میں ایک مُبشّر نمودار ہوا ہے۔ وُہ نہ اُن اکبر کے فقیروں کی مانند ہے جو مرے ہوئے لوگوں کے خیالات کو عبادت خانوں میں سُنایا کرتے ہیں اور نہ اُن یروشلیم کے رہنے والے اُستادوں کی طرح ہے جو مہذّبانہ آداب میں تاک اور فصیح بیانی میں مُشتاق ہیں بلکہ ایک ایسا شخص ہے جو خوشامد کی آلودگی سے آزاد اور بدن میں قوی ہیکل ہے اور دل کی طرف مخاطب ہو کر بولتا ہے اور پھر ایسے اختیار کے ساتھ کہ گویا اپنے الہام کے متعلّق کسی طرح کا شک و شبہ مُطلق نہیں رکھتا۔ یُوحنّا بپتسمہ دینے والا اپنی ماں کے

پیٹ ہی سے نذیر تھا۔ اُس نے کئی سال صحرا میں کاٹے تھے جہاں وُہ بحیرۂ مُردار کے ساحلوں پر اپنے دِل کے خیالات میں مگن ہو کر سیر کیا کرتا تھا۔ وُہ پُرانے نبیوں کی طرح بالوں کی پوشاک اور چمڑے کا کمربند پہنا کرتا تھا اور نفس کُشی کی شدّت اِس درجہ تک پہنچی ہُوئی تھی کہ وُہ اچھے اچھے کھانوں کا محتاج نہ تھا بلکہ اُن ٹڈیوں اور جنگلی شہد پر گذارا کیا کرتا تھا جو اُس بیابان میں مِل سکتے تھے۔

یُوحنّا کی نسبت جو کُچھ کلام الٰہی میں لکھا ہے اُس سے معلُوم ہوتا ہے کہ وُہ گوشہ نشین اور نہایت ریاضت کرنے والا اور نفس کُش آدمی تھا۔ اُس نے آباد جگہوں کو چھوڑ کر بیابان میں رہنا اختیار کیا پر اِس تنہائی سے اُس کی یہ غرض نہ تھی کہ مشہور دیو جانس کلبی کی طرح بنی آدم سے بے پروا اور متنفّر ہو کر کُنج تنہائی میں جا چھپے یا اپنی نفسانیت سے تنگ آ کر یا اُس سے پناہ پانے کے لئے بھاگ جائے بلکہ اُس کی صحرا نشینی کا یہ مقصد تھا کہ اپنے اُوپر قابُو پائے اور وُہ صفتیں پیدا کرے جو خُدا کے سچّے نبی اور مسیح کے مُبشّر کے لئے ضرُوری ہیں۔

یُوحنّا کی طبیعت میں جوش بہت تھا۔ لیکن اُس نے بڑی محنت اور جنگ وجدل سے اپنے مزاج پر قابُو پایا۔ اگر اُس میں سلامتی یا شانتی نظر آتی ہے تو وُہ بڑی دُعا اور سچّی توبہ سے حاصل کی گئی تھی، پر اُس کی دُعا اور توبہ کی جگہ وُہی بیابان تھا۔ اُس فتح کی پیشانی پر جو اُس کو نصیب ہُوئی، لڑائی کے ایسے آثار موجود تھے جو ظاہر کرتے تھے کہ جنگل میں بڑی جدوجہد کے ساتھ غلبہ حاصل کیا ہے اور جوانی اُس کی زندگی سے ظاہر ہوتا تھا اُس میں سے بھی اب تک اُس بے آرامی

اور بے چینی کے طوفان کی بو آتی تھی جو صحرا میں اُس پر آئی۔ اسی طرح اُس کی تعلیم سے بھی اُس بیابان کا رنگ ظاہر ہو جاتا ہے جہاں اُس نے اپنے کام کی تیاری کی چنانچہ وُہ اپنی تقریریں میں بارہا پتھر اور سانپ اور سُوکھے ہُوئے یا بے پھل درختوں کی نظیریں پیش کرتا ہے۔

خداوند مسیح نے اُسے اُس کی طبیعت اور کام کے لحاظ سے جلتے ہُوئے چراغ یا مشعل سے تشبیہ دی اور فی الحقیقت وُہ از سرِ تا پا ایک وعظ تھا۔ پس اُس کا اپنے آپ کو آواز کہنا نہایت درست اور موزوں لقب تھا۔ اُس کی ایک ایک حرکت سے یہی آواز آتی تھی کہ "خداوند کی راہ تیار کرو"۔ یہی شخص پیشروی کے کام کے لائق تھا کیونکہ اس میں الیاس کی رُوح بکثرت پائی جاتی تھی۔

مگر باوجود اس گوشہ نشینی کے وُہ زندگی کے ہر پہلو سے بخوبی واقف اور اپنے زمانے کی تمام خرابیوں سے آگاہ تھا۔ مذہبی فرقوں کی ریاکاری کو خوب جانتا تھا اور عام و خاص کی بدیاں بھی اُس سے پوشیدہ نہ تھیں علاوہ بریں وُہ دِل کو جانچنے اور ضمیر کو ہلانے کی عجیب قدرت رکھتا تھا اور بے خوف و خطر ہر قسم کے لوگوں کے دلفریب گناہوں کو فاش کرنا جانتا تھا۔ لیکن جس بات کے سبب سے لوگ اُس کی طرف زیادہ راغب ہُوئے اور جس نے مُلک کے ایک سرے سے دُوسرے تک ہر یہودی کے دِل میں ایک جُنبش پیدا کر دی، وُہ اُس کا پیغام تھا اور وُہ یہ تھا کہ مسیح کا وقت نزدیک آ گیا ہے اور وُہ بہت جلد خُدا کی بادشاہی قائم کرنے والا ہے۔ یہ سُن کر تمام یروشلیم اور سارا علاقہ اُس کی طرف اُمڈ آیا کیونکہ یہ سبت کا سال تھا اور لوگ زراعت کے کام

سے فارغ تھے۔ پس طرح طرح کے لوگ آ کر اُس کی باتیں سُنتے تھے۔ فریسی ہمہ تن گوش تھے کہ مسیح کی بابت کچھ سُنیں بلکہ صدوقی بھی اُس کی باتیں سُن کر کروٹ بدلنے لگے۔ اِدھر اُدھر کے تمام صُوبوں سے ہزاروں لوگ اُس کی منادی سُننے کے لیئے آئے اور بہت سے لوگ جو جا بجا اسرائیل کی نجات کے مُنتظر اور دست بدعا تھے اُس کے پاس جمع ہُوئے تاکہ اُس سے اِس جوش انگیز وعدہ کی خبر سُنیں، مگر علاوہ اس پیغام کے یُوحنا کے پاس ایک اور پیغام تھا جس نے مختلف دِلوں میں مختلف قسم کے خیالات پیدا کئے یعنی اُس نے اپنے سُننے والوں کو یہ بھی بتایا کہ تم قوم کی مجموعی صُورت میں مسیح موعُود کی مُلاقات کے لئے بالکل تیار نہیں اور تمہارا ابرہام کی نسل سے ہونا اُس کی بادشاہی میں دخل پانے کے لئے کافی حق نہیں سمجھا جا سکتا کیونکہ اُس کی بادشاہی راستبازی اور پاکیزگی کی بادشاہی ہے۔ پس مسیح کا پہلا کام یہ ہوگا کہ وُہ اُن کو جو اِن صفات سے بے بہرہ ہیں اس طرح رَدّ کرے گا جس طرح زمیندار بھُوسے کو خارج کرتا ہے یا جس طرح باغ کا مالک درخت کو جو میوہ نہیں لاتا جڑ سے کاٹ ڈالتا ہے۔ اُس نے قوم کے ہر فرقے اور ہر شخص کو ہدایت کی کہ جب تک وقت ہے اُسے غنیمت جانو اور توبہ کرو کیونکہ نئی بادشاہی کی برکتوں سے محفوظ ہونے کی یہی ایک لازمی شرط ہے۔ پس اس اندرونی تبدیلی کو ایک خارجی رسم کے وسیلے سے ظاہر کرنے کے لئے اُس نے اُن سب کو جنہوں نے اُس کے پیغام کو ایمان سے قبول کیا دریائے یردن میں بپتسمہ دیا۔ کئی لوگوں کو خوف اور اُمید نے ہلا دیا اور اُنہوں نے

اُس سے بپتسمہ پایا مگر بہت ایسے بھی تھے جو اپنے گناہوں کے فاش کیے جانے سے سخت ناراض ہوئے اور اُسی ناراضگی اور بے ایمانی کی حالت میں اپنے گھر کی طرف روانہ ہوگئے۔ اِن میں زیادہ تر فریسی شامل تھے جن کے ساتھ وُہ زیادہ سختی سے پیش آیا اور جو خاص کر اس سبب سے ناخوش ہوئے کہ اُس نے اس بات کی چنداں قدر نہ کی کہ وُہ ابرہام کی اولاد ہیں کیونکہ اُن کے خیال کے مطابق اُن کا سارا دارومدار اسی بات پر تھا۔

ایک روز یُوحنّا بپتسمہ دینے والے کے سُننے والوں کے درمیان ایک شخص نمودار ہوا جس کی طرف یہ بپتسمہ دینے والا بڑی توجہ سے دیکھنے لگا۔ اُس کی آواز جو بڑے بڑے اُستادوں کو تنبیہ کرتے وقت کبھی نہیں لڑکھڑائی تھی اِس نووارد شخص کی صُورت دیکھ کر کانپنے لگ گئی اور جب گفتگو کرنے کے بعد اُس نے بپتسمہ پانے کی درخواست کی تو یُوحنّا نے پہلوتہی کرنا چاہا کیونکہ وُہ جان گیا کہ یہ شخص اُس توبہ کے بپتسمہ کا محتاج نہیں جو مَیں اَوروں کو بے تامّل دے رہا ہوں اور نہ ہی یہ میرا حق ہے کہ مَیں اُسے بپتسمہ دُوں۔ اِس نووارد شخص کے چہرے پر کچھ ایسی شاہانہ عظمت اور پاکیزگی اور شانتی نمایاں تھی کہ یُوحنّا جیسا مضبوط شخص بھی تھر تھرا اُٹھا اور اپنی نالائقی اور گنہگاری کو دیکھ کر نہایت پشیمان ہوا۔ یہ شخص یسُوع تھا جو ناصرت سے اپنی دُکان چھوڑ کر سیدھا اِدھر چلا آیا تھا۔ معلُوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے یسُوع اور یُوحنّا کی مُلاقات کبھی نہیں ہُوئی تھی اگرچہ اُن کے

خاندانوں میں باہمی رشتے داری کا تعلق پایا جاتا تھا اور اُن کی زندگیوں کے باہمی رابطے کی پیشین گوئی ہو چکی تھی۔ اس ناواقفی[1] کی وجہ غالباً یہ تھی کہ ایک کا گھر گلیل میں اور دُوسرے کا یہودیہ میں تھا اور ان دونوں ملکوں کے درمیان بڑا فاصلہ حائل تھا اور اس کے سوا ایک بڑا سبب یہ بھی ہوگا کہ یُوحنّا عجیب قسم کی عادتوں کا آدمی تھا اور اُس کی زندگی کا اکثر حصّہ جنگلوں میں صرف ہوا تھا لیکن جب یسُوع کے حکم کی تعمیل کرنے کے لئے یُوحنّا بپتسمہ دینے

[1] یُوحنّا بپتسمہ دینے والے اور مسیح کی ناواقفی جو مسیح کے بپتسمہ کے وقت ظاہر ہُوئی ہمیشہ سے معرضِ بحث میں رہی ہے۔ واقعی یہ ناواقفی حیرت انگیز ہے کیونکہ دونوں کی مائیں آپس میں رشتہ دار تھیں اور دونوں کو اپنے فرزندوں کے معجزانہ طور پر پیدا ہونے اور اُن کے جُداگانہ کام، اور اُس کام کے باہمی تعلق کی خبر تھی۔ پس یہ کیونکر ہُوا کہ اتنی مدت تک یُوحنّا مسیح سے ناواقف رہا؟ اس سوال کا جواب متن میں دیا گیا ہے کہ یُوحنّا کا گھر ناصرت سے بہت دُور تھا اور اُس کی طبیعت بھی عزلت پسند واقع ہُوئی تھی۔ مگر اینڈریوز صاحب نے اپنی "لائف آف کرائسٹ" کتاب میں اس مضمون پر بحث کرتے ہُوئے ایک اَور وجہ بیان کی ہے جو نہایت عمدہ معلُوم ہوتی ہے اور وُہ یہ کہ جس نے ان ماؤں کو اُن کے بچّوں کی عجیب پیدائش اور کام کی خبر دی اُسی نے اُن کے لبوں کو مُہرِ خاموشی سے بند کر دیا تاکہ وُہ کسی سے حتیٰ کہ اپنے بچّوں سے بھی ان عجیب غریب باتوں کا چرچا نہ کریں تاکہ وُہ خود بخود الٰہی انتظام اور ہدایت کے مطابق پرورش پائیں اور رُوح پاک سے معمور ہو کر اپنے کام اور باہمی تعلقات سے واقفیت پیدا کریں۔ پس ان ماؤں کا کام صرف یہ تھا کہ وُہ اپنے بچّوں کی پرورش دینداری کے اصُول کے مطابق کریں اور باقی باتوں کے پُورا ہونے کی نسبت خاموش رہیں اور اُنہیں خدا کے ہاتھ سونپیں۔

لگا تو اُس وقت اُس نے معلوم کیا کہ اس اجنبی کے عجیب رُعب داب کا کیا مطلب ہے کیونکہ خُدا کی ہدایت کے بموجب اُس وقت اُس کو وُہ نشان بخشا گیا جس کے وسیلے سے اُسے مسیح کو جس کا پیشرو وُہ تھا پہچاننا تھا۔ چنانچہ رُوح القُدس یسُوع پر جبکہ وُہ یردن سے دُعا مانگتا ہُوا باہر آیا نازل ہُوئی اور اسی کے ساتھ ہی آسمان سے آواز آئی کہ یہ میرا پیارا بیٹا ہے۔

یُوحنا پر یسُوع کے دیدار سے جو تاثیر پیدا ہُوئی وُہ لفظوں کی نسبت کہیں زیادہ خُوش اسلُوبی سے یسُوع کی مُبارک صُورت کا نقشہ کھینچتی اور اُس کی سیرت کی اُن خاصیتوں کا پتہ دیتی ہے جو ناصرت میں رفتہ رفتہ ترقی پاکر آخرکار کامل ہو گئی تھیں۔

بپتسمہ یسُوع کے لئے ایک بڑا مطلب رکھتا تھا۔ عام لوگوں کے متعلق یہ ضابطہ دو مطالب رکھتا تھا یعنی اس سے ایک تو پُرانے گُناہوں کو ترک کرنا اور دُوسرے مسیح کے زمانے میں داخل ہونا مُراد تھا پر یسُوع کے لئے گُناہوں کو ترک کرنے کی ضرُورت نہ تھی کیونکہ وُہ بے گُناہ تھا۔ پس اگر اس معنی کے مطابق اُس نے بپتسمہ پایا تو صرف اس طرح کہ اُس نے اپنی قوم کی جگہ کھڑے ہو کر اس بات کا اقرار کیا کہ مَیں اپنی قوم کے لئے محسُوس کرتا ہُوں کہ وُہ پاکیزگی کی محتاج ہے مگر اُس کے بپتسمہ پانے کا اصل مطلب یہ تھا کہ وُہ خود اُسی دروازے سے اُس نئے زمانے میں داخل ہو جس کا بانی مبانی وُہ آپ ہی تھا گویا اُس ضابطے کے وسیلے سے اُس نے ظاہر کیا کہ وقت آپہنچا ہے کہ مَیں ناصرت کے کاروبار کو ترک کر کے اپنے خاص کام میں مصرُوف ہو جاؤں۔

اکثر یہ سوال کیا جاتا ہے کہ مسیح نے کیوں بپتسمہ پایا؟ اُسے اس کی کیا ضرُورت تھی؟ اس سوال کا جواب ہم اُوپر رقم کر چُکے ہیں۔ مگر یہاں ایڈرشام صاحب ایک مختصر مگر نہایت معقُول بیان لکھتے ہیں کہ مسیح نے اس بپتسمہ کے بارے میں ایک دفعہ پُوچھا تھا کہ یُوحنّا کا بپتسمہ کہاں سے ہے۔ آسمان سے یا آدمیوں سے؟ اس سوال کے جواب میں سوال زیرِ نظر کا جواب چھپا ہُوا ہے۔ وُہ یُوحنّا کے بپتسمہ کو خُدا کی طرف سے سمجھتا تھا اور جو کچھ خُدا کا مقرر کیا ہُوا تھا اُسے خُوشی سے پُورا کرنے کو تیار تھا۔

مگر رُوح القُدس کا اُس پر نازل ہونا اُس کے بپتسمہ پانے سے بھی زیادہ پُرمطلب تھا۔ رُوح پاک کا نزُول ایک بے معنی اظہار نہ تھا اور نہ ہی وُہ ایک ایسا نشان تھا جو فقط یُوحنّا کی خاطر دیا گیا تھا بلکہ وُہ اُس خاص برکت کا ایک نشان تھا جو اُس وقت یسُوع کو بخشی گئی تھی تاکہ وُہ اپنے کام کے لئے زیادہ طاقت حاصل کرے اور اُس کی طبعی طاقتوں کی نشو و نما کو تاج بن کر سجائے۔ لوگ اس بات کو بھُول جاتے ہیں کہ یسُوع کی انسانیّت اوّل سے آخر تک رُوح القُدس کی محتاج تھی۔ ہم اکثر یہ خیال کرتے ہیں کہ اس علاقہ کے سبب سے جو اُس کی انسانیّت اور الُوہیّت میں پایا جاتا ہے اُسے رُوح القُدس کی مدد کی ضرُورت نہ تھی مگر حقیقت میں اُس کی مدد کی بڑی ضرُورت تھی کیونکہ الہٰی ذات کا آلہ بننے کے لئے اُس کی انسانی ذات کو اس بات کی اشد ضرُورت تھی کہ اعلٰی سے اعلٰی برکت سے ممتاز ہو اور پھر اُن برکتوں کے استعمال میں کسی طرح کی غلطی اُس سے سرزد نہ ہو۔ ہم اکثر اُس کے کلام کی حکمت اور خُوبی کو اور اُس کی عالم الغیبی کو جس سے وُہ لوگوں کے خیالات کو جان لیتا تھا اور اُس کے معجزات کو اُس کی الہٰی ذات سے

منسوب کیا کرتے ہیں۔ لیکن انجیلوں میں یہ کام عموماً رُوح القُدس سے منسوب کئے جاتے ہیں۔ اب اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان باتوں کا تعلق اُس کی الٰہی ذات سے کچھ بھی نہ تھا۔ مطلب یہ ہے کہ رُوح القُدس نے اُس کی انسانی ذات کو اس لائق بنایا کہ وُہ اُن باتوں کے متعلق اُس کی الٰہی ذات کا آلہ بنے۔ یہ برکت اُسے بپتسمہ کے وقت خاص طور پر بخشی گئی اور اُس الہام کی رُوح سے مشابہت رکھتی تھی جو یسعیاہ اور یرمیاہ جیسے نبیوں کو اُن موقعوں پر مرحمت ہُوئی جبکہ وُہ اپنی اپنی خدمات کی انجام دہی کے لئے بُلائے گئے اور جن کا ذکر اُن کی کتابوں میں پایا جاتا ہے اور اسی طرح کی برکت اب بھی اُنہیں عطا کی جاتی ہے جو خادم الدین کے عُہدے پر سرفراز ہو کر اپنے آقا کی خدمت بجالاتے ہیں لیکن فرق اتنا ہوتا ہے کہ اَوروں کو یہ رُوح محدُود اندازہ میں دی جاتی ہے اور یسُوع کو غیر محدُود طور پر بخشی گئی تھی اور اُس میں خصُوصاً مُعجزہ دکھانے کی طاقت بھی شامل تھی۔

مسیح کی آزمائش :- بپتسمہ کے بعد رُوح کے نزول سے مسیح پر وُہی حالت ہُوئی جو بسا اوقات اُن لوگوں کی زندگی میں نمودار ہُوا کرتی ہے جو اپنی خدمات کی انجام دہی کے لئے رُوح کا انعام پاتے ہیں گو اُن کی زندگیوں میں وُہ حالت محدُود طور پر ظاہر ہوتی ہے اور وُہ حالت یہ تھی کہ اُس کی تمام ہستی از سرتاپا جوش کی آگ سے مشتعل ہوگئی۔ اُس کی خواہشات و واردات نے تازگی حاصل کی اور اُس کے خیالات اس دھیان میں محو ہُوئے کہ کون سے وسیلے اپنی خدمت کی بجا آوری کے لئے استعمال کرے۔ گو ایک طرح وُہ کئی سال سے تیار ہو رہا تھا اور مدّت سے اُس کا دل اپنے کام پر لگا ہُوا تھا اور اس کے سرانجام کی تجویزیں بھی سوچ چُکا تھا۔

تو بھی یہ عین فطرت کے مطابق تھا کہ جس وقت الٰہی نشان ظاہر ہو اور یہ خبر دے کہ کام اب شرُوع ہونا چاہیئے اور جس وقت وُہ محسُوس کرے کہ جن طاقتوں کے وسیلے میرا کام انجام پائے گا وُہ میرے قبضے میں ہیں تو اُسی وقت کچھ عرصہ کے لئے کُنج تنہائی اختیار کرے تاکہ ایک مرتبہ پھر اپنے سارے کام پر نظر ڈالے۔ اُس نے سُست بننے کے لئے رُوح کے ہتھیاروں کو نہیں پہنا تھا بلکہ جنگ کے لئے۔ پس وُہ یردن کا کنارہ چھوڑ کر رُوح القُدس کی رہنمائی سے ایک بیابان میں داخل ہُوا اور چالیس روز تک ریگستانی وادیوں اور پہاڑوں میں گشت کرتا رہا۔ وہاں اُس کے دل میں ایسے خیالات اور ایسی تحریکیں پیدا ہُوئیں کہ وُہ اُن میں محو ہو کر اپنا کھانا پینا بھی بھُول گیا۔

ایک **روایت** سے جو بہُت پُرانی نہیں ظاہر ہوتا ہے کہ یہ آزمائش ایک پہاڑ پر واقع ہُوئی جو کہ یریحو سے بہُت دُور نہ تھا اور جو اس سبب سے کہ مسیح وہاں چالیس دن تک روزے کی حالت میں رہا **قوار نٹے نیا** کہلاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ پہاڑ سبزے کے ہرے ہرے لباس سے بالکل محرُوم اور ایک خشک جنگل میں عُریاں کھڑا بحیرہ مُردار کے پانی کو جس میں کوئی جاندار مخلُوق زندہ نہیں رہتا دیکھ رہا ہے۔ یہ جگہ اُس پہاڑ سے کیسی مختلف تھی جہاں مسیح نے مُبارکبادیاں اپنی زبان مُبارک سے فرمائیں۔ وُہ پہاڑ اچھے اچھے درختوں کے سبب سے بہُت خوش نما تھا اور اُس کے پاس جھیل گنسرت کا پانی بلور کی طرح چمک رہا تھا۔ جس پہاڑ پر مسیح آزمایا گیا بے درخت ہونے اور بے رونقی کے سبب سے بدرُوحوں کے لئے ایک موزُوں مسکن معلوم ہوتا ہے پر یاد

رہے کہ یہ ایک روایت ہی ہے۔

واضح ہو کہ یہ آزمائش ایک حقیقی واقعہ ہے اگرچہ یہ بتانا بہت مشکل ہے کہ آیا یہ آزمائش خارج میں واقع ہوئی یا صرف اُس کا خیال ہی مسیح کے دل میں پیدا ہوا اور وہ اُس پر غالب آیا۔ ہم صرف اتنا کہنا چاہتے ہیں کہ جنہوں نے ان آزمائشوں کو رقم کیا ہے اُنہوں نے اُن کا حال یا تو خود مسیح سے سُنا ہوگا یا اُن سے جنہیں مسیح نے بتایا۔ ہمارے خُداوند نے اس عجیب تجربہ کا حال ایسی صُورت میں بیان کیا ہوگا جس سے اُس کا اصل مطلب بہت اچھی طرح سے واضح ہو گیا ہوگا اور جس سے سُننے والوں کو نہایت مُفید سبق ملا ہوگا۔ پس جس بات کا سمجھنا ہمارے لئے ضروری ہے وہ یہ ہے کہ مسیح کی آزمائش بڑی پُرزور اور شخصی اور حقیقی قسم کی تھی۔

چالیس دن کی فاقہ کشی نے خُداوند مسیح کے بدن پر بڑا اثر کیا ہوگا، کیونکہ وُہ اس قسم کی فاقہ کشی کا خوگر نہ تھا۔ وہ اس دُنیا میں اس لئے نہیں آیا تھا کہ تنہائی کے گوشے میں گھُسا رہے یا وہ اس لئے آیا تھا کہ اس دُنیا میں بنی آدم سے ملے اور جس طرح آدمی آدمی سے ملتا جُلتا ہے ویسا ہی ہر ایک سے راہ و ربط رکھے۔ اُس نے کبھی روزہ کے متعلق بھی کوئی خاص حُکم نہیں دیا۔ البتہ دو جگہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر کوئی روزہ رکھنا چاہے تو بے شک رکھے کوئی ممانعت نہیں (متی ۱۶:۱۶-۱۸ و ۹:۱۹)۔ اُس کے الفاظ سے بخوبی ظاہر ہے کہ وُہ "کھاتا پیتا" آیا اور وہ کسی چیز کو حرام نہیں کہتا تھا، بلکہ ہر چیز میں اعتدال کو روا رکھتا تھا۔ وُہ اپنے دوستوں کی بے ضرر ضیافتوں میں جاتا اور بنی آدم کے جلسوں میں شامل ہوتا تھا، اسی لئے اُس کے دُشمن اُسے "کھاؤ اور شرابی" کہتے تھے۔ پس چالیس دن

کے روزے کے باوجود دُعا اور گیان دھیان میں مگن رہنے کے بھُوک بڑی شدت سے اُس پر غالب آئی ہوگی۔ اب اسی موقعہ پر آزمائش کرنیوالا بھی آن موجود ہوا۔ کیا وہ کسی بدشکل رُوح کی بدہیئت صُورت میں دکھائی دیا یا نورانی فرشتے کے چہرے کے ساتھ نمُودار ہوا؟ کیا وہ انسان کا بھیس بدل کر اُس کے سامنے آیا یا صرف دِلی خیالات کے وسیلے سے اُس کے پاس آیا؟ یہ ایسے سوالات ہیں جن کا جواب دینا جیسا کہ ہم اُوپر کہہ آئے ہیں انسان کی طاقت سے باہر ہے۔ ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ یہ واقعات خواہ کسی صُورت میں پیش آئے ہوں حقیقی واقعات تھے کیونکہ جس بیان میں یہ واقعات قلمبند ہیں اُس پر الہام کی مُہر لگی ہوئی ہے اور ہم اُس کی حقیقت پر شک نہیں لا سکتے۔ تینوں آزمائشوں میں شیطان کی بے نظیر مکاری اور آزمائشوں کی عالمگیری اور خیال کا انوکھا پن اور انسانی طبیعت کے علم کی باریک بینی ایسی ہے جو انسان کی ایجاد کے دائرے سے بالکل باہر ہے۔

لیکن پھر یہ سوال پیش آتا ہے کہ شیطان نے اُس کو اس مُتبرک عرصہ میں جبکہ وُہ روزہ رکھے ہُوئے اور الٰہی گیان دھیان میں مشغُول تھا کیوں اور کس طرح آزمایا؟

اس بات کے سمجھنے کے لئے یہ ضروری امر ہے کہ جو کچھ یہودی قوم کی نسبت تحریر ہو چکا ہے ہم اُس پر پھر غور کریں اور خصوصاً اس بات پر کہ مسیح کی آمد اور اُس کی بادشاہی کی نسبت جو اُمیدیں اُن کے دلوں میں تھیں وہ کس قسم کی تھیں؟ وُہ ایسے مسیح کی انتظاری کرتے تھے جسے اُن کے خیال کے مطابق لوگوں کو اپنی کرامات سے حیرت کا پُتلا بنانا

اور ایک عالمگیر سلطنت کی بُنیاد ڈالنا تھا اور جس کے کام کا مرکز یروشلیم کو بننا تھا۔ وُہ سوچتے تھے کہ راست بازی اور پاکیزگی اس سے بعد کے زمانہ میں ہوں گی۔ پس اُنہوں نے مسیح کی بادشاہی کے اصلی تصور کو بالکل اُلٹ دیا۔ وُہ تصور تو رُوحانی اور اخلاقی خُوبیوں کو پولیٹکل معاملات پر ترجیح دیتا تھا، مگر اِن حضرات نے اس ترتیب کو خاک میں ملا دیا۔ اب جس بات میں مسیح کی آزمائش کی گئی وُہ یہی تھی کہ اُس کام کو پُورا کرنے میں جو باپ نے اُس کے سپرد کیا تھا شیطان نے اُس کو بہکانا چاہا اور کہا کہ تُو پہلے اپنی قوم کی اُمیدوں کو تو کسی قدر پُورا کر۔ ہاں مسیح نے ضرور محسُوس کیا ہوگا کہ اگر مَیں ایسا نہ کرُوں تو میری قوم کے لوگ مایُوس ہو جائیں گے اور مُجھ سے ناراض اور بے ایمانی کے پنجہ میں گرفتار ہو کر میری پیروی چھوڑ دیں گے۔ پس اُس کی مختلف آزمائشیں اسی ایک خیال کی مختلف صُورتیں تھیں مثلاً سیری اور آسودگی کے لئے پتھروں کو روٹی بنانے کی ترغیب اس غرض سے دی گئی کہ وُہ اپنی معجزانہ قدرت کو جو اُسے عطا ہُوئی تھی ایسی اغراض کے پُورا کرنے میں صرف کرے جو اُس اعلیٰ غرض سے کہیں کمتر تھیں جس کے پُورا کرنے کے لئے وُہ قُدرت اُس کو دی گئی تھی اور یہ آزمائش اُن آزمائشوں میں جو بعد میں اُس پر حادث ہُوئیں پہلی تھی کیونکہ اس کے بعد بھیڑ کا یہ درخواست کرنا کہ ہم کو ایک نشان دکھا یا یہ کہنا کہ اگر تُو صلیب پر سے اُتر آئے تو ہم تجھ پر ایمان لائیں گے اِسی قسم کی آزمائشیں تھیں۔

یہ پہلی آزمائش جو اُس سے علاقہ رکھتی تھی یا یُوں کہیں کہ اس کا تعلق اُس حیوانی رُوح سے تھا جو انسان اور حیوان دونوں میں موجُود ہے مگر یہ آزمائش ایک کھلی صُورت میں پیش نہیں آئی بلکہ شیطان اُسے مکاری کے

بُرقع میں پیش کرتا ہے۔ شیطان دراصل مگر در پردہ یہ کہہ رہا تھا کہ اسرائیل کو بھی ایک مرتبہ بیابان میں فروتن بننا اور بھُوک کے چنگل میں گرفتار ہونا پڑا لیکن خُدا نے اُن کو اُس مَن سے جسے فرشتوں کی خوراک اور آسمانی روٹی کہنا چاہیئے، آسُودہ کیا۔ اب کیا خُدا کا بیٹا اُس جنگل میں اپنے لئے دسترخوان تیار نہ کرے۔ پس اگر تُو چاہے تو بآسانی ایسا کر سکتا ہے۔ پھر دیر کرنے سے کیا فائدہ؟ اگر ہاجرہ کے لئے جبکہ وُہ غم کے مارے بے حال ہو رہی تھی، فرشتے نے جائز سمجھا کہ اُسے ایک کُنواں دکھائے اور اگر بھُوک سے مرتے ہُوئے الیاس کے واسطے یہ مناسب سمجھا گیا کہ فرشتہ اُسے چھُو کر اُس کا کھانا اُسے دکھائے تو کیا یہ مناسب نہیں کہ خُدا کا بیٹا جو فرشتوں کی خدمتگذاری کا محتاج نہیں بھُوکا نہ مرے؟

جو جواب اُس کو ملا اُسے حکمت کی کان کہنا چاہیئے۔ ہمارے خُداوند نے اُسی سبق کی طرف جو اسرائیل کو بیابان میں بھُوک کے وسیلے سے سکھایا گیا تھا اشارہ کر کے وُہ الفاظ بیان فرمائے جو پُرانے عہدنامے میں نہایت پُرمعنی ہیں کہ "انسان صرف روٹی ہی سے جیتا نہ رہے گا بلکہ ہر بات سے جو خُدا کے مُنہ سے نکلتی ہے"۔ کیسی عُمدہ نصیحتیں ہمارے لئے اِن کلمات میں چھپی ہُوئی ہیں۔ کیا ہم اِن سے یہ نہیں سیکھتے کہ ہمارے لئے مُناسب نہیں کہ ہم نفس حیوانی کی ضرُورتوں کی پیروی کریں اور نہ یہ زیبا ہے کہ ہم اپنی زندگی اور عشرت کے لئے اپنے نفس کی طاقتوں کو بُرے طور پر استعمال کریں۔ ہم اپنے نہیں ہیں بلکہ خُداوند کے ہیں۔ پس جن چیزوں کو ہم اپنا سمجھتے ہیں ہم اُن کے

ساتھ جو چاہیں سو نہیں کر سکتے جس طرح انسان میں جسمانی مادے
سے بڑھ کر ایک رُوح موجود ہے اسی طرح مادی خواہشات سے
بڑھ کر زندگی کے افضل اصُول بھی اُس میں موجود ہیں۔ وہ جو یہ خیال
کرتا ہے کہ میں صرف روٹی سے جیوں گا اور روٹی ہی کے حاصل کرنے
میں جائز اور ناجائز کوششوں کو کام میں لاتا ہے وہ جب اُس روٹی کے
حاصل کرنے میں ناکام رہے گا تو اپنے آپ کو سخت تکلیف میں پائیگا
اور آخر کار خدا سے باغی ہو جائیگا اور چونکہ وہ الٰہی اور رُوحانی خوراک کا
جویاں نہیں ہوا، لہٰذا وہ ضرور بھوکا مرے گا، پر وہ جو یہ جانتا ہے کہ آدمی صرف
روٹی سے نہیں جیتا وہ شکم پُوری کی خاطر اُن برکتوں کو جن کے سبب سے
زندگی پیاری معلوم ہوتی ہے ہرگز نہ کھوئے گا۔ وہ اپنے فرض کو ادا کریگا
اور اپنے جسم کی محافظت خدا کے سپرد کرے گا جس نے جسم کو پیدا کیا
وہ آسمانی روٹی اور اُس پانی کی تلاش میں رہے گا جسے پی کر پھر کوئی
پیاسا نہیں ہوتا۔

ہیکل کے کنگرے پر سے اپنے تئیں گرانے کی آزمائش بھی گویا
اچنبھے دیکھنے کے شوق کو پُورا کرنے کی ایک ترغیب تھی کیونکہ لوگوں کے
درمیان مسیح کی نسبت یہ خیال مروّج تھا کہ وہ یکایک ہیکل پر سے کُود کر
لوگوں کے درمیان نمودار ہوگا۔ شیطان کی شرارت دیکھئے! پہلے تو اُس نے
اُس کے بھروسے پر حملہ کیا لیکن جب دیکھا کہ اُس کا بھروسہ مضبوط ہے اور
وہ نفسانی خواہشوں کے پھندے میں گرفتار نہیں ہو سکتا تو یہ دُوسری پیش
کرتا ہے جس میں نفسانی خواہش کی ترغیب مُطلق نہیں پائی جاتی۔ اس
میں رُوحانی فخر یا شیخی کو اُکساتا ہے گویا یہ کہتا ہے کہ تُو خدا پر کامل بھروسہ

رکھتا ہے۔ اگر سچ مُچ تیرا بھروسا کامل ہے تو ہیکل کے کنگرے پر سے
گر کر اس کا ثبوت دے۔ اگر تیرا بھروسا بے نقص ہے تو اُس وعدہ کو
جو تیرے حق میں کیا گیا ہے برحق سمجھے گا اور اُس کے مطابق عمل
کر کے دکھائے گا۔ پھر دیکھئے چونکہ مسیح نے پہلی آزمائش کا جواب کلامِ الٰہی
سے دیا تھا، اسی لئے اِس دُوسری آزمائش میں وہ بھی کلام کے
ذریعہ سے اُس پر حملہ کرتا ہے۔ تیسری آزمائش جو سب سے بڑی تھی
یہ تھی کہ شیطان کو سجدہ کر کے تمام دُنیا کی بادشاہتوں پر قابض ہو۔ اس
آزمائش کا یہ مطلب تھا کہ وہ اُس عالمگیر تصور کا جو مسیح کی بادشاہی کے
متعلق یہودیوں کے درمیان مروّج تھا پابند ہو اور وہ یہ تھا کہ وہ کہتے
تھے کہ اُس کی بادشاہی سراسر دُنیاوی طاقت کا اظہار ہوگی۔ یہ آزمائش
وُہی آزمائش ہے جو خدا کے ہر خادم کے سامنے اُس وقت آتی ہے جبکہ
وہ یہ دیکھ کر اپنے دل میں کُڑھتا ہے کہ نیکی دُنیا میں بہت کم ترقی کر رہی
ہے۔ اس آزمائش میں خدا کے نیک اور سرگرم بندے بھی کبھی کبھی گرفتار ہو
جاتے ہیں یعنی وہ باطن سے نہیں بلکہ خارج سے اپنا کام شروع کرنا چاہتے
ہیں یا یُوں کہیں کہ وہ مذہبی رسُوم کے خارجی چھلکے کو پہلے پیدا کرنا چاہتے
ہیں اور پھر اُس میں حقیقت کا مغز بھرنے کی خواہش رکھتے ہیں۔
یہی وہ آزمائش تھی جس میں حضرت محمد صاحب گرفتار ہوئے اور انہوں
نے پہلے تلوار سے لوگوں کو مطیع کیا تاکہ بعد میں اُنہیں دیندار بنائیں۔
یہی وہ آزمائش ہے جس میں فرقہ جیرا واسٹ گرفتار ہے جو پہلے
غیر قوموں کو بپتسمہ دیتے اور پھر اُن کو انجیل سُناتے ہیں۔

ہم کو ایک قسم کی دہشت دامن گیر ہوتی ہے جب ہم اس بات

پر غور کرتے ہیں کہ کیا اس قسم کے ادنٰے اور نالائق خیالات مسیح کی پاک اور مقدس رُوح پر سے بھی گُذر سکتے تھے؟ کیا شیطان اُس کو یہ ترغیب دے سکتا تھا کہ تو خدا پر بھروسا رکھنا چھوڑ دے اور مجھے سجدہ کر؟

اس میں شک نہیں کہ یہ آزمائشیں اُسی طرح کمزور اور بیکار ہو کر لوٹ گئیں جس طرح سمندر کی موجیں سنگین چٹان سے ٹکر کھا کر واپس چلی جاتی ہیں اور ہم یہ بھی نہ سمجھ لیں کہ اس قسم کی آزمائشیں اس وقت سے پہلے بھی بارہا ناصرت کی وادی میں اور پھر کئی دفعہ اُس کی زندگی کے نازک وقتوں میں اُس کے سامنے آئیں مگر ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کہ آزمایا جانا گناہ نہیں بلکہ آزمائش میں گرفتار ہو کر گِر جانا گناہ ہے اور یہ خیال بالکل صحیح ہے کہ جس قدر کوئی شخص زیادہ کاملیت کے ساتھ پاک ہوتا ہے اُسی قدر آزمائش کے درد کو زیادہ محسوس کرتا ہے۔ اب اگرچہ شیطان نے اُس پر فقط تھوڑے عرصے کے لیئے حملہ کرنا چھوڑا تو بھی ہم اس جنگ کو فیصلہ کن سمجھیں کیونکہ اُس نے اس موقع پر شکست فاش کھائی اور اُس کی طاقت مغلوب ہو گئی۔ انگلستان کے مشہور شاعر ملٹن نے اس موقع پر اپنی کتاب "پیرے ڈائز ری گینڈ" کو ختم کر کے مسیح کی کامل فتح کو خوب ظاہر کیا ہے۔ اب مسیح اپنے کام کی تجویز پر سوچتا ہوا بیابان سے واپس آیا۔ اُس نے تو پہلے ہی سے اپنی تجویز سوچ رکھی تھی مگر اس وقت آزمائش کی آنچ کھا کر وہ اور بھی مضبوط ہو گئی اُس کی زندگی میں اور کوئی بات اتنی اُبھری ہُوئی نظر نہیں آتی جتنی یہ کہ اُس نے بڑی مستقل مزاجی سے اپنی تجویز کو پورا کیا۔ جن لوگوں نے بڑے بڑے کام کئے ہیں اُن کی نسبت دیکھا جاتا ہے کہ اُن میں کئی ایسے گذرے ہیں جو اپنے کام کے

متعلق کوئی خاص تجویز مدِ نظر رکھتے تھے بلکہ اُنہوں نے رفتہ رفتہ خاص خاص حالات کے پیدا ہونے پر اُس راستہ کو دیکھا جس پر اُنہیں قدم مارنا تھا اور اُن کے ارادوں میں نئے نئے واقعات اور دیگر اشخاص کے صلاح و مشورے نے نئی تبدیلیاں پیدا کیں لیکن مسیح نے اپنا کام اپنی تجویز کو مکمل کر کے شروع کیا اور آخر تک ایک مرتبہ بھی سرِ مو اُس تجویز سے اِدھر اُدھر نہ ہوا۔ جس طرح وہ اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں اُس پر قائم رہا، اُسی طرح اپنی ماں اور شاگردوں کی دست اندازی کے وقت بھی اُس پر جما رہا اور وہ تجویز یہ تھی کہ وہ خدا کی بادشاہی کو لوگوں کے دِلوں میں قائم کرے اور اُس کے انجام دینے میں پولیٹکل اور میٹریل طاقت کو استعمال نہ کرے بلکہ محبت کی قدرت اور صداقت کی طاقت کو کام میں لائے۔

پانچواں باب

اُس کے کام کے حصّے

ہمارے خداوند کا کام قریباً تین برس کے عرصے میں ختم ہوا اور اُن میں سے ہر ایک سال اپنی اپنی خصوصیتیں رکھتا ہے مثلاً پہلے سال اُس کو بہت شہرت حاصل نہ ہوئی اور چونکہ اس سال کے حالات مفصّل قلمبند نہیں اور نیز وہ اس سال کے اندر رفتہ رفتہ لوگوں کے

سامنے آیا، لہٰذا ان دونوں باتوں کی وجہ سے ہم اس سال کو گمنامی کا سال کہیں گے۔ اِس سال کا زیادہ حصّہ یہودیہ میں صرف ہُوا۔ دُوسرے سال کو قبولِ عام کا سال کہہ سکتے ہیں۔ اِس سال کے اندر اُس کی شہرت تمام مُلک میں پھیل گئی اور وُہ شب و روز اپنے کام میں معروف رہا، یہاں تک کہ سب چھوٹے بڑے اُس کے نام سے واقف ہو گئے۔ یہ سال گلیل میں صرف ہُوا۔ تیسرے سال کو ہم مُخالفت کا سال کہہ سکتے ہیں۔ اس سال کے دَور میں عوام کی مہر و محبّت کا فوُر ہو گئی اور اُس کے دُشمن بڑے زور سے اُس پر حملہ کرنے لگے۔ حتیٰ کہ اُسے جان سے مار ڈالا۔ اِس آخری سال کے پہلے چھ مہینے گلیل میں صرف ہُوئے اور باقی چھ مہینے مُلک کے دیگر حِصّوں میں کٹے۔

جب ہم اِس تقسیم پر غور کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے خداوند کی زندگی اپنی ظاہری شکل کے اعتبار سے بڑے بڑے مُصلحوں اور خیر خواہانِ بنی آدم کی زندگی سے بہُت مُشابہت رکھتی تھی۔ عموماً اِس قسم کی زندگی ایسے وقت سے شروع ہوتی ہے جبکہ مُصلح رفتہ رفتہ لوگوں کی توجّہ کو اپنی طرف مائل کرنے لگتا ہے اور پھر ایسا زمانہ آتا ہے کہ اُس کی تعلیم اور اصلاح شہرت کے وسیلہ سے مُلک کے ہر کونے اور ہر گوشے میں پہنچ جاتی ہے اور آخرکار وُہ دِن آتے ہیں جبکہ لوگوں کے تعصّبات جن پر اُس نے حملہ کیا تھا از سرِ نو صف آرا ہوتے اور عوام کے جذبات کی تازہ جمعیّت سے مسلّح ہو کر اُس پر ایسا حملہ کرتے ہیں کہ اپنی نفرت کی دُھن میں اُسے چکنا چُور کر ڈالتے ہیں ؛

گمنامی کا سال

اس سال کی نسبت جو تحریری حالات ہم تک پہنچے ہیں وُہ بہُت ہی نامکمل ہیں مثلاً اُن میں صرف دو یا تین واقعات کا ذکر پایا جاتا ہے اور اِس جگہ اُن کا بیان انسب معلوم ہوتا ہے کیونکہ وُہ مسیح کے آئندہ کام کی گویا ایک فہرست ہے۔

جب مسیح اپنی آزمائش کے چالیس دِن پُورے کر کے اور اپنے کام کی اُس تجویز کو جو آزمائش کے وسیلے سے زیادہ مضبُوط ہو گئی تھی، اور اُس تحریک کو جو بپتسمہ کے وقت سے اب تک اُس کے سینہ میں جوش زن تھی اپنے ساتھ لے کر بیابان سے واپس آیا تو ایک مرتبہ پھر یردن کے کنارے پر نمُودار ہُوا اور یُوحنّا نے گواہی دی کہ یہی وُہ میرا جانشین ہے جس کی بابت مَیں بار بار لوگوں کو خبر دے چُکا ہُوں۔ یُوحنّا نے اپنے کئی عُمدہ شاگردوں سے اُس کی مُلاقات کروائی اور اُنہوں نے اُسی وقت سے اُس کی پیروی اختیار کی۔ اغلب ہے کہ اُس کے شاگردوں میں سے جو شخص سب سے پہلے مسیح سے دوچار ہُوا، وُہ یُوحنّا تھا جو بعد میں مسیح کا سب سے پیارا شاگرد نکلا اور جس نے اُس کی زندگی اور سیرت کی الٰہی تصویر دُنیا کے حوالے کی۔ یُوحنّا ہی نے اس پہلی مُلاقات اور مکالمے کا بیان قلمبند کیا ہے اور جو اثر مسیح کی عظمت اور پاکیزگی نے اُس کے تاثیر پذیر دل پر ڈالا وُہ اب تک تازگی کے ساتھ اِس بیان سے مُترشح ہے۔ دُوسرے نوجوان جنہوں نے اسی وقت اُس کی

پیروی اختیار کی، اندریاس، پطرس، فیلبوس اور نتھانی ایل تھے۔ یہ
سب نوجوان یوحنا بپتسمہ دینے والے کے وسیلے سے اس نئے اُستاد
کے نقشِ قدم پر چلنے کے لئے تیار کئے گئے اور گو انہوں نے اس موقعہ
پر اپنے کام کاج کو ترک کر کے اُس کی ایسی پیروی اختیار نہ کی جیسے کہ
کچھ دن بعد کی تو بھی اس پہلی ملاقات میں ایسی تاثیریں اُن پر طاری ہوئیں جو
اُن کی بعد کی زندگی کے لئے نئے سانچے کا کام کر گئیں۔ یہ تو ہمیں معلوم
نہیں کہ آیا بپتسمہ دینے والے کے تمام شاگرد یکبارگی مسیح کے پیرو بن گئے
لیکن ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جو سب سے اچھے تھے وہ ایک دم اُس
کے پیچھے ہو لئے۔ بعض مُفسدوں نے بپتسمہ دینے والے کے دل
میں بھی آتشِ حسد بھڑکانی چاہی۔ چنانچہ اُس سے کہا کہ ایک اور
شخص تیری عزت اور مقدرت کی متاع کو لُوٹ رہا ہے لیکن وہ
اس بزرگ آدمی کی خاصیت کو بخوبی نہیں سمجھتے تھے۔ اُس کی
اعلیٰ درجہ کی فروتنی ہی اُس کی اعلےٰ درجہ کی بزرگی تھی۔ سو اُس نے
اُن کو جواب دیا کہ میری خوشی یہی ہے کہ میں گھٹوں اور وہ بڑھے
اور بتایا کہ مسیح ہی وہ دُلہا ہے جو دُلہن کو اپنے ساتھ بہشت میں
لے جائے گا۔ میں تو فقط دُلہا کا دوست ہوں اور میری خوشی اسی
میں ہے کہ میں شاہانہ ضیافت کی خوشی کا تاج اُسی کے سر پر سجا ہوا دیکھوں۔
اب یسوع اپنے ان نئے پیروؤں کو ساتھ لے کر اور اُس جگہ کو چھوڑ
کر جہاں یوحنا کام کرتا تھا شمال کی جانب قانائے گلیل کو روانہ ہوا
جہاں ایک شادی کی تقریب پر اُسے جانا تھا کیونکہ وہاں جانے
کے لئے اُسے دعوت دی گئی تھی۔ وہاں اُس نے پانی کو مے بنا کر اُس

مُعجزے کی قوت کو ظاہر کیا جو اُسے دی گئی تھی۔ یہ معجزہ گویا اُس کے
جلال کا اظہار تھا جو بالخصوص اُس کے شاگردوں کے لئے جلوہ نما ہُوا
اور ہم پڑھتے ہیں کہ وہ اس وقت سے اُس پر ایمان لائے جس کا
یہ مطلب ہے کہ اُنہوں نے اب پُورے طور پر مان لیا ہے کہ یہی مسیح
ہے۔ علاوہ بریں اس معجزہ کا یہ بھی مقصد تھا کہ وہ اُس کے وسیلے
سے اپنی خدمت کا اصل مطلب ظاہر کرے اور دکھائے کہ اُس
کا کام یوحنا بپتسمہ دینے والے کے کام سے بالکل مختلف ہے۔ یوحنا
ایک گوشہ نشین اور صاحبِ ریاضت شخص تھا جو بنی آدم کی رہائش گاہوں
اور مسکنوں سے قطع تعلق کر کے صحرا نشینی پسند کرتا تھا اور ہم دیکھتے ہیں
کہ صحرا ہی میں اُس نے اپنے سامعین کو جمع کیا لیکن مسیح کا یہ کام تھا کہ
وہ لوگوں کے گھروں میں خوشی کی خبر لائے۔ ہاں اُسے اُن کے عام کاروبار
میں اُن کے شاملِ حال ہو کر اُن کے حالات کو خوشحالی کے نئے قالب
میں ڈھالنا تھا اور یہ تبدیلی گویا ایسی تھی جیسی کہ مے بنانے کی
تبدیلی ہوتی ہے۔

اس معجزے کے بعد وہ عیدِ فسح میں شامل ہونے کے بعد
یہودیہ کو واپس آیا اور یہاں پہنچ کر ایک اور بھی زیادہ پُر تاثیر ثبوت
اس بشاشت اور پُر جوش طبیعت کا دیا جو اُن دنوں اُسے حاصل تھی یعنی
ہیکل سے صرافوں اور بھیڑ بکری وغیرہ بیچنے والوں کو جنہوں نے اُس کے
صحن میں تجارت جاری کر رکھی تھی نکال کر اُسے پاک صاف کیا۔ ان لوگوں
کو اس ناجائز تجارت کی اجازت اس لئے دی گئی تھی کہ اجنبیوں
کی ضرورتیں رفع کی جائیں یعنی یہ سوداگر مسافروں کے پاس ایسے

ذبیحوں کو فروخت کریں جو وُہ غیر مُلکوں سے اپنے ساتھ نہیں لا سکتے تھے اُور نیز اُن کو غیر ملکوں کے سِکّوں کے تبادلہ میں وُہ یہودی سکّے دیں جن میں اُنہیں ہیکل کے نذرانے ادا کرنے پڑتے تھے لیکن جو کام بظاہر نیک صُورت سے شرُوع کیا گیا تھا وُہ آخرکار عبادت میں ایک سخت رخنہ اندازی کا باعث اُور نو مُریدوں کو اُس جگہ سے نکالنے کا مُوجب ہُوا جو خُدا نے اُنہیں اپنے گھر میں عطا کی تھی۔

یسُوع نے اِس شرمناک حالت کو اپنے یروشلم میں آنے کے موقع پر غالباً کئی بار غیرت کی نظر سے دیکھا ہوگا مگر اب جبکہ وُہ بپتسمہ پاکر نبیوں کی سی سرگرمی اُور جوش سے معمور ہو رہا تھا اُس نے علانیہ رواج پر حملہ کیا اُور اس وقت بھی کُچھ کُچھ وُہی شاہانہ دبدبہ اُور الٰہی پاکیزگی اُس کے چہرے سے عیاں ہُوئی ہوگی جو اُس وقت نمُودار ہُوئی تھی جبکہ وُہ یُوحنّا سے بپتسمہ کا ملتجی ہُوا اُور وُہ اُس کی صُورت کو دیکھ کر بالکل حیران سا رہ گیا تھا۔ اس دبدبہ کے سبب سے اُس ناہنجار گروہ میں سے کسی نے اُس کے برخلاف چُوں تک نہ کی اُور دیکھنے والوں نے اُس کی صُورت میں اُن قدیم نبیوں کے آثار دیکھے جن کے سامنے کیا بادشاہ اُور کیا غریب سب دم بخُود ہو جاتے تھے۔ اُس کا یہ فعل گویا اُس کے مُصلحانہ کام کا آغاز تھا جس کا بیڑا اُس نے اُن دینی خرابیوں کی اصلاح کے لئے اُٹھایا تھا جو اس وقت مرّوج تھیں۔

اس عید کے موقع پر اُس نے کئی مُعجزے دکھائے جن سے اُن اجنبیوں کے درمیان جو مختلف مُلکوں سے اس شہر میں جمع ہو رہے تھے اُس کا چرچا پھیلا دیا ہوگا۔ ایک نتیجہ یہ بھی ہُوا کہ اُس کے پاس

ایک رات کو وُہ عزّت دار اُور فکر کا شکار متلاشی آیا جس کے رُوبرو اُس نے نئی بادشاہی کی خاصیت اُور اُس میں داخل ہونے کی شرائط پر وُہ تقریر کی جو یُوحنّا کی انجیل کے تیسرے باب میں مرقُوم ہے۔ قوم کے سرداروں میں سے ایک سردار کا کمال فروتنی کی رُوح سے اُس کے پاس آنا گویا اُس کی کامیابی کا ایک پُر اُمید نشان تھا لیکن نیکودیمس ہی فقط اُس زُمرے میں سے تھا جس پر مسیح کی قُدرت کے ابتدائی اظہار نے دارالخلافہ میں گہرا اثر پیدا کیا۔

اس جگہ تک تو ہم مسیح کے کام کے شرُوع کا کسی قدر مفصّل حال پاتے ہیں لیکن اس کے بعد اُس کے کام کے پہلے سال کا مُفصّل بیان یک بیک قطع ہو جاتا ہے اُور آئندہ آٹھ ماہ کی نسبت صرف اتنا پتہ ملتا ہے کہ وُہ یہُودیہ میں بپتسمہ دیتا تھا۔ ”اگرچہ یسُوع آپ نہیں بلکہ اُس کے شاگرد بپتسمہ دیتے تھے“ اُور یہ کہ وُہ یُوحنّا کی نسبت زیادہ لوگوں کو بپتسمہ دیتا اُور شاگرد بناتا تھا۔ اس کے ساتھ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جو کُچھ ہمیں اس سال کی نسبت معلُوم ہے وُہ صرف چوتھی انجیل سے معلُوم ہُوا ہے، پہلی تین انجیلیں بالکل اس سال کے حالات کو بیان نہیں کرتیں۔ وُہ گلیل کے کام سے شرُوع ہوتی ہیں۔ البتّہ اُن سے اتنا اشارہ ملتا ہے کہ گلیل میں کام کرنے سے پہلے یہُودیہ میں بھی اُس نے کام کیا تھا۔ اب یہ سوال پیش آتا ہے کہ یہ خاموشی کیوں اختیار کی گئی اُور اس سال کے مفصّل حالات کیوں درج نہیں کیئے گئے؟ اس کا جواب دینا ذرا مُشکل کام ہے لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ یُوحنّا جو یہاں تک واقعات کو بالتفصیل بیان کرتا آیا ہے اِن آٹھ

ماہ کے واقعات سے ناواقف نہ تھا، لہٰذا اُس کی خاموشی کا کوئی اور ہی سبب ہوگا۔ مگر وُہ کونسا سبب ہے؟ شاید ہم اس مشکل کا حل کسی قدر یُوحنا کے اُس اشارہ میں پاتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ عرصہ کے لئے مسیح نے یُوحنا بپتسمہ دینے والے کا کام اختیار کیا یعنی وُہ اپنے شاگردوں کے وسیلے سے بپتسمہ دیتا اور یُوحنا سے بھی زیادہ شاگرد بناتا رہا۔ اب کیا اِس کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ اُس نے یہ جان کر کہ عید فسح کے موقع پر میرے اظہارات نے جو اثر پیدا کیا، اُس سے عیاں ہے کہ میری قوم ابھی مجھ کو مسیح سمجھ کر قبول کرنے کو تیار نہیں؟ پس انسب ہے کہ جو کام توبہ اور بپتسمہ کے وسیلے سے اس قوم کو تیار کرنے کے لئے کیا جاتا ہے وُہ ابھی جاری رہے؟ پس اس بات کو اپنے دِل میں جگہ دے کر اُس نے ایک مدّت کے لئے اپنی اعلیٰ ذات اور عُہدہ کو چھپایا اور یُوحنا بپتسمہ دینے والے کا ہم خدمت بننا مناسب سمجھا۔

پہلی تین انجیلوں میں جو خاموشی اس عرصہ کے متعلّق پائی جاتی ہے اور نیز اِس بات کے متعلّق کہ وُہ اس کے بعد مسیح کے یروشلیم آنے کا حال بھی رقم نہیں کرتیں اس کی یہ شرح پیش کی جاتی ہے کہ مسیح پہلے یہُودی قوم کے پاس آیا جس کے با اختیار پیشوا یروشلیم میں موجود تھے اور وُہ وہی مسیح تھا جس کا وعدہ اُن کے باپ دادوں سے کیا گیا تھا اور جس میں اُن کی تاریخ اپنے کمال کو پہنچنے والی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ اُس کا کام تمام دُنیا میں پھیلنے کو تھا مگر ضرور تھا کہ وُہ اُسے یہُودیوں سے شروع کرے لیکن اس قوم نے اپنے سرداروں کے وسیلے سے اُسے رَدّ کر

دیا۔ لہٰذا وُہ مجبور ہُوا کہ اپنی جماعت کسی اور مرکز پہ جمع کرے اور چُونکہ یہ نکتہ اُس وقت جبکہ اناجیل تحریر ہُوئیں بخوبی صاف ہو گیا تھا پس پہلے تین حواریوں نے اُس کام کو نظر انداز کر دیا جو قوم کے دار الخلافہ اور دیگر بڑی بڑی جگہوں میں کیا گیا تھا کیونکہ اُس سے کوئی بڑے نتائج پیدا نہیں ہُوئے تھے اور اپنی توجہ اُس زمانہ پہ لگائی جبکہ اُس نے ایمانداروں کی جماعت کو فراہم کیا تاکہ اپنی کلیسیا کی بُنیاد ڈالے۔ یہ خیال صحیح ہو یا نہ ہو لیکن ایک بات میں شک نہیں اور وُہ یہ ہے کہ مسیح کے پہلے ہی سال کے کام کے آخر میں یہُودیہ اور یروشلیم پر اُس خوفناک واقعہ کا سایہ پڑ گیا جو کچھ عرصہ کے بعد وجُود میں آنے والا تھا یا یُوں کہیں کہ اُس بدترین قومی جُرم کا سایہ پڑ گیا جس کی مانند دُنیا میں اور کوئی قبیح جُرم سرزد نہیں ہُوا اور وُہ جُرم یہ تھا کہ یہُودیوں نے اپنے مسیح کو رَدّ کیا اور صلیب پر چڑھایا۔

چھٹا باب

دُوسرا سال۔ قبُولِ عام

ہمارے خُداوند نے جنُوبی اطراف یعنی (یہُودیہ) میں سال بھر کام کرنے کے بعد پھر شمال کا رُخ کیا۔ کیونکہ گلیل کے رہنے والوں میں نہ تو وُہ تعصبات پائے جاتے تھے جو باشندگانِ یہُودیہ میں تھے،

اور نہ اُن میں وہ بے جا فخر موجود تھا جو یہودیہ کے رہنے والوں میں پایا جاتا تھا۔ لہٰذا اُس کو یہ اُمید تھی کہ میں گلیل میں ایسے لوگوں سے دوچار ہوں گا جو اُن عیوب سے پاک ہیں۔ علاوہ بریں اُس نے یہ بھی سوچا ہوگا کہ گو گلیل اُس جگہ سے جو قوم کے پیشواؤں کا مرکز ہے بہت دور ہے تو بھی اگر میری تعلیم اور میرے نمونہ کی تاثیر مُلک کے ایک حصہ میں بخوبی جڑ پکڑ گئی تو مَیں قومی امداد پر تکیہ کرکے جنوب کی طرف پھر جاؤں گا اور ہر طرح کے تعصب کو بیخ و بُن سے اُڑا دوں گا۔

گلیل۔ صُوبہ گلیل جس میں آئندہ اٹھارہ ماہ تک ہمارے خداوند نے کام کیا ایک چھوٹا سا علاقہ تھا بلکہ یہ کہنا درست ہے کہ تمام فلسطین ایک چھوٹا سا مُلک تھا۔ چنانچہ اُس کا طول سکاٹ لینڈ کے طول سے قریباً سو میل کم تھا اور اسی طرح اُس کا عرض بھی سکاٹ لینڈ کے عام عرض سے بہت تھوڑا تھا۔ ہماری رائے میں اس بات سے واقف ہونا بہت ضروری امر ہے کیونکہ اس سے اُس تیزی کا حال بخوبی کُھل جاتا جس سے وہ تمام مُلک کا دورہ کیا کرتا تھا اور ہر جگہ کے لوگ اُس کا کلام سُننے کے لئے اُس کے پاس جمع ہو جایا کرتے تھے۔ اس موقع پر یہ بتانا بھی خالی از فائدہ نہیں کہ جن لوگوں نے تہذیب کو ترقی دی ہے وہ اپنی حقیقی عظمت کے ایام میں چھوٹی چھوٹی جگہوں سے وابستہ تھے مثلاً رُوم ایک اکیلا شہر اور یونان ایک چھوٹا سا مُلک تھا۔

مُلک فلسطین چار حصّوں میں مُنقسم اور اُن میں سے گلیل سب سے شمال میں واقع تھا۔ یہ صُوبہ ساٹھ میل لمبا اور تیس میل چوڑا تھا۔

اُس کی زمین بیشتر مرتفع تھی اور بے ترتیب پہاڑوں کی مداخلت سے کہیں اُونچی اور کہیں نیچی تھی۔ مشرقی سرحد پر ایک نشیب واقع تھا جس کے بیچ میں سے دریائے یردن گزرتا تھا اور جس کے وسط میں جھیل گلیل بحیرہ اعظم کی سطح سے قریباً ۵۰۰ فٹ نیچے بربط کی طرح واقع تھی۔ تمام مُلک زرخیزی اور زرریزی سے مالا مال تھا۔ جا بجا دیہات اور شہر آباد تھے۔ وسعت کے مقابلے میں آبادی بہت زیادہ تھی۔ جھیل کے کنارے پر ہر قسم کے کاروبار کا بازار گرم تھا۔ یہ جھیل تیرہ میل لمبی اور چھ میل چوڑی تھی۔ اس کے مشرقی ساحل کے گرد ایک سبز قطعہ ½ میل وسیع اس طرح واقع تھا کہ گویا چاندی کی چادر پر سبز مخمل کی مغزی لگی ہے۔ اس کی دوسری جانب بڑے بڑے پہاڑ کھڑے تھے جن کی سطح پر سبزے اور گھاس کا نام و نشان نہ تھا بلکہ جا بجا وہ نالیاں جو ندی نالوں کے بہاؤ سے پیدا ہو گئی تھیں دکھائی دیتی تھیں مگر مغربی ساحل کے نزدیک یہ پہاڑ کسی قدر ہموار ہو گئے تھے لہٰذا جا بجا کاشت اور سبزے سے ملبّس دکھائی دیتے تھے۔ کھیتوں سے ہر طرح کا اناج پیدا ہوتا تھا اور جھیل کا کنارہ جو دامنِ کوہ سے لگا ہُوا تھا زیتون اور نارنگی اور انجیر کے خوبصورت درختوں سے پُر بہار تھا۔ شمالی سرحد کا نقشہ کچھ اور ہی تھا۔ وہاں جھیل اور پہاڑوں کے درمیان جو جگہ واقع تھی وہ دریا کے ڈیلٹا ∆ کے سبب سے ایک وسیع میدان کی شکل رکھتی تھی اور اُن ندی نالوں سے سیراب ہوتی تھی جو پہاڑوں سے نکلتے تھے۔ یہ جگہ گنیسرت کا میدان کہلاتی تھی اور اپنی خوش نمائی اور زرخیزی کے باعث باغِ ارم کا مقابلہ

کرتی تھی۔ اب بھی جبکہ جھیل کے طاس کا باقی حصّہ ویرانہ سا پڑا ہے جہاں کہیں اہلِ زراعت کا ہاتھ پہنچتا ہے وہاں یہ جگہ خوبصورت کھیتوں سے لہلہاتی ہے اور جہاں زراعت نہیں ہوتی وہاں خاردار جھاڑیوں کے جنگل کھڑے ہیں۔ ہمارے خُداوند کے زمانہ میں کفرنحوم۔ بیت صیدا اور قرازین بڑے بڑے شہر آباد تھے مگر چھوٹے چھوٹے شہروں اور گاؤں سے جھیل کا ساحل بھرا پڑا تھا اور بے شمار لوگ اس جگہ ہر وقت موجود رہتے تھے۔ کھانے پینے کی چیزیں کثرت سے دستیاب ہوتی تھیں۔ کھیتوں اور باغوں سے ہر طرح کا اناج اور پھل برآمد ہوتا تھا۔ جھیل میں اس قدر مچھلیاں پائی جاتی تھیں کہ ہزارہا ماہی گیر انہیں سے روزی کماتے تھے اور علاوہ بریں وہ راستے جو مصر اور دمشق، فنیکی اور فرات کے درمیان واقع تھے وہ بھی اسی جگہ سے گزرتے تھے اور اُن کے سبب سے یہ جگہ تجارت کی منڈی بن گئی تھی۔ جھیل کی سطح پر ہزاروں کشتیاں دکھائی دیتی تھیں۔ کبھی ماہی گیری کی غرض سے اور کبھی مال اسباب کو ایک جگہ سے دُوسری جگہ پہنچانے کے لئے اور کبھی تفریحِ طبع کے واسطے استعمال کی جاتی تھیں غرضیکہ یہ علاقہ کام اور رونق کے اعتبار سے زندگی اور اقبالمندی کا مرکز تھا۔

جو معجزات ہمارے خُداوند نے یروشلیم میں دکھائے اُن کی خبر اُن لوگوں کے وسیلے سے جو عید سے واپس آگئے گلیل میں پہنچ گئی تھی اور اغلب ہے کہ اُس کی شادی اور بپتسمہ کا چرچا بھی اُس کے وارد ہونے سے پہلے گلیل میں شروع ہو گیا تھا۔ پہلے پہل تو وہ ناصرت کی طرف روانہ ہُوا جہاں اُس نے پرورش پائی تھی اور وہاں سبت کے روز عبادت خانہ

میں داخل ہُوا۔ وہاں اُس سے درخواست کی گئی کہ کلامِ الٰہی پڑھے اور حاضرین کو پند و نصیحت سے بہرہ ور فرمائے کیونکہ اُس کی مُنادی کی شہرت بھی جا بجا پھیل گئی تھی۔ اِس موقع پر مسیح نے یسعیاہ نبی کی کتاب سے ایک جگہ جس میں مسیح کی آمد اور کام کا بہُت عُمدہ بیان پایا جاتا ہے پڑھ کر سُنائی: "خُداوند کی رُوح مُجھ پر ہے اس لئے کہ اُس نے مُجھے غریبوں کو خوشخبری دینے کے لئے مسح کیا۔ اُس نے مُجھے بھیجا ہے کہ قیدیوں کو رہائی اور اندھوں کو بینائی پانے کی خبر سناؤں۔ کچلے ہُوؤں کو آزاد کرُوں اور خُداوند کے سالِ مقبُول کی مُنادی کرُوں"۔ جب اُس نے اِن آیات کا مطلب سمجھایا اور مسیح کے زمانے کی خصُوصیتوں کی تصویر کھینچنا شروع کیا یعنی جب غلاموں کی آزادی اور غریبوں کی دولتمندی اور مریضوں کی شفایابی کا راز ظاہر فرمایا تو سامعین کے دِل میں جن کے درمیان اس نوجوان واعظ نے پرورش پائی تھی یہ شوق پیدا ہُوا کہ اُس کی باتیں کان لگا کر سُنیں۔ چنانچہ کچھ مُدت کے لئے سب ہمہ تن گوش معلوم ہوتے تھے اور سب طرف سے تحسین و آفرین کی آواز بلند ہو رہی تھی۔ اُن دِنوں یہُودی عبادت خانوں میں تحسین و آفرین کے کلمات کا استعمال بیجا نہیں سمجھا جاتا تھا۔ لیکن آن کی آن میں یہ نقشہ بالکل بدل گیا اور لوگوں نے کانا پھُوسی شرُوع کی۔ کوئی کہتا تھا "کیا یہ وہی بڑھئی نہیں جو ہمارے یہاں کام کیا کرتا تھا؟" کوئی بول اُٹھا "کیا اُس کے ماں باپ اِسی جگہ کے رہنے والے نہیں"؟ کوئی پُوچھتا تھا "کیا اُس کی بہنوں کی شادی اِسی شہر میں نہیں ہُوئی؟" غرضیکہ آتشِ حسد بھڑک اُٹھی اور جب اُس نے یہ بتایا کہ جو نبوت اِس وقت پڑھی گئی ہے

وُہ تجویز میں پُوری ہُوئی تو وُہ لوگ سخت غصّے سے بھر گئے اور کہا کہ جیسے نشان تُو نے یروشلیم میں دکھائے ہیں ویسے ہی یہاں بھی دِکھا لیکن اُس نے اُنہیں جواب دیا کہ مَیں بے ایمانوں کے درمیان کوئی معجزہ نہیں دِکھا سکتا ۔ یہ سُن کر اُنہوں نے بڑے غضب کے ساتھ حملہ کیا اور اُسے عبادت خانہ سے نکال کر فوراً شہر کے پچھواڑے ایک ٹیلے پر لے گئے تاکہ وہاں سے سر کے بل گرادیں اور اگر کوئی معجزانہ طور پر غائب نہ ہوجاتا تو گراہی دیتے اور اپنی ضرب المثل شرارت پر مسیح کے قاتل ہونے کی شہرت کو اضافہ کرتے جو بعد میں یروشلیم کے حصّہ میں آئی ۔

اِس موقع کے بعد اُس نے ناصرت کو بالکل چھوڑ دیا ، البتہ ایک مرتبہ پھر پُرانے واقفوں کی محبّت کے باعث وہاں گیا مگر اُس وقت بھی کوئی تسلی بخش نتیجہ برآمد نہ ہُوا ۔ پھر اُس نے کفرنحوم میں جو بحیرۂ گلیل کے شمال مغربی ساحل پر واقع تھا ، رہنا اختیار کیا ۔ یہ شہر اب بالکل معدُوم ہوگیا ہے یہاں تک کہ یہ بھی یقینی طور پر معلوم نہیں کہ کون سی جگہ آباد تھا اور شاید یہی سبب ہے کہ ہمیں اس شہر اور مسیح کی زندگی میں ایسا ربط محسُوس نہیں ہوتا جیسا دیگر مقاموں کی بابت ہوتا ہے مثلاً بیت لحم جہاں وُہ پیدا ہُوا ۔ ناصرت جہاں اُس نے پرورش پائی اور یروشلیم جہاں وُہ مصلوب ہُوا ہماری یادداشت میں ہر وقت تازہ رہتے ہیں ، لیکن انسب ہے کہ ان جگہوں کے ساتھ ہم کفرنحوم کو بھی اپنے حافظہ میں جگہ دیں کیونکہ آئندہ اٹھارہ ماہ کے لئے (یہ عرصہ اُس کی زندگی کا ایک افضل حصّہ تھا) یہی جگہ اُس کا گھر یا مسکن تھی ۔ یہ جگہ اُس کا شہر کہلاتی تھی اور اسی کا باشندہ ہونے کے سبب اُسے جزیہ بھی

دینا پڑا ۔ کفرنحوم گلیل میں کام کرنے کے لئے ایک عمدہ مرکز تھا کیونکہ جس قدر کاروائی جھیل گلیل کے قُرب و جوار میں ہوتی تھی اُس کا مرکز یہی شہر تھا ۔ مزید برآں کفرنحوم سے صُوبہ گلیل کے دیگر حصّوں میں بآسانی جا سکتے تھے اور جو کچھ اس شہر میں سرزد ہوتا تھا اُس کی خبر بھی بہت جلد دُوسرے علاقوں میں پھیل جاتی تھی ۔

اب اُس نے کفرنحوم میں کام شروع کیا اور کئی ماہ تک یہ طریقہ اختیار کیا کہ اُس جگہ کو اپنی خاص قیام کی جگہ بنایا اور یہاں سے ہر طرف دَورہ کرنا اور گلیل کے قصبوں اور گاؤں میں مُنادی کرنا شروع کیا ۔ کبھی کبھی وُہ مغرب کی جانب مُلک کی اندرونی اطراف کو جاتا ہوگا اور کبھی اُن گاؤں کا دَورہ کرتا ہوگا جو جھیل کے کنارے پر واقع تھے اور کبھی اُس مُلک کو تشریف لے جاتا ہوگا جو مشرقی ساحل پر واقع تھا ۔ ایک کشتی ہر وقت تیار رہتی تھی تاکہ جہاں کہیں وُہ جانا چاہے بآسانی جا سکے ۔ دَورہ کرنے کے بعد کفرنحوم کو واپس آجاتا ہوگا اور وہاں کبھی ایک دِن کبھی ایک ہفتہ اور کبھی دو ہفتہ کے لئے قیام کرتا ہوگا ۔

چند ہفتوں کے عرصہ میں اُس کا نام تمام مُلک میں مشہور ہوگیا ۔ جدھر دیکھو اُدھر اُسی کا چرچا ہوتا تھا ۔ کشتیوں میں لوگ اُسی کی باتیں کرتے تھے اور گھر گھر میں اُسی کے نام کا وِرد ہوتا تھا ۔ لوگوں کے دِلوں میں عجیب قسم کی تحریک پیدا ہورہی تھی جسے دیکھو وُہی اُس کے دیدار کا مشتاق تھا ۔ ہزاروں لوگ اُس کے پاس جمع رہتے تھے اور روز بروز اُن کا شمار بڑھتا جاتا تھا ۔ جہاں کہیں وُہ جاتا تھا ، وُہ اُس کے پیچھے جاتے تھے ۔ یُوں تھوڑے سے عرصہ میں اُس کی شہرت دُور دُور تک پھیل گئی

اُور بے شمار لوگ یروشلیم، یہُودیہ اُور پیریا سے آنے لگے بلکہ ادومیہ سے بھی جوکہ جنُوب میں واقع تھا اُور اسی طرح صُور اُور صیدا سے جو شمال میں واقع تھے ہزارہا آدمی آتے تھے اُور کبھی کبھی اس کثرت سے جمع ہوتے تھے کہ جگہ چھوڑنی پڑتی تھی کیونکہ لوگ ایک دُوسرے پر گرے پڑتے تھے ایسے ایسے موقعوں پر میدانوں اُور بیابانوں میں لوگوں کو لے جانا پڑتا تھا، غرضیکہ تمام مُلک ایک سرے سے دُوسرے سرے تک حرکت میں آیا ہُوا تھا اُور گلیل میں کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں لوگ اُس کے نام سے واقف نہ تھے۔

اب یہ سوال پیش آتا ہے کہ مسیح نے کونسا طریقہ اختیار کیا جو تمام مُلک میں ایسی حرکت پیدا ہوگئی ؟ واضح ہو کہ یہ تحریک اس دعوے کا نتیجہ نہ تھی کہ یسُوع ناصری مسیح موعُود ہے۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ یہ دعوٰی تمام مُلک کو ایک سرے سے دُوسرے سرے تک عجیب جوش سے بھر سکتا تھا مگر مسیح نے ابھی اس دعوے پر بہت زور دینا شرُوع نہیں کیا تھا البتہ کبھی کبھی اشارتاً جتا دیا کرتا تھا کہ مَیں ہی وُہ مسیح موعُود ہُوں جس کی راہ تم دیکھ رہے ہو جیسا کہ اُس نے ناصرت کے عبادتخانے میں کیا۔ مگر متواتر یا پے در پے اسی دعوے کو پیش نہیں کیا کرتا تھا اُور اس کی وجہ یہ تھی کہ گلیل کے لوگ ایسے تھے جو جلد متاثر ہوکر جوش میں آ جانے والے تھے۔ علاوہ بریں وُہ مسیح کی بادشاہی کی دُنیوی شان و شوکت کے نہایت دلدادہ تھے پس اگر اُن کے سامنے یہ دعوے بار بار کیا جاتا تو ممکن ہے کہ وُہ رُومی طاقت کا مقابلہ کرنے کے لئے بغاوت پر آمادہ ہو جاتے اُور اس ناسزا حرکت کا یہ نتیجہ ہوتا کہ لوگوں کے دِل مسیح سے منحرف ہو

جاتے اُور وُہ رُومی تلوار کا شکار بن جاتا اُور اگر یہ دعوٰی یروشلیم میں کیا جاتا تو وہاں بھی یہی خطرہ تھا کہ یہُودی اُس کے برخلاف اُٹھ کر اُس کا کام تمام کر ڈالتے۔ پس ہر طرح کی خلل اندازی سے بچنے کے لئے اُس نے یہی بہتر سمجھا کہ میری ذات اُور عُہدے کی حقیقت کچھ عرصہ کے لئے مُنکشف نہ ہو اُور لوگوں کے دِل تیار کئے جائیں تاکہ جب اظہار و انکشاف کا وقت آئے تو میری بادشاہی کو جلد قبُول کر لیں مگر فی الحال یہی بہتر ہے کہ میری سیرت اُور کام کو دیکھ کر وُہ آپ ہی نتیجہ نکالیں کہ مَیں کون ہُوں۔ پس وُہ وسیلے جو اُس نے اپنے کام میں استعمال کئے اُور جن کی وجہ سے لوگ اس قدر جوش و خروش سے بھر گئے اُور اُس کی طرف راغب ہوئے وُہ ہی تھے یعنی اُس کی مُنادی اُور اُس کے مُعجزات تھے۔

مسیح کے مُعجزات۔ شاید اُور سب باتوں کی نسبت اُس کے مُعجزات نے لوگوں کو زیادہ تر اُس کی طرف راغب کیا۔ انجیل کے پڑھنے سے معلُوم ہوتا ہے کہ کفرنحُوم میں جو مُعجزہ اُس نے پہلے پہل دکھایا اُس کی خبر پھُول کی خُوشبُو کی طرح تمام شہر میں پھیل گئی اُور ہزاروں اشخاص اُس گھر پر جہاں وُہ رہتا تھا جمع ہو گئے اُور جب کبھی وُہ کوئی عجیب قسم کا مُعجزہ دکھاتا تھا تو لوگوں کا جوش اُور بھی دوبالا ہو جاتا تھا اُور اُس کی خبر ہر جگہ پہنچ جاتی تھی مثلاً جب اُس نے پہلی دفعہ کوڑھ کی بیماری کو دُور کیا تو لوگ حیرت سے بھر گئے اُور یہی حال اُس وقت ہُوا جب اُس نے پہلی دفعہ ایک دیو کو نکالا اُور جب اُس نے ایک بیوہ کے لڑکے کو شہر نائین میں زندہ کیا تو پہلے سب لوگوں پر خوف چھا گیا پھر سب کے سب خوشی سے بھر گئے اُور حیرت اُور تعجب سے معمُور ہو کر اُس عجیب واقعہ کی بابت

آپس میں گفتگو کرنے لگے۔ تمام گلیل میں عجیب قسم کی حرکت پیدا ہوگئی۔ ہزار ہا بیمار جو چل سکتے تھے یا گرتے پڑتے اُس کے پاس آسکتے تھے، آتے تھے اور جو آپ نہیں چل سکتے تھے اُنہیں اُن کے دوست چارپائیوں پہ اُٹھا کر اُس کے پاس لاتے تھے، غرضیکہ شہروں اور گاؤں کی گلیاں جدھر سے اُس کا گزر ہوتا تھا بیماروں سے بھر جاتی تھیں اور کبھی کبھی شمار اس قدر بڑھ جاتا تھا کہ اُسے کھانا کھانے تک کی بھی مہلت نہیں ملتی تھی چنانچہ ایک دفعہ وہ اُس محبت بھرے کام میں ایسا مستغرق ہُوا اور لوگوں کے دُکھوں کو دیکھ کر ایسا جوش میں آیا کہ اُس کے رشتہ دار اُسی رقت کو دیکھ کر نامناسب مداخلت پر آمادہ ہُوئے اور آپس میں کہنے لگے کہ وہ بیخود ہو گیا ہے۔

ہمارے خداوند کے معجزات دو قسم کے تھے یعنی اوّل وہ جن سے بیمار چنگے کئے گئے اور دوم وہ جو فطرت کی طاقتوں پر غالب آئے مثلاً پانی کو مے بنانا، طوفان کو تھما دینا اور روٹیوں کے شمار کو بڑھانا۔ لیکن پہلی قسم کے معجزے دوسری قسم کے معجزوں سے شمار میں بہت زیادہ تھے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اُس نے طرح طرح کی بیماریوں کو اپنی معجزانہ قدرت سے دور کیا۔ لنگڑوں کو چلنے، اندھوں کو دیکھنے اور بہروں کو سننے کی طاقت عطا فرمائی اور مفلوجوں کو چنگا اور کوڑھیوں کو پاک صاف کیا۔ وہ اِن میں طرح طرح کے طریقے کام میں لاتا تھا لیکن ہم کو یہ وجہ معلوم نہیں کہ وہ کیوں ایسا کرتا تھا۔ کبھی تو وہ بیمار کو چھوتا تھا کبھی گیلی مٹی آنکھ پر لگاتا تھا اور کبھی مریض کو غسل کرنے کا حکم دیتا تھا اور بسا اوقات بلا وسائل بھی مریض کو چنگا کر دیتا تھا بلکہ کبھی کبھی بیمار کو دیکھتا بھی نہ تھا اور دور ہی سے

کہہ دیتا تھا اور وہ چنگا ہو جاتا تھا۔ جسمانی امراض کے علاوہ وہ عقلی امراض کو بھی اپنی معجزانہ قوت سے دور کر دیا کرتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مسیح کے زمانے میں عقلی امراض بکثرت پھیل گئے تھے اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ وہ ایک طرح اُسی زمانہ کے ساتھ مخصوص تھے۔ لوگ اُن سے بہت ڈرتے تھے اور خیال کرتے تھے کہ یہ امراض بدرُوحوں کے داخل ہونے سے پیدا ہوتے ہیں اور یہ خیال اُن کا بالکل صحیح تھا۔ وہ شخص جسے مسیح نے گدرینیوں کے مُلک میں قبروں کے درمیان چنگا کیا اِس ہولناک مرض کا ایک عجیب نمونہ ہے۔ اُس کا کپڑے پہن کر اور شفا پا کر مسیح کے پاؤں کے پاس بیٹھنا ظاہر کرتا ہے کہ مسیح کی پُر محبت اور تسلی بخش اور شاہانہ حضوری اُن لوگوں کے دلوں پر جن کی عقل میں فتور آگیا تھا عجیب قسم کا اثر رکھتی تھی۔ لیکن مسیح کے معجزات میں سے مُردوں کو زندہ کرنے کے معجزات سب سے زیادہ حیرت انگیز تھے گو وہ بار بار وقوع میں نہیں آتے تھے پر جب وقوع میں آتے تھے تو لوگوں کو حیرت کا پُتلا بنا دیتے تھے۔ دوسری قسم کے معجزے بھی یعنی وہ جو دائرہ فطرت میں نمودار ہُوئے اِسی طرح بیان سے باہر ہیں۔ اگر وہ فقط عقلی امراض کو چنگا کرتا تو شائد لوگ یہ کہتے کہ اُس کی زور آور طبیعت کے اثر نے عقلی نقصوں کو دور کر دیا اور بعض جسمانی امراض کی مدافعت کی نسبت بھی یہ کہا جا سکتا تھا کہ وہ ایک پُرزور مرضی کی تاثیر کے وسیلے سے دور کئے گئے، لیکن موج مارتے سمندر کی سطح پہ چلنا ہر طرح کی تفسیر کے دائرہ سے باہر ہے۔

اب یہ سوال پیش آتا ہے کہ مسیح نے کس لئے اپنے کام میں معجزات کو ایک وسیلہ بنایا؟ اِس سوال کے کئی جواب دیئے جا سکتے ہیں:

(۱) اُس نے یہ معجزات اس لئے دکھائے کہ اُس کا خُدا کی طرف سے ہونا ثابت ہو۔ گویا معجزات وُہ "نشانات" تھے جو اُس کی رسالت کو ثابت کرتے تھے۔ پُرانے عہد کے کئی نبیوں کو اُس سے پہلے معجزات دکھانے کی قُدرت عطا کی گئی تاکہ اُن کی رسالت پایۂ ثبوت کو پہنچے اور گو یُوحنّا بپتسمہ دینے والے نے جو مدّت دراز کے بعد عہدۂ نبوّت کو تازہ کرنیوالا شخص تھا کوئی معجزہ نہ دکھایا جیسا کہ ہم اناجیل کے سادے اور سچے بیان سے معلوم کرتے ہیں تو بھی مسیح کے لئے جو بزرگ سے بزرگ نبی سے بھی بزرگتر تھا، معجزات کی نفی زیبا نہ تھی بلکہ ضرور تھا کہ وُہ گذشتہ نبیوں کے معجزات سے بڑے بڑے معجزات دکھا کر اپنی رسالت کو ثابت کرے۔ اُس کا یہ دعوے کہ مَیں مسیح ہُوں ایک عظیم دعویٰ تھا اور وُہ لوگ جو رسالت کے ثبوت میں معجزات دیکھنے کے عادی ہو گئے تھے اُس کے ایسے دعوے کو ہرگز قبول نہ کرتے اگر وُہ کوئی معجزانہ نشانات نہ دکھاتا؛

(۲) پھر مسیح کے معجزات اُس الٰہی بھرپُوری یا اُلوہیّت کے کمال کا جو اُس میں مجسّم ہو رہا تھا لازمی اظہار تھے۔ وُہ خُدا کا مظہر تھا اور اُس کی انسانیّت رُوح القُدس کی بے قیاس قُدرت سے مالا مال تھی پس یہ بات قواعدِ فطرت کے عین مطابق تھی کہ جب ایسا شخص دُنیا میں آئے تو عجیب قسم کے کام اُس سے سرزد ہوں۔ وُہ بذاتِ خود ایک عجیب معجزہ تھا اور اُس کے دیگر معجزات اس بڑے معجزے کی کڑیاں تھے۔ اُس کا اس دُنیا میں قدم رکھنا بذاتِ خود قانونِ قُدرت کی ترتیب کے برعکس تھا یا یُوں کہیں کہ اُس کا اس دُنیا میں آنا گویا انتظامِ موجودات میں ایک نئے عنصر کا داخل ہونا تھا تاکہ دُنیا کو اپنی حضُوری کی برکتوں سے مالا مال کرے اور

جب وُہ داخل ہُوا تو اُس کے ساتھ اُس کے معجزے بھی داخل ہُوئے نہ اس لئے کہ ترتیب میں فتُور پیدا ہو بلکہ اس لئے کہ جو خرابی پیدا ہو گئی تھی اُس کی اصلاح کی جائے۔ لہٰذا اُس کے تمام معجزات پر اُس کی سیرت کی مُہر لگی ہُوئی تھی یعنی اُس کے معجزے نہ صرف اُس کی الٰہی قُدرت کا اظہار تھے بلکہ اُس کی پاکیزگی اور حکمت اور محبّت کو بھی ظاہر کرتے تھے۔ یہُودی اکثر اُس سے بڑے بڑے اچنبھے طلب کیا کرتے تھے تاکہ عجائبات دیکھنے والی ہوَس کو پُورا کریں مگر وُہ کبھی اُن کا کہنا نہیں مانتا تھا اور صرف اُسی قسم کے معجزے دکھایا کرتا تھا جو ایمان کو تقویت دینے کے لئے ضروری سمجھے جاتے تھے اور جو لوگ چنگے کئے جاتے تھے اُن میں ایمان کا ہونا ضروری شرط تھا غرضیکہ وُہ نہ کبھی لوگوں کے شوق کو پُورا کرنے کے لئے اور نہ کبھی اُن بے ایمانوں کا مُنہ بند کرنے کے لئے معجزے دکھاتا تھا جو اکثر اوقات اُس سے معجزے طلب کیا کرتے تھے۔ اُس کے معجزات کی یہ خاصیّت اُنہیں اُن اچنبھوں سے جُدا کرتی ہے جو قدیم اچنبھے دکھانے والوں یا رومن کیتھلک درویشوں سے منسُوب کئے جاتے ہیں۔ مسیح کے معجزات پر سنجیدگی اور رحم اور محبّت کی مُہر لگی ہُوئی ہے کیونکہ وُہ اُس کی سیرت کا اظہار تھے۔

۳۔ اُس کے معجزات اُس کے رُوحانی اور نجات بخش کام کی علامتیں ہیں۔ اگر آپ تھوڑی دیر غور کریں تو آپ قائل ہو جائیں گے کہ اُس کے معجزات دُنیا کی خرابی اور تکلیف پر فتح پانے کا نشان تھے۔ بنی آدم کئی قسم کی خرابیوں کا شکار ہو گئے ہیں بلکہ یہ کہنا بجا ہے کہ تمام فطرت کے ڈھانچے میں وُہ آثار پائے جاتے ہیں جو کسی گذری ہُوئی تباہی پر دلالت کرتے ہیں "ساری مخلوقات مِل کر اب تک کراہتی ہے اور دردِزہ میں پڑی

تڑپتی ہے"۔

موجُودات کی یہ بے قیاس ابتری اور خرابی بنی آدم کے لئے گناہ کا نتیجہ ہے۔ اِس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر ایک بیماری یا نقصان کسی خاص گناہ سے علاقہ رکھتا ہے گو بہُت سی بیماریاں اور نقصانات ضرور خاص خاص گناہ سے پیدا ہوتے ہیں اور گذشتہ گناہ کے نتائج تمام بنی آدم میں عموماً بٹے ہُوئے ہیں، پھر بھی دُنیا کی خرابی گویا اُس کے گناہ کا سایہ ہے اور چونکہ مادی اور اخلاقی خرابیاں ایک دُوسری سے علاقہ رکھتی ہیں، لہٰذا ایک سے دُوسری کا حال کھُل جاتا ہے۔ پس جب اُس نے جسمانی پن کو دُور کیا تو یہ فعل گویا باطنی بصیرت کو بحال کرنے کی علامت ٹھہرا۔ اسی طرح جب اُس نے مُردوں کو زندہ کیا تو یہ ظاہر کیا کہ رُوحانی دُنیا میں بھی مَیں ہی زندگی اور قیامت ہُوں۔ جب اُس نے کوڑھ کو دُور کیا تو گویا یہ پتہ دیا کہ مَیں ہی گناہ کا کوڑھ بھی دُور کر سکتا ہُوں۔ جب اُس نے روٹیوں کو معجزانہ طور پر بڑھایا تو گویا اُس معجزے سے زندگی کی روٹی پر بھی تقرر کی اور اُس کا طوفان کو بند کرنا یہ دلالت کرتا تھا کہ وُہ پریشان ضمیر کو بھی اطمینان اور سکُون عطا کر سکتا ہے۔

پس معلُوم ہُوا کہ مسیح کے معجزات اُس کے کام کا ضروری اور لازمی حِصّہ اور اُسے قوم میں مشہور کرنے کا ایک عمدہ وسیلہ تھے۔ اُس کے علاوہ وُہ لوگ جو شفایاب ہوتے تھے، وُہ شکرگذاری کے رشتہ سے اُس کے ساتھ جکڑے جاتے تھے اور اس میں شک نہیں کہ جو پہلے اُس کے معجزات پر ایمان لائے اُن میں سے کئی بعد میں ایمان کی اعلیٰ منزل تک پہنچے مثلاً مریم مگدلینی کو جس میں سے اُس نے سات دیو نکالے تھے

اسی قسم کا تجربہ نصیب ہُوا۔

اور اگر اُس کی نسبت سوچا جائے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اُسے اس کام سے کبھی بہُت دُکھ اور کبھی بڑی خُوشی ہوتی ہوگی۔ طرح طرح کی بیماریوں اور گُناہ کے اندوہناک نتیجوں کو دیکھ کر اُس کا پُر محبّت اور ہمدرد دِل جس کی نرمی کبھی کم نہیں ہوتی تھی زخمی ہو جاتا ہوگا، مگر اُس کی عظیم محبّت کا مسکن ایسی ہی جگہوں میں ہونا چاہیئے جہاں مدد کی ضرورت تھی اور طرح طرح کی برکتوں کو ہر طرف تقسیم کرنا اور گُناہ کے داغوں کو جابجا مٹانا اُس کے لئے بڑی فرحت کا باعث ہُوا ہوگا۔ اُس کے معجزانہ چھُونے سے صحت کا لَوٹ آنا، بند آنکھوں کو خُوشی اور شکرگذاری کے ساتھ کھُلتے دیکھنا، ماؤں اور بہنوں کی دُعائے خیر کو اُس وقت جبکہ وُہ اُن کے عزیزوں کو چنگا کر کے اُن کے حوالے کرتا تھا، سُننا، شہروں اور گاؤں میں داخل ہوتے وقت غریبوں کے چہروں پر محبّت اور تعظیم کے آثار کو دیکھنا اُس کے دِل کو خُوشی سے بھر دیتا ہوگا۔ غرضیکہ وُہ اُس چشمہ سے جو بھلائی کا منبع ہے خُوب سیر ہو چُکا تھا اور چاہتا تھا اور اب چاہتا ہے کہ اُس کے شاگرد بھی اُس سے سیر ہوں۔

مسیح کی تعلیم اور اُس کی تاثیر

ہمیں یقین ہے کہ اُوپر کے بیان سے ہمارے ناظرین پر بخُوبی واضح ہو گیا ہوگا کہ مسیح کے کام میں معجزات کیا جگہ رکھتے ہیں۔ اب ہم اُس کی مُنادی یا تعلیم کی نسبت چند خیالات پیش کرنا چاہتے ہیں۔ اُس کی تعلیم اُس کے معجزات سے بڑا رُتبہ رکھتی ہے۔ اُس کے معجزات

گھنٹے کی طرح لوگوں کو اُس کے پاس بُلانے کا کام دیتے تھے۔ اُن کا مقصد یہ تھا کہ لوگ اُس کے حضور فراہم ہو کر اُس کے کلام کو سُنیں۔ اِس میں شک نہیں کہ اُس کے معجزات کے سبب سے اُس کا نام نزدیک اور دُور سب جگہ مشہور ہو گیا مگر اُس کی تعلیم بھی اُس کی شہرت کا سبب تھی۔ فصاحت وُہ جادُو ہے جو لوگوں کو ایک دم میں حیرت کا پُتلا بنا کر مسخر کر لیتی ہے۔ ہر قوم اِس جادُو سے مُتاثر ہوتی آئی ہے۔ بربری ہمہ تن گوش ہو کر اپنے بزرگوں کے کارناموں کے افسانے اور کہانیاں سُنتے تھے۔ مہذّب یُونانی اپنے معلّموں کے ایک ایک لفظ کی قدر کرتے تھے اور اہلِ رُوم بھی جو زندگی کے معمُولی کاروبار کے سوا اور کسی کام سے سروکار نہیں رکھتے تھے اِس جادُو کے اثر اور قوت کے قائل تھے یہُودی تو اِس کے ایسے عاشق تھے کہ اور کسی چیز پر ایسے فریفتہ نہ تھے جیسے فصاحت و بلاغت پر۔ اُن کے بزرگوں میں کوئی ایسا فصیح نہ تھا جیسے اُن کے نبی جنہوں نے آسمانی صداقت کو فصاحت کا لباس پہنا کر لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ اگرچہ یُوحنا بپتسمہ دینے والے نے کبھی کوئی معجزہ نہیں دکھایا تھا تو بھی لوگ اُس کی باتوں کے سُننے کے لئے ہر طرف سے کثرت سے جمع ہوتے تھے کیونکہ اُس کے کلام میں نبیوں کی فصاحت کی قدرت رعد کی طرح کڑکتی تھی اور لوگوں نے اس عجیب قدرت کو جس کا نظارہ ایک مدّت سے نصیب نہیں ہوا تھا، اُس کے پُرزور الفاظ میں محسُوس کیا اور اس طرح اُس کے پاس جمع ہُوئے جس طرح چشمۂ شیریں پر چیونٹیوں کا ہجُوم ہوتا ہے اور چونکہ مسیح بھی نبی تھا لہٰذا اُس کی مُنادی کا شُہرہ ہر جگہ پھیل گیا۔

"اور وُہ اُن کے عبادت خانوں میں تعلیم دیتا رہا اور سب اُس کی بڑائی کرتے رہے"۔ لوگ اُس کی باتوں کو بڑی حیرت سے سُنتے تھے۔ کبھی کبھی ایسا بڑا مجمع ہو جاتا تھا کہ اُسے جھیل کا کنارا چھوڑ کر کشتی پر سوار ہونا اور وہاں سے اُن کی طرف مخاطب ہو کر اپنی زبانِ حقیقت بیان کو کھولنا پڑتا تھا۔ اُس کے کلام میں کُچھ ایسی تاثیر تھی کہ اُس کے مخالفوں کو بھی یہ کہنا پڑا کہ "انسان نے کبھی ایسا کلام نہیں کیا"۔ اگرچہ اُس کے الفاظ جو قلمبند ہو کر ہمارے زمانے تک پہنچے ہیں، بہُت ہی تھوڑے ہیں۔ تاہم اُن سے بخُوبی اندازہ لگ سکتا ہے کہ آیا اُس کے مخالفوں کی یہ رائے جو اُوپر بیان ہُوئی صحیح ہے یا نہیں اور یہ بھی معلُوم ہو سکتا ہے کہ اُس کا کلام سامعین پر کیسا اثر ڈالتا تھا۔ اُس کی پُر تاثیر تقریروں کا خلاصہ جو انجیلوں میں محفوظ ہے اگر الگ کر کے چھاپہ جائے تو معمُولی قسم کے چھ سرمنوں سے زیادہ جگہ نہ لیگا، تاہم یہ کہنا بے جا نہیں کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی علمی خزانہ بنی آدم کے ورثہ میں نہیں آیا جس طرح اُس کے معجزے اُس کی ذاتِ مُبارک کا اظہار تھے اُسی طرح اُس کا کلام اُس کی ذات کا مظہر تھا، چنانچہ اُس کے ایک ایک لفظ میں اُس کی سیرت کا جلال چمک رہا ہے۔

اُس کی مُنادی کا طریقہ اُس کی قوم کے بزرگوں کے طرزِ تقریر کی مانند تھا۔ اس امر میں اہلِ مشرق اور اہلِ مغرب میں بڑا فرق پایا جاتا ہے مثلاً مغربی ممالک کے باشندے جب کسی بات پر غور کرتے یا کسی خیال کو الفاظ میں ادا کرتے ہیں تو عبارت کی روانی اور تشریح و تفسیر کو مدِنظر رکھتے اور اپنے خیالات کو منطقی ترتیب اور سلسلے کے

مطابق پیش کرتے ہیں۔ پس جس طرزِ سخن پر اہلِ یورپ فریفتہ ہیں وہ یہ ہے کہ بولنے والا ایک عمدہ مضمون انتخاب کر کے اُسے مختلف حصّوں میں تقسیم کرے اور پھر ایک ایک حصّے پر سلسلہ وار اپنے خیالات ظاہر کرے اور یوں ایک حصّے کو دوسرے حصّے سے ربط دیتا ہوا اپنی تقریر کو ایسی رقت انگیز اپیل سے ختم کرے کہ سامعین کے دل اُس کے ہاتھ میں آ جائیں اور جو کام اُن سے کرانا چاہے کرا لے لیکن برعکس اس کے اہلِ مشرق کا یہ طریق ہے کہ وہ ایک نکتہ کو لے کر اُسی کی دُھن میں لگے رہتے ہیں، اُسی کے نشیب و فراز پر غور کرتے اور جو صداقتیں اُس کے متعلق ذہن نشین ہوتی ہیں، اُنہیں ایک جگہ جمع کر کے چند جان گداز اور قابلِ یاد الفاظ میں ادا کر دیتے ہیں۔ وہ اختصار کو پسند کرتے اور دل میں کھُب جانے والے محاورات کام میں لاتے ہیں یا یوں کہیں کہ اہلِ مغرب اپنی تقریر کو بڑی ترکیب اور مناسبت سے مرتب کرتے ہیں چنانچہ اُن کی تقریر میں زنجیر کی کڑیوں کی طرح ایک خیال دوسرے سے وابستہ ہوتا ہے لیکن اہلِ مشرق کی تقریر اور تحریر تاروں بھری رات کی مانند ہوتی ہے جس طرح رات کے وقت سیاہ یا نیلگوں آسمان کی سطح پر تارے چمکتے ہیں اُسی طرح اُن کی تحریر میں نورانی نکات کے جواہر جگمگاتے ہیں۔

مسیح اس قسم کے طرزِ سخن کو کام میں لایا۔ اُس کے کلام میں بیشمار الفاظ اور محاورات ایسے موجود ہیں کہ اُن میں سے ایک ایک "کوزہ میں دریا بند" کا مصداق ہے یعنی بڑی بڑی گہری حقیقتیں چھوٹے چھوٹے جملوں میں ادا کی گئی ہیں اور ایسی پُر تاثیر صورت میں کہ تیر کی طرح دل میں کھُب

جاتی ہیں۔ اگر آپ اُن الفاظ کو جو اُس سے منسوب کیے جاتے ہیں اور جو انجیلوں میں قلمبند ہیں پڑھیں اور اُن پر غور کریں تو آپ دیکھیں گے کہ اُن میں سے ہر ایک لفظ دل کو کھینچ لیتا ہے اور ایسے عمیق معانی رکھتا ہے کہ بہ سبب لطافت اور حلاوت کے دل سیر نہیں ہوتا اور پھر یہ بھی دیکھیں گے کہ باوجود اس کے اُس کے کلام میں کچھ ایسی خاصیت پائی جاتی ہے کہ اُس کی باتیں جلد حفظ ہو جاتی ہیں چنانچہ وہ اُس کی اُمت کے حافظہ میں پتھر پر کی لکیر کی طرح قائم ہیں۔ ہاں اُن کی یہ عجیب خاصیت ہے کہ دماغ ابھی اُن کے معانی کو سمجھنے نہیں پاتا کہ وہ پہلے ہی سے امثال کی طرح ذہن میں نقش ہو جاتی ہیں۔

علاوہ بریں اُس کی تعلیم کی ایک اور خاصیت یہ ہے کہ وہ طرح طرح کی صنعتوں اور تشبیہوں سے پُر ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُس کی قوتِ متخیلہ خیال کے عوض تشبیہات کے ذریعے سے اپنا کام کرتی ہے۔ وہ ہمیشہ فطرت کی گوناگوں صنعتوں کو بڑے شوق سے ملاحظہ کیا کرتا تھا۔ پھولوں کے رنگ، پرندوں کے ڈھنگ، درختوں کا بڑھنا موسموں کا بدلنا اُس کی حقیقت شناس چشم سے پوشیدہ نہ تھا اور اسی طرح وہ بنی آدم کی زندگی کی ہر رہگذر سے بخوبی واقف تھا چنانچہ وہ جانتا تھا کہ مذہبی اُمور اور کاروبار اور خانگی تعلقات میں انسان کیا ہے۔ لہٰذا وہ کسی نہ کسی فطرتی تشبیہ کو کام میں لائے بغیر نہیں بول سکتا تھا اور نہ بغیر اُس کے غور کر سکتا تھا۔ پس ہم دیکھتے ہیں کہ اُس کا کلام طرح طرح کی تشبیہوں سے پُر ہے جن کے سبب سے ایک قسم کی بوقلمونی اور حرکت اُس سے ہویدا ہے، وہ قیاسی قضیئے اور وہمی دعوے پیش نہیں

کرتا بلکہ حقیقتوں کا فوٹو کھینچ دیتا ہے اور اُس کے الفاظ سے مُلک کی خصوصیات اور زمانہ کے حالات اس طرح ٹپکتے ہیں جس طرح تصویر سے ٹپکا کرتے ہیں۔ کہیں سوسن کی پھلواڑیاں جن کے حُسن خُداداد کی دید سے اُس کی آنکھیں تر و تازہ ہوتی تھیں، سرسبز کھیتوں میں لہلہا رہی ہیں۔ کہیں بھیڑیں اپنے چوپان کے پیچھے پیچھے جا رہی ہیں کہیں شہروں کے تنگ اور کشادہ دروازے نظر آتے ہیں۔ کہیں کنواریوں کے مشعل جو دُولہا کی منتظر کھڑی ہیں اپنا جلوہ دکھاتے ہیں، اگر ہیکل میں ایک طرف فریسی پاک نوشتوں کی آیات ماتھے اور بازوؤں پر لگائے کھڑا ہے تو دوسری طرف ایک محصول لینے والا گردن جُھکائے دُعا مانگ رہا ہے۔ اگر ایک دولتمند اپنے محل میں بیٹھا ضیافت کے مزے اُڑا رہا ہے تو ایک مصیبت زدہ غریب جس کے زخموں کو کُتے چاٹ رہے ہیں اُس کے دروازے پر پڑا کراہ رہا ہے۔ یہ اور اسی طرح کے اور سینکڑوں دلچسپ فوٹو اُس کے کلام میں بکثرت موجود ہیں اور اُن کے وسیلے سے اُس زمانے کے اوضاع و اطوار اور طرزِ معاشرت کے اندرونی اور جزوی حالات کُھل جاتے ہیں جن کا ذکر عام تاریخی کتابوں میں پایا جاتا ہے۔

لیکن اِن سب باتوں سے بڑھ کر اُس کے کلام کا یہ خاصہ تھا کہ اُس میں تمثیلات کا استعمال بکثرت پایا جاتا ہے۔ اس میں وُہ دونوں باتیں جن کا ذکر اُوپر ہُوا مِل جاتی ہیں یا یُوں کہیں کہ تمثیل مختصر بیان اور تشبیہی کلام کی ترکیب سے پیدا ہوتی ہے۔ تمثیل زندگی کے عام واقعات میں سے کسی واقعہ کو چُن لیتی اور اُس کی ایک چمکتی دمکتی تصویر بنا کر اُسے

اپنے کام میں لاتی ہے اور اُس کے وسیلے سے کسی رُوحانی بھید کو جو اُس سے مُناسبت اور مُشابہت رکھتا ہے، ظاہر کرتی ہے۔ اظہارِ حقائق کے لئے یہ طریقہ قوم یہُود کے درمیان عام تھا مگر مسیح نے اُس کو خُوب جِلا دی اور کمال تک پہنچایا۔ اُس کی باتیں جو اب تک محفوظ ہیں ایک تہائی کے قریب تمثیلوں پر مُشتمل ہیں جس سے معلُوم ہوتا ہے کہ وُہ کس طرح سامعین کے حافظہ پر جم جاتی تھیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مُنادوں کے سرمنوں سے چند سال کے بعد فقط وُہی مثالیں یاد رہتی ہیں جو وُہ تقریر میں استعمال کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ تمثیلیں اُس وقت سے لے کر اس وقت تک پُشت در پُشت مسیحیوں کے حافظہ میں محفوظ چلی آئی ہیں مُسرف بیٹا، بیج بونے والا، دس کنواریاں، نیک سامری اور دیگر تمثیلیں لاکھوں لوگوں کے دِلوں میں گویا خُوبصُورت تصویروں کی طرح لٹک رہی ہیں۔ کیا دُنیا کے بڑے بڑے شاعروں یا نثر نویسوں کے کلام میں مثلاً سعدی۔ ابوالفضل۔ ظہوری اور فردوسی وغیرہ کے کلام میں کوئی ایسے حصّے یا ٹکڑے پائے جاتے ہیں جنہوں نے مسیح کی تمثیلوں کی مانند بنی آدم کے دِل پر گرفت پیدا کی ہو؟ یا اُن کی صداقت اور تازگی ایسے عالمگیر طور پر محسُوس کی گئی ہو؟ مسیح کو مثالوں کی تلاش میں دُور نہیں جانا پڑتا تھا جس طرح ایک ماہر اور مشّاق مصوّر کھڑیا مٹی کی ڈلی یا ایک بُجھا ہُوا کوئلہ لے کر ایک ایسی تصویر کھینچ دیتا ہے کہ اُسے دیکھ کر یا تو ہنسی کے مارے کلیجہ تھامنا پڑتا ہے یا آنسوؤں کے دریا جاری ہو جاتے ہیں یا دیکھنے والا نقش بر دیوار سا رہ جاتا ہے اُسی طرح مسیح بھی زندگی کے عام واقعات کو چُن لیتا

ہے مثلاً نئے جامے پر نئے پارچے کا پیوند لگانا۔ پرانی مشکوں کا نئی
مے کے سبب سے پھٹ جانا۔ لڑکوں کا بازاروں میں کھڑے ہو کر
شادی اور ماتم کے کھیل کھیلنا۔ کسی جھونپڑی کا طوفان کے تھپیڑے
کھا کر گر پڑنا وغیرہ عام واقعات ہیں اور وہ اُنہیں چن کر اپنے بے نظیر
فن سے ایسے سانچے میں ڈھالتا ہے کہ وہ دائمی حقیقتوں اور آسمانی رازوں
کو روزِ روشن کی طرح آشکارا کر دیتے ہیں۔ پس تعجب کی بات نہیں کہ ہزارہا
لوگ اُس کے پاس جمع رہتے تھے۔ اِس میں شک نہیں کہ اُس کے کلام کی
تہ تک پہنچنے کے لئے صدہا سال کی غور و فکر کی ضرورت تھی تاہم سادہ
سے سادہ اور جاہل سے جاہل سُننے والا بھی اُس کی مثالوں کو سُن
کر محظوظ ہو جاتا ہوگا اور اُن الفاظ کو جن کے وسیلے سے وہ
اپنے خیالات ادا کیا کرتا تھا، عمر بھر کے لئے اپنے ساتھ لے جاتا
ہوگا۔ پس یہ کہنا بے جا نہیں کہ اُس کے کلام کی مانند اور کوئی
کلام نہیں کیونکہ جس قدر وہ سادہ ہے اُسی قدر گہرا بھی ہے۔
جس قدر صنعتوں سے پُر ہے اُسی قدر صداقت اور راستی سے
بھی معمور ہے۔

یہ تو اُس کے کلام کی خاصیتیں ہیں۔ اب ہم تھوڑی دیر کے لئے
دکھائیں گے کہ اس لاثانی مناد کی منادی میں کون کون سی خاص باتیں
توجہ طلب ہیں۔ اُن کا ذکر اُس کے سامعین کی نکتہ چینی میں موجود ہے
اور نیز اُن تقریروں سے اُن کا پتہ ملتا ہے جو انجیلوں میں قلمبند ہیں:
اُن میں جو سب سے بڑھ کر ہے، وہ اختیار ہے جو لکھا ہے کہ
"بھیڑ اُس کی تعلیم سے حیران ہوئی کیونکہ وہ اُن کے فقیہوں کی طرح نہیں

بلکہ صاحبِ اختیار کی طرح اُنہیں تعلیم دیتا تھا"۔ پس پہلی بات جسے
اُس کے سامعین نے محسوس کیا، وہ فرق تھا جو اُس کے کلام
میں اور فقیہوں کی اُس منادی میں پایا جاتا تھا جو وہ عبادت خانوں
میں کیا کرتے تھے۔ یہ فقیہہ ایسے مُردہ اور خشک مسائل کی منادی
کرتے تھے کہ اُن سے بڑھ کر بے تاثیر اور بے جان مسائل اور کسی جگہ
نہیں ملتے۔ اگر وہ اُن پاک نوشتوں میں سے جو اُن کے پاس موجود
تھے لوگوں کو نصیحت کرتے اور اُن کے مطالب کھول کر بتاتے تو اس
سے اُن کے کلام کو ایک طرح کی طاقت اور تازگی حاصل ہوتی مگر وہ
مفسروں کے کُہنہ خیالات کی خوردہ فروشی میں لگے رہتے تھے اور کوئی
ایسی رائے پیش نہیں کرتے تھے جو کسی ربی کی سند پر مبنی نہ ہو۔ انصاف
اور رحم، محبت اور خدا کے متعلق لوگوں کو تعلیم دینے کی جگہ پاک
نوشتوں کو ایک رسُوم نامہ کی صُورت دے کر ادنےٰ باتوں کی منادی
کرنے لگ گئے مثلاً لوگوں کو صرف ایسی ایسی باتیں بتانے لگ گئے کہ
جو آیات ماتھے اور بازوؤں پر لگانی چاہئیں وہ کتنے بڑے کاغذ پر
تحریر کرنی چاہئیں۔ دُعا کے وقت کس طرح بیٹھنا یا کھڑا ہونا چاہیئے۔
روزہ کتنی دیر تک رکھنا چاہیئے اور سبت کے دن کتنا فاصلہ طے
کرنا چاہیئے وغیرہ۔ اِنہی باتوں پر اُس زمانے کا مذہب منحصر تھا اور
جس طرز کی منادی اُس زمانے میں مروّج تھی اگر ہم اُس کا نمونہ جدید
زمانوں میں دیکھنا چاہیں تو ہمیں ریفارمیشن کے زمانے پر نظر ڈالنا
چاہیئے۔ جس شخص نے سکاٹ لینڈ کے مُصلح ناکس کے سوانح عمری
تحریر کئے ہیں، بتاتا ہے کہ ریفارمیشن کے ایام میں رومن کیتھلک

درویشوں کی تقریریں بالکل بے مغز، بے لطف اور ناقص ہوتی تھیں۔ وہ بتاتا ہے کہ "ایسی کہانیاں جو کسی رومن کیتھلک مذہبی فرقہ کے بانی سے منسوب کی جاتی تھیں یعنی وہ معجزے جو اُن کے خیال میں اُس نے دکھائے وہ لڑائیاں جو اُس نے شیطان کے ساتھ کیں، اُس کی دعائیں اُس کے روزے اُس کا اپنے آپ کو کوڑوں سے مارنا وغیرہ وہ مضامین تھے جن پر منادی کی جاتی تھی یا مقدس پانی اور مقدس تیل کی تاثیر یا اپنے بدن پر صلیب کا نشان بنانے اور کلام کے وسیلے سے آسیب دُور کرنے کی خوبیوں کا راگ الاپا کرتے تھے یا پرگیٹوری (اعراف) کے شدید عذاب کا خاکہ کھینچا کرتے تھے اور بتایا کرتے تھے کہ کتنے اُس عذاب سے فلاں صاحب کرامت ولی کی سفارشی دعاؤں کے وسیلے سے چھوٹ گئے ہیں یا فضول ہزلیات اور یاوہ گوئی میں اپنا وقت خراب کیا کرتے تھے۔ غرضیکہ بائبل کی پاک اور فائدہ بخش اور بلند پایہ تعلیمات کے عوض میں اس قسم کی باتوں سے لوگوں کو آسودہ کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے"۔ مسیح کی منادی سے لوگوں کے دل پر کچھ اسی قسم کا اثر پیدا ہوگا جیسا ریفارمیشن کے زمانے میں اہل سکاٹ لینڈ پر ویشرٹ اور ناکس کی منادی سے پیدا ہوا۔ مسیح ربیوں اور مفسروں کے مختلف خیالات سے کچھ سروکار نہیں رکھتا تھا بلکہ وہ اس طرح تقریر کرتا تھا کہ گویا اُس نے ازلی اور ابدی حقیقتوں کو بچشم خود دیکھا ہے۔ وہ اس بات کا محتاج نہ تھا کہ کوئی اور اُس کو خدا اور انسان کی نسبت سکھائے کیونکہ وہ خود دونوں سے بخوبی واقف تھا۔ وہ جانتا تھا کہ میں ایک خاص کام کے لئے آیا ہوں اور یہ خیال اُسے اُس کے کام میں

لگائے اور اُس کے ہر لفظ اور حرکت کو سرگرمی سے معمور رکھتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ مجھے خدا نے بھیجا ہے اور جو باتیں میں بیان کرتا ہوں میری نہیں بلکہ خدا کی ہیں۔ پس وہ اُن کو جو اُس کی بات نہیں سنتے تھے بے تامل کہہ دیتا تھا کہ قیامت کے دن تم پر نینوہ کے لوگ فتوے لگائیں گے اور سبا کی ملکہ تمہیں مجرم ٹھہرائے گی کیونکہ اہل نینوہ نے یوناہ کی باتوں پر کان لگایا اور سبا کی ملکہ نے سلیمان کے حکمت آمیز کلمات کو سنا مگر تم اُس کی جو نبیوں سے بڑا اور پرانے بادشاہوں سے بزرگ تر ہے نہیں سنتے۔ اُس نے اُن کو خوب آگاہ کر دیا کہ جو پیغام میں لایا ہوں اُس کے قبول کرنے یا رد کرنے پر تمہاری آئندہ بہبودی یا خرابی منحصر ہے۔ یہی وہ سرگرمی اور شاہانہ دبدبہ اور اختیار تھا جو سننے والوں کے دلوں کو ہلا دیتا تھا۔

ایک اور صفت جو لوگوں نے اُس کی تعلیم یا منادی میں پائی دلیری تھی۔ چنانچہ وہ کہا کرتے تھے "دیکھو یہ صاف کہتا ہے" اور یہ بات اس لئے نہایت عجیب معلوم ہوتی تھی کہ وہ تعلیم یافتہ آدمی نہ تھا کیونکہ نہ اُس نے یروشلیم کے مشہور مدارس میں کبھی تحصیل علم کے لئے قدم رکھا تھا اور نہ کسی دارالعلوم سے سند حاصل کی تھی۔ لہٰذا وہ تعجب کرتے تھے کہ یہ دلیری اُس میں کہاں سے آ گئی۔ معلوم ہو کہ یہ صفت اُسی چشمہ سے برآمد ہوئی جس سے اُس کے شاہانہ اختیار کی عجیب صفت پیدا ہوئی تھی۔ بزدلی عموماً اُس وقت پیدا ہوتی ہے جبکہ مناد اپنے پیغام کی نسبت اپنی طرف زیادہ تر دیکھتا ہے۔ جو مناد حاضرین سے ڈرتا اور عالموں اور فاضلوں کو دیکھ کر گھبرا

جاتا ہے وُہ محض اِس خیال میں مُستغرق ہوتا ہے کہ لوگ میری لیاقت اور میرے کلام کی نسبت کیا کہیں گے۔ لیکن جو شخص یہ محسُوس کرتا ہے کہ مَیں ایک الٰہی پیغام لے کر آیا ہُوں جس کو ادا کرنا میرا مقدم فرض ہے وُہ صرف اپنے پیغام کی دُھن میں لگا رہتا ہے۔ اُس کے نزدیک اُس کے پیغام کے سُننے والے عالم ہوں یا جاہل، امیر ہوں یا غریب سب یکساں ہوتے ہیں۔ مسیح کی آنکھ رُوحانی اور ابدی صداقتوں پر لگی ہُوئی تھی۔ اُن کی عظمت اُس کے دِل پر نقش تھی۔ لہٰذا انسانی علم و فضل کا خیال اِن باتوں کے رُوبرُو ناچیز تھا۔ ہر رُتبہ کا آدمی اُس کے سامنے عام آدمیوں کی طرح تھا اور چُونکہ وُہ اپنے کام کے خیال میں محو رہتا تھا اِس لئے کسی ذاتی یا شخصی خیال سے نہیں ڈرتا تھا۔ اگر ہم اُس کی دلیری دیکھنا چاہیں تو اُن حملات کو دیکھیں جو اُس نے اُن خرابیوں پر کئے جنہیں لوگ اُس وقت عُمدہ سمجھتے تھے۔ یہ خیال کرنا کہ اُس میں نرمی اور فروتنی کے سوا اور کُچھ نہیں پایا جاتا تھا بڑی غلطی ہے کیونکہ اُس کے الفاظ میں کئی جگہ ایک قسم کی تُندی بھی پائی جاتی ہے۔ وُہ زمانہ ملمع سازی کا زمانہ تھا۔ جتنے بڑے بڑے مراتب اور مناصب تھے اُن سب پر ملمع پھرا ہُوا تھا۔ سوسائٹی کے اعلےٰ طبقوں میں علم و فضل کے بلند مرتبوں میں اور مذہب کے ہر پہلو میں گندم نمائی اور جو فروشی کام کر رہی تھی۔ غرضیکہ ریاکاری ایسی عالمگیر ہو گئی تھی کہ لوگ ریاکاری کو ریاکاری نہیں سمجھتے تھے اور جن باتوں کی تقلید اور پیروی کی جاتی تھی وُہ نہایت نکمی اور ناقص تھیں۔ مسیح کے الفاظ کو پڑھنے والے

بآسانی اِس بات کو محسُوس کر سکتے ہیں کہ اوّل سے آخر تک اُس کے کلام میں اِن خرابیوں کے برخلاف ایک قسم کا غُصّہ پایا جاتا ہے جو نامُرات کے حالات کے مشاہدے سے شرُوع ہُوا اور جُوں جُوں مسیح کا علم حالاتِ زمانہ کے بارے میں ترقی کرتا گیا اُسی قدر وُہ بھی بڑھتا گیا۔ جن باتوں کو لوگ بہُت پسند کرتے تھے وُہ اُن کی نسبت کہتا تھا کہ یہ باتیں خُدا کی نظر میں نہایت مکرُوہ ہیں۔ تاریخ کی زبان میں کوئی شخص ایسا نظر نہیں آتا جس کے کلام میں ایسے سخت حملات پائے جاتے ہوں جیسے مسیح کے کلام میں پائے جاتے ہیں اور یہ حملات اُس نے اُن لوگوں پر کئے جن کے سامنے اُس کی مُنادی سے پہلے سرِ تسلیم خم کئے جاتے تھے اور وُہ لوگ فقیہ اور فریسی اور کاہن اور لاوی تھے۔

ایک اور وصف اُس کے کلام میں یہ تھا کہ وُہ قُدرت سے ملبّس تھا چنانچہ لوگ حیران ہوتے تھے کہ وُہ قُدرت سے کلام کرتا ہے اور یہ قُدرت رُوح پاک کے اُس مسح کا پھل تھی جس کی امداد کے بغیر بڑی بڑی سچائیاں دِل پر کُچھ اثر نہیں کرتی ہیں۔ وُہ رُوح پاک سے معمُور تھا۔ لہٰذا سچائی سے معمُور تھا اور اُس سچائی کو جو اُس کے دِل میں جوش زن تھی دُوسروں کے دِلوں تک پہنچا دیتا تھا۔ وُہ رُوح پاک ایسے قلیل یا محدُود اندازہ میں نہیں رکھتا تھا کہ مُشکل سے اُسی کے لئے کافی ہو بلکہ اِس کثرت سے رکھتا تھا کہ اوروں کو بھی افراط سے دے سکتا تھا۔ لہٰذا رُوح کی تاثیر اُس کے ایک ایک لفظ سے ٹپکتی تھی اور سُننے والوں کے دِل اور دماغ کو جوش سے بھر دیتی تھی ؛

چوتھی صفت کو جو اُس کے کلام میں پائی جاتی تھی رحم و فضل کہنا چاہیئے۔ لوگ "اُن پُر فضل باتوں سے جو اُس کے مُنہ سے نکلتی تھیں تعجب کرتے تھے" اور ہم دیکھتے ہیں کہ باوجود دبدبے اور اختیار کے اور باوجود اُن سخت حملوں کے جو اُس نے زمانہ کی خرابیوں پر کئے اُس کا کلام رحم اور محبت سے پُر تھا۔ اُس صفت کے وسیلے سے اُس کی اصل سیرت کا پتہ ملتا ہے۔ وہ جو محبت مجسّم تھا کس طرح اُس آسمانی آگ کی تیزی اور روشنی کو جو اُس کے دل میں بھڑک رہی تھی، لفظوں میں چمکنے سے روک سکتا تھا؟ فقیہ بڑے سخت اور مغرور اور بے مہر لوگ تھے۔ وہ دولت مندوں کی خوشامد اور عالموں کی عزت کیا کرتے تھے مگر عوام کی نسبت کہا کرتے تھے "یہ عام لوگ جو شریعت سے ناواقف ہیں لعنتی ہیں" لیکن یسوع کے نزدیک ہر رُوح ایسی بیش قیمت تھی کہ کوئی اُس کی وقعت کا اندازہ نہیں لگا سکتا تھا۔ اگر وہ میلے کچیلے کپڑوں میں چھپی ہوئی ہوتی تھی یا کسی اور نقص کے تلے دبی ہوئی ہوتی تھی تو اُس کی آنکھ وہاں بھی اُس موتی کو دیکھ لیتی تھی۔ اگر اُس پر گناہ کی نجاست کا انبار لگا ہوا ہوتا تھا تو وہ بھی اُسے اُس کی نظر سے نہیں چھپا سکتا تھا۔ لہٰذا وہ اپنے سُننے والوں میں سے ہر ایک کے ساتھ یکساں سلوک کیا کرتا تھا۔ کیا جب ہم لُوقا کے ۱۵ باب کی تمثیلوں کو پڑھتے ہیں تو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ گویا الٰہی محبت خُدا کے دِل سے نکل کر اُن تمثیلوں کے وسیلے سے اپنے آپ کو ظاہر کر رہی ہے۔

ایک اور صفت بیان کرنے کے لائق ہے جسے سب صفات

کی جامع اور اُس کی تقریر کی جان سمجھنا چاہیئے۔ اس صفت کی طرف اُوپر کہیں کہیں اشارہ ہو چکا ہے، مگر اس جگہ اس کا کچھ مفصّل ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ مسیح جب لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر کلام کیا کرتا تھا تو یہ خیال نہیں کرتا تھا کہ مَیں کس درجہ اور کس لیاقت کے لوگوں سے متکلّم ہُوں بلکہ سب کو یکساں سمجھ کر اُن سے مخاطب ہُوا کرتا تھا۔ دولت اور عزت اور علم جو بنی آدم میں فرق ڈالتے ہیں بالائی یا خارجی اسباب ہیں جو ہم کو انسانی زندگی کی سطح پر ملتے ہیں، مگر ذہنی قوتیں، دِلی جذبات اور ضمیر کی حقیقتیں وہ باطنی اور گہری خاصیتیں ہیں جو تمام بنی آدم میں مشترک ہیں۔ ہمارا یہ مطلب نہیں کہ یہ صفتیں سب میں یکساں ہوتی ہیں، کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ کسی میں زیادہ اور کسی میں کم ہیں لیکن اس میں شک نہیں کہ اور باتوں کی نسبت یہی سب میں زیادہ پائی جاتی ہیں اور جو شخص اِن صفتوں کی طرف مخاطب ہوتا ہے وہ گویا اپنے سُننے والوں کی زندگی کے سب سے اصل اور گہرے حِصّوں کو متاثر کرتا ہے اور سب اُس کی بات کو سمجھتے ہیں۔ ہر ایک شخص اپنا اپنا حِصّہ پاتا ہے یعنی جس قدر کم فہم آدمی کی سمجھ میں سمائی ہوتی ہے وہ اُس سمائی کے مطابق اُس چشمہ سے لیتا ہے اور جس قدر وسیع خیال آدمی کے ذہن میں وُسعت ہوتی ہے وہ اُس وُسعت کے مطابق اُس سے فیض یاب ہوتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ مسیح کا کلام آبِ رواں کی طرح ہر وقت ترو تازہ رہتا ہے۔ وہ ہر زمانہ اور ہر قسم کے لوگوں کے لئے ہے۔ وہ آج بنی نوع انسان کو انگلستان اور چین اور ہندوستان میں اُسی طرح مؤثر کرتا ہے جس طرح فلسطین میں مسیح کے زمانہ میں کیا

کرتا تھا۔

اب ہم تھوڑی دیر کے لئے اُس کی تعلیم کے نفسِ مضمون پر غور کریں گے۔ جب ہم اس بات کی طرف رجوع کرتے ہیں تو یہ خیال دل میں پیدا ہوتا ہے کہ جس طرح اِس زمانے کے لکچرار مسیحی مذہب کی تعلیمات اور مسائل پر درس دیا کرتے ہیں، اسی طرح شائد وہ بھی دیا کرتا تھا لیکن جب ہم اناجیل کا مطالعہ کرتے ہیں تو بالکل اور ہی حالت نظر آتی ہے۔ البتہ وہ سب باتیں جو ہم سوال و جواب کی کتابوں یا عقائد نامہ میں مسیحی مسائل اور تعلیمات کے متعلق پاتے ہیں وہ اُس کے ذہن میں موجود تھیں مگر وہ اُنہیں اپنی مُنادی کے وسیلے سے بہت ظاہر نہیں کیا کرتا تھا، نہ وہ علم الٰہی کی اصطلاحات کو استعمال میں لایا کرتا تھا مثلاً الفاظ تثلیث۔ تقدیر۔ برگزیدگی اور موثر بُلاہٹ جو مسیحی علوم الٰہیہ کی اصطلاحات میں داخل ہیں اُس کی منادی میں نظر نہیں آتے ہیں گو وہ صداقتیں جو اِن اصطلاحی الفاظ سے مفہوم ہوتی ہیں اُس کے کلام کی تہ میں پائی جاتی ہیں مگر اُنہیں ظاہر کرنا یا اصطلاحی طور پر پیش کرنا سائنس کا کام تھا۔ وہ فقط زندگی کے معمولی تعلقات پر بولا کرتا تھا اور چند دل گداز باتوں کو اپنی تقریر کا مرکز بنا کر دل اور ضمیر کو چھید ڈالتا تھا۔

اُس کی مُنادی کا عطر یہ الفاظ تھے "خُدا کی بادشاہی"۔ آپ کو یاد ہوگا کہ اُس کی کئی تمثیلیں انہیں لفظوں سے شروع ہوتی ہیں۔ مثلاً بار بار انجیل میں آیا ہے کہ "خُدا کی بادشاہی" اس چیز یا اُس چیز کی مانند ہے۔ ایک مرتبہ اُس نے یہ بھی فرمایا کہ "مجھے اور شہروں

میں بھی خُدا کی بادشاہی کی مُنادی کرنا ضرور ہے"۔ اس سے اُس نے یہ ظاہر کیا کہ میری مُنادی کا مضمون خُدا کی بادشاہی ہے اور یہی بات اُس کے رسُولوں کے حق میں لکھی ہے کہ اُس نے اُنہیں بھی اسی لئے بھیجا کہ "خُدا کی بادشاہی کی مُنادی کریں"۔ مگر یہ الفاظ اُس کے ایجاد کردہ نہ تھے۔ یہ خیال پُرانے زمانوں سے چلا آتا تھا اور اُس کے زمانے کے لوگ اس دینی محاورے سے بخُوبی واقف تھے چنانچہ یُوحنّا بپتسمہ دینے والے نے اِن الفاظ کو کثرت سے اپنی مُنادی میں استعمال کیا۔ چنانچہ "خُدا کی بادشاہی نزدیک ہے" ہم بار بار اُس کے مُنہ سے سُنتے ہیں۔

لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ اِن الفاظ کا کیا مطلب ہے؟ یہ الفاظ اُس نئے زمانے کی طرف اشارہ کرتے ہیں جس کی خبر نبوت کی کتابوں میں پائی جاتی تھی اور جس کی راہ خُدا کے مُقدس بندے مدت سے دیکھ رہے تھے۔ خُداوند مسیح نے اپنی مُنادی کے وسیلے سے لوگوں کو آگاہ کیا کہ وہ زمانہ اَب آگیا ہے اور میں اُسے اپنے ساتھ لایا ہُوں۔ انتظاری کا وقت تمام ہو چُکا۔ ایک دفعہ اُس نے اپنے ہمعصروں سے مخاطب ہو کر کہا کہ کئی نبی اور کئی برگزیدہ اشخاص یہ آرزو رکھتے تھے کہ جو کچھ تم دیکھ رہے ہو دیکھیں مگر اُنہیں دیکھنا نصیب نہ ہُوا۔ پھر ایک مرتبہ اُس نے یہ بھی کہا کہ اس نئے زمانے کا جلال اور رونق اور حقوق ایسے بے بہا ہیں کہ جو اُن سے بہرہ ور ہیں، اُن میں سے وہ جو سب سے چھوٹا ہے یُوحنّا بپتسمہ دینے والے سے افضل ہے حالانکہ وہ پُرانے عہد کے بزرگوں میں سب سے بڑا ہے۔

اِن باتوں کا ماننا اُس کے معاصرین کے لئے کچھ مشکل نہ ہوتا اگر وُہ اس بات کو بھی مان لیتے کہ خُدا کی بادشاہی فی الحقیقت آگئی ہے کیونکہ وُہ اِن سب باتوں کے قائل تھے۔ البتہ اُنہوں نے مسیح کے اِن دعوؤں کو سُن کر ذرا سی دیر کے لئے کروٹ بدلی اور آنکھ اُٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھنا شروع کیا لیکن جب اُس کا کوئی ظاہری نشان نہ پایا تو یہ کہنا شروع کر دیا کہ وُہ نیا زمانہ کہاں ہے جس کی آمد کا ذکر یسوع ناصری کرتا ہے؟ اور اسی بات کے سمجھنے میں وُہ مسیح سے اختلاف رکھتے تھے۔ وُہ "خُدا کی بادشاہی" کے آخری لفظ "بادشاہی" پر زور دیتے تھے مگر یسوع پہلے لفظ "خُدا" پر زور دیتا تھا۔ اُنہیں یہ اُمید تھی کہ نیا زمانہ شاہانہ کرّوفر اور دُنیوی شان و شوکت کے ساتھ نمودار ہوگا۔ بے شک وُہ یہ مانتے تھے کہ اس بادشاہی میں خُدا ہی کے نام کا سکّہ جاری ہوگا مگر اس کے ساتھ وُہ یہ بھی اُمید رکھتے تھے کہ اُس کا ظہور بے قیاس دولت و ثروت، جنگی افواج کی حشمت و قُدرت اور ایک عالمگیر حکومت و سلطنت سے ہوگا۔ لیکن برعکس اِس کے خُداوند مسیح نئے زمانے کا آغاز اس بات میں دیکھتا ہے کہ خُدا محبت کرنے والے دِل اور اطاعت کرنے والی مرضی پر حکمران ہوگا۔ وُہ اس نئے زمانے کو خارج میں تلاش کرتے تھے۔ مگر مسیح اُسے باطن میں بتاتا تھا۔ وُہ اُسے دُنیوی شان و شوکت میں ڈھونڈھتے تھے مگر مسیح اُس کی رونق اور خُوبی کی جگہ سیرت کو سمجھتا تھا۔ چنانچہ اُس نے اپنے پہاڑی وعظ میں اس نئے زمانے کو طرح طرح کی مُبارک بادیوں سے ظاہر فرمایا اور ہم دیکھتے ہیں کہ وُہ مُبارک حالی جو اُن سے مترشح ہے سراسر سیرت یا خصلت کی مُبارک حالی

ہے مگر جس سیرت کا نقشہ اِن مُبارک بادیوں میں پایا جاتا ہے وُہ اُس سیرت سے جس کی قدر اُن دِنوں کی جاتی تھی اور جو اُس زمانے میں حقیقی جلال اور خُوشی کا باعث سمجھی جاتی تھی بالکل مختلف تھی۔ اُن دِنوں مغرور فریسی یا دولتمند صدوقی یا عالم فقیہ کی سیرت نمونے کے لائق سمجھی جاتی تھی مگر مسیح نے برعکس اِس کے یہ سکھایا کہ جو دِل کے غریب ہیں، جو غمگین ہیں، جو حلیم ہیں، جو راست بازی کے بھُوکے اور پیاسے ہیں جو رحمدل ہیں، جو پاک دِل ہیں، جو صُلح کرانے والے ہیں، اور جو راستبازی کے سبب ستائے جاتے ہیں وُہ مُبارک ہیں۔

پس مسیح کی مُنادی کا اصل مُدعا یہ تھا کہ لوگ جان جائیں کہ خُدا کی بادشاہی کا کیا مطلب ہے اور کہ جو لوگ، اس بادشاہی میں دخل پاتے ہیں اُن کی سیرت کیسی ہوتی ہے اور اُن کو اپنے آسمانی باپ کی محبت اور قُربت سے کیسی برکت ملتی ہے اور آنے والی دُنیا میں اُن کے لئے کیسی خُوشیاں موجود ہیں اور اُس نے یہ بھی دکھایا کہ جس مذہب کی مَیں تلقین کرتا ہُوں اُس میں اور تمہارے موجودہ مذہب میں کیا فرق ہے۔ تُمہارے موجودہ مذہب میں رُوحانیت کا نام و نشان نہیں پایا جاتا اور سیرت کے عوض میں چند خارجی رسُوم کی پیروی پر قناعت کی جاتی ہے۔ مسیح ہر رُتبہ اور درجہ کے لوگوں کو اس بادشاہی میں شامل ہونے کی دعوت دیتا تھا۔ دولتمندوں کو دعوت دیتے وقت یہ بتاتا تھا (جیسا کہ "دولتمند اور لعاذر" کی تمثیل سے آشکارا ہے) کہ دولت میں حقیقی آرام و راحت کو تلاش کرنا بُطلان کی دلیل اور خطرہ کا مُوجب ہے اور جب تنگدست غریبوں کو بُلاتا تھا تو اُن پر اُن کے انسانی جوہر کی

عظمت کو ظاہر کیا کرتا تھا اور پُر محبت اور پُر تاثیر الفاظ سے اُن کو سمجھایا کرتا تھا کہ جو حقیقی دولت ہے وُہ سیرت کے خزانوں میں جمع ہے اور اُنہیں یقین دلاتا تھا کہ اگر تُم پہلے آسمان کی بادشاہی کو ڈھونڈو تو تُمہارا آسمانی باپ جو ہَوا کے پرندوں کو کھلاتا اور جنگلی سوسنوں کو پہناتا ہے تُمہیں کبھی محتاجی کی حالت میں نہ چھوڑے گا۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ اپنی مُنادی کا مرکز اور اپنی تعلیم کی جان وُہ آپ ہی تھا جس نئے زمانے کا ذِکر اُوپر ہُوا وُہ خود اُسی میں موجود تھا۔ وُہ نہ فقط اُس کی خبر دینے والا تھا بلکہ اُسے وجود میں لانے والا بھی تھا اور وُہ سیرت جس کے سبب سے انسان اُس بادشاہی میں داخل ہو سکتا اور اُس کے حقوق میں شراکت پیدا کر سکتا ہے اُسی سے ملتی ہے لہٰذا اُس کی ہر نصیحت آمیز تقریر کا اصل مُدعا یہ تھا کہ لوگ اُس کے پاس آئیں۔ اُس سے سیکھیں اور اُس کی پیروی اختیار کریں "اے تُم لوگو! جو تھکے اور بڑے بوجھ سے دبے ہو میرے پاس آؤ"۔ اُس کی نصیحتوں کا لُب لُباب اور اُس کی تقریروں کا خلاصہ مطلب اُنہیں الفاظ میں جمع ہے۔

مسیح کی تقریروں کے ملاحظہ سے ایک بڑی غور طلب بات نظر آتی ہے اور وُہ یہ ہے کہ جن خاص مسیحی مسائل کا ذِکر پولُوس کے خطوط میں پایا جاتا ہے اور جن کو آج خُدا پرست اور روشن ضمیر مسیحی مان رہے ہیں وُہ مسیح کی تقریروں میں صاف صاف دکھائی نہیں دیتے ہیں۔ یہ کمی خصوصاً دو مسئلوں کے متعلق دیکھنے میں آتی ہے۔ اوّل اُس تعلیم کے متعلق جس کی رُو سے گنہگار خُدا سے میل پیدا کرتا ہے دوم۔ اُس طریق کے بارے میں جس کے وسیلے سے معافی یافتہ انسان کے اندر وُہ

سیرت پیدا ہوتی ہے جو مسیح کی سیرت کی مانند ہوتی اور باپ کو پسند آتی ہے۔ پر اس معاملے میں بڑی خبرداری سے کام لینا چاہیئے کیونکہ ممکن ہے کہ اس کمی کی نسبت ایسا مبالغہ کیا جائے کہ ہم کو مجبوراً یہ ماننا پڑے کہ ان تعلیمات کا نام ونشان بھی مسیح کی تقریروں میں نہیں ملتا حقیقت یہ ہے کہ پولُوس رسُول کسی مسئلہ یا تعلیم کو پیش نہیں کرتا جس کا تخم مسیح کے کلام میں نہیں پایا جاتا پھر بھی یہ ماننا پڑتا ہے کہ دونوں کے بیانوں میں ایسا فرق پایا جاتا ہے کہ مسیح کے بیان کے اختصار اور رسُول کے بیان کی تفصیل کا مُقابلہ کر کے بعض لوگ یہ کہہ اُٹھتے ہیں کہ جو تعلیمات تُم اب مان رہے ہو، وُہ پولُوس کی ساختہ ہیں، مسیح کے کلام میں نہیں پائی جاتی ہیں۔ لیکن اصل شرح اس معمے کی اور ہی ہے۔ مسیح محض معلّم نہ تھا۔ اُس کی سیرت اُس کی تعلیم پر فوقیت رکھتی تھی اور اسی طرح اُس کا کام بھی اُس کی تعلیم پر فائق تھا اور اُس کے کام کا سب سے بڑا حصّہ یہ تھا کہ وُہ صلیب پر چڑھ کر دُنیا کے گُناہوں کا کفّارہ دے۔ لیکن اُس کے پیرو جو ہر دم اُس کے ساتھ رہتے تھے نہیں ماننا چاہتے تھے کہ اُس کو مرنا پڑے گا۔ پس اُس کے مرنے سے پہلے اُس کی موت کا گہرا اور عمیق مطلب سمجھنا مُشکل تھا۔ اب جن مسئلوں کا ذِکر پولُوس رسُول کے خطوط میں پایا جاتا ہے، وُہ صرف دو بڑے بڑے واقعات کی شرح ہیں اُن میں سے ایک مسیح کی موت اور دوسرا سرفرازِ نجات دہندہ کی طرف سے رُوح القُدس کا بھیجا جانا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ یہ باتیں مسیح کے کلام میں بہت جگہ نہیں لے سکتی تھیں کیونکہ وُہ ابھی واقع نہ ہوئی تھیں مگر اُن کے الہامی مطالب کے اظہار کو دبانا گویا

انجیل کے چراغ کو بجھانا اور مسیح کو اُس کے اعلیٰ جلال سے محروم رکھنا ہے۔

جو لوگ مسیح کی باتیں سُننے آتے تھے وہ مختلف طبیعت اور مزاج کے لوگ تھے اور اُن کا شمار کبھی زیادہ اور کبھی کم ہوتا تھا اور جس جگہ اُس کو موقع ملتا تھا وہیں اُن کی طرف مخاطب ہو کر اُن کو سکھلانے لگ جاتا تھا۔ کبھی پہاڑ پر چڑھ کر، کبھی سمندر کے ساحل پر کھڑا ہو کر کبھی راستہ میں، کبھی عبادت خانہ میں اور کبھی ہیکل کے صحن میں جا کر لوگوں کو تعلیم دیا کرتا تھا۔ لیکن یہ بھی یاد رہے کہ وہ نہ صرف بڑی بڑی جماعتوں کے سامنے بولا کرتا تھا بلکہ اگر اُس کو کسی جگہ ایک یا دو شخص مل جاتے تھے تو اُن کے ساتھ بھی اُسی سرگرمی سے کلام کیا کرتا تھا، غرضیکہ کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ ایک دفعہ بہت تھکا ہوا تھا مگر پھر بھی سامریہ کے کنوئیں پر ایک عورت کو رُوحانی تعلیم دیتا رہا۔ اسی طرح نیکدیمس کو بھی جو اکیلا اُس کے پاس آیا تھا اپنی زبان مُعجز بیان سے رُوحانی اسرار کی باتیں سُناتا رہا۔ مریم بھی کبھی کبھی اکیلی اُس کے پاؤں کے پاس بیٹھ کر اُس کی زندگی بخش باتیں سُنتی تھی۔ انجیل میں اس قسم کی تنہائی کی مُلاقاتوں کا اُنیس مرتبہ ذکر آیا ہے اور وہ اُس کے شاگردوں کے لئے ایک عُمدہ نمونہ ہیں کیونکہ یہ طریقہ اُن تمام طریقوں سے جو تعلیم دینے میں کام آتے ہیں شاید سب سے زیادہ مؤثر اور کارگر ہوتا ہے اور نیز اس سے واعظ کی سرگرمی کا پتہ ملتا ہے کیونکہ جو شخص ہزاروں کے مجمع کے سامنے جوش اور سرگرمی سے کلام کرتا ہے اور جب سامعین کا شمار کم ہو جاتا ہے تو اُس کے جوش کی آگ بھی بجھ جاتی ہے تو وہ محض اپنی فصاحت دکھانے کا شائق ہے لیکن جو شخص موقع ڈھونڈتا پھرتا ہے کہ جو کوئی اُسے ملے اُسی کو

اُس کی رُوح کی نجات کا مژدہ دے وہ درحقیقت رُوحوں کی بھلائی چاہتا ہے اور اُس کے دل میں فی الحقیقت آسمانی جوش کی آگ جل رہی ہے۔

اکثر اوقات اُس کے کلام کو سُننے کے لئے صرف اُس کے شاگرد ہی جمع ہوتے تھے۔ لیکن اُس کی مُنادی کا اثر سُننے والوں پر یکساں نہیں ہوتا تھا۔ اُس نے خود "بیج بونے والے" اور "گیہوں اور کڑوے دانے" اور "شاہانہ شادی کی ضیافت" کی تمثیلوں کے وسیلے سے بڑی صفائی سے ظاہر کر دیا کہ سُننے والوں پر میرے کلام کا اثر مختلف صُورتوں میں ہوتا ہے۔ چنانچہ بعض لوگ اُس کی تقریر سُن کر مطلق پروا نہیں کرتے تھے اور بعض حیرت سے سُنتے تھے مگر اُن کے دِل پر کچھ اثر نہیں ہوتا تھا اور بعض کچھ عرصہ کے لئے متاثر ہوتے تھے مگر تھوڑی دیر کے بعد پھر پُرانی عادتوں میں گرفتار ہو جاتے تھے اور جب ہم اِس بات پر غور کرتے ہیں کہ خُدا کے بیٹے کے کلام کو سُن کر بھی بہت تھوڑے لوگ ایمان لاتے تھے تو ایک ہیبت سی چھا جاتی ہے۔ جو لوگ اُس کی مُنادی سُن کر اُس پر ایمان لاتے تھے وہ اُس کے شاگرد کہلاتے تھے۔ وہ اکثر اُس کا کلام سُننے کو اُس کے پاس جمع ہو جاتے تھے اور وہ بار بار اُن کے ساتھ خلوت و جلوت میں ہمکلام ہُوا کرتا تھا۔ وہ پانچ سو شاگرد جنہوں نے اُس کو مُردوں میں سے جی اُٹھنے کے بعد دیکھا، غالباً اُسی قسم کے لوگوں میں سے تھے۔ اِن میں کئی عورتیں بھی شامل تھیں مثلاً مریم مگدلینی اور یوآنہ اور سوسناہ جو اپنے مال سے اُس کی خدمت کیا کرتی تھیں۔ وہ عوام کی نسبت اِن شاگردوں کو خاص طور پر اپنی تعلیمات سے آگاہ کیا کرتا تھا مثلاً جو کچھ اُس کی پبلک تقریروں میں بعید الفہم معلوم ہوتا تھا وہ اُسے خلوت میں اُن

سب کے سامنے حل کر دیا کرتا تھا۔ کئی دفعہ اُس نے یہ کہا کہ میں تمثیلوں میں اس لئے بولتا ہوں کہ لوگ سُنیں پر نہ سمجھیں۔ اِس کا یہ مطلب ہے کہ جو لوگ اُس سچائی سے جو وُہ بیان کیا کرتا تھا کُچھ دلچسپی نہ رکھتے تھے وُہ اُس کی بات کو تو سُنتے تھے مگر صرف ایک خُوبصورت چھلکا اُن کے ہاتھ آتا تھا مگر مغز سے محرُوم رہتے تھے۔ یہی رازداری جو بے پرواؤں کو خالی ہاتھ لوٹا دیتی تھی ایمان داروں کے لئے مزید تحقیق کا باعث ٹھہرتی تھی اور جس طرح کسی خُوبصورت چہرہ کو جس کا نصف حصّہ نقاب کے نیچے چھپا ہُوا ہوتا ہے دیکھنے کی آرزُو از حد دامن گیر ہوتی ہے اُسی طرح اُن کے دل میں یہ شوق پیدا ہوتا تھا کہ جن باتوں پہ بھید کا نقاب پڑا ہُوا ہے، اُن کا مطلب اُن پر صاف صاف کھُل جائے اور وُہ اِن لوگوں کو جو معرفت کا ایسا اشتیاق رکھتے تھے اُن کے پوشیدہ معنی سے واقف کر دیتا تھا۔ جب قوم اُس کو رَدّ کر بیٹھی اور اس بات میں قاصر نکلی کہ مسیح کے کام اور تعلیم کی تاثیرات کو دُنیا کے کناروں تک پہنچائے تو یہی لوگ اُس رُوحانی سوسائٹی کی بُنیاد بنے جو مُلکی قیوُد اور خاندانی اور قومی امتیازات کے بندھنوں سے آزاد تھی اور جس کے وسیلے سے مسیح کی رُوح اور تعلیم کو دُنیا میں پھیلنا اور قائم رہنا تھا۔

رسُولوں کی جماعت

شاید یہ بہتر ہوگا کہ ہم رسُولوں کے چُننے کا ذکر مسیح کے مُعجزات اور تعلیم کے ساتھ ساتھ یہیں کر دیں کیونکہ ہم رسُولی عُہدے کے تقرّر کو وُہ تیسرا طریقہ قرار دے سکتے ہیں جس کے وسیلے سے اُس نے اپنے کام کو انجام دیا۔

وُہ بارہ اشخاص جو اس عُہدے پر سرفراز ہُوئے شروع میں عام شاگردوں کے زُمرہ میں شامل تھے اور جن لوگوں نے اُس کے کام کے پہلے سال میں اُس کی پیروی اختیار کی وُہ بھی شاگرد کہلاتے تھے۔ لیکن جب اُس نے اپنا کام تکمیل میں شروع کیا تو ان بارہ آدمیوں کو ایک خاص قسم کی قُربت سے سرفراز فرمایا یعنی اُنہوں نے اپنے معمُولی کاروبار کو چھوڑ کر ہر دم اُس کی صُحبت میں رہنا اختیار کیا اور پھر کُچھ عرصہ کے بعد یہ مسیحی قُربت اپنی تیسری اور آخری منزل پر جا پہنچی یعنی وُہ لوگ رسُولی عُہدے سے ممتاز کئے گئے۔

جب اُس نے دیکھا کہ میرا کام بڑھتا جاتا ہے اور اُسے پُورا کرنا لازمی امر ہے لیکن میں اکیلا اُسے کر نہیں سکتا تو اُس نے اُن لوگوں کو رسالت کے عُہدے پر سرفراز فرما کر اپنا مددگار بنایا اور اُنہیں بھیجا کہ جا کر اُس کی تعلیم کی سادہ سادہ باتیں لوگوں کو سکھائیں اور اس کام کی انجام دہی کے لئے اُن کو وُہی مُعجزانہ طاقت مرحمت فرمائی جس سے خُود مالا مال تھا۔ اس طرح کئی جگہ جہاں وُہ عدم فُرصتی کے سبب خود نہیں جا سکتا تھا، انجیل کی مُنادی کی گئی اور کئی بیمار جو اُس کے پاس نہیں آ سکتے تھے شفایاب ہُوئے۔ لیکن اِن لوگوں کے چُننے میں اس سے بھی گہرے مقاصد اور وسیع نتائج مدِ نظر تھے۔ اُس کا کام سب زمانوں اور تمام دُنیا کے لئے تھا، لہٰذا وُہ ایک شخص کی مُدّتِ عُمر میں پُورا نہیں ہو سکتا تھا اور اُس نے اس بات کو پہلے ہی سے دیکھ لیا، لہٰذا ان لوگوں کو چُن کر اس بات کا انتظام کیا کہ وُہ اُس کے بعد اُس کی تجاویز کی پیروی کریں اور اُس کے کام اور تعلیم کی تاثیرات کو دُنیا کے ہر کونے اور

ہر گوشے تک پہنچائیں۔ اُس نے اپنے دستِ مبارک سے کوئی کتاب
نہیں لکھی۔ ناممکن نہیں کہ ہمارے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ اگر وُہ
اپنے خیالات کو خود رقم کرتا تو اُس کے نام اَور کام کو بقائے دوام حاصل
ہوتی اَور دُنیا کے ہاتھ میں اُس کی ایک کامل تصویر آجاتی اَور شاید ہم اس
بات کو سوچ کر شوق سے بھر جاتے اَور بے ساختہ بول اُٹھتے کہ اُس
کے ہاتھ کا لکھا ہُوا رسالہ ہمارے لئے بے قیاس دولت کا خزانہ ہوتا۔
لیکن اُس بے نظیر حکیم نے اس قسم کے کام میں ہاتھ لگانا مناسب نہ جانا
بلکہ یہ بہتر سمجھا کہ اپنے مرنے کے بعد اپنی تصنیف کردہ کتابوں کے عوض
میں برگزیدہ اشخاص کی زندگیوں میں جیتا رہے لیکن جب ہم اُن لوگوں کی
طرف دیکھتے ہیں جنہیں اُس نے ایسے بڑے کام کے لئے چُنا تو ہم کو حیرت
ہوتی ہے، کیونکہ وُہ عالی خاندان ہونے کا فخر نہ رکھتے تھے اَور نہ سرمایۂ علم
سے بہرہ ور تھے لازم تھا کہ قوم کے رہبر اَور پیشوا اپنے مسیح کی خدمت میں
کام آتے پر اُنہوں نے اپنی سخت دلی کے وسیلے سے ظاہر کر دیا کہ ہم اِس
خدمت کے لائق نہیں۔ لیکن وُہ اُن کی مدد کا طالب نہ تھا اَور چونکہ وُہ ہمیشہ
سیرت کی خُوبیوں سے کام لیا کرتا تھا اَور سیرت دُنیوی جاہ و جلال اَور
علمی لیاقت اَور کمال کی مقید نہیں ہوتی لہٰذا اُس نے بے ہچکچاہٹ اپنا
سارا کام بارہ سیدھے سادے اشخاص کے ہاتھ میں سونپ دیا جنہیں نہ
خاندانی فخر اَور نہ علمی لیاقت کا ناز تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے یہ
انتخاب کئی دِنوں کی سوچ اَور فکر اَور رات بھر کی دُعا و مناجات کے بعد
کیا تھا اَور اِس انتخاب نے بعد میں ثابت کر دیا کہ اُس نے اس امر میں
ایسی باریک بینی سے کام لیا جو سیرت انسانی کی تہ کو پہنچ جاتی ہے۔

چنانچہ جس مقصد کے پُورا کرنے کے واسطے یہ لوگ چُنے گئے تھے اُس
کے لئے نہایت موزُوں نکلے اَور ہم جانتے ہیں کہ اُن میں سے کم از کم
یعنی یُوحنّا اَور پطرس (کیونکہ اُن کا کسی قدر مفصّل حال ہمارے پاس موجود
ہے) اعلیٰ قسم کی لیاقتوں کے آدمی ثابت ہُوئے۔ اِن بارہ میں سے ایک
بے وفا نکلا۔ اُس کے انتخاب کے بارے میں طرح طرح کی تشریحیں پیش
کی گئی ہیں۔ پر یہ ایک ایسا عُقدہ ہے جو پُورے طور پر حل نہیں ہُوا اَور
نہ ہو سکے گا۔ لیکن یہ کہنا عین انصاف ہے کہ ایسے اشخاص کو جو شروع
میں بالکل نالائق معلوم ہوتے تھے بعد میں کامیابی کے تاج سے تاجدار
ہُوئے چُن لینا ایک ایسا واقعہ ہے جو ہمیشہ بادشاہی ستونوں کی طرح
اس بات پر شہادت دیتا رہے گا کہ مسیح لکیر کا فقیر نہ تھا بلکہ ساری باتیں
ایسی تازگی اَور نئے پن سے کرتا تھا کہ اُن میں ذرا بوسیدگی کی بُو نہیں آتی۔
اب اگر ہم صرف یہی بتا کر خاموش ہو جائیں کہ مسیح نے اپنی باریک
بینی سے جان لیا کہ یہ لوگ کچھ عرصہ کے بعد میرے کام کو بخُوبی انجام دیں
گے تو اُس رشتہ کا جو وُہ اپنے شاگردوں کے ساتھ رکھتا تھا پُورا پُورا
حال نہ کھُلے گا۔ پس چند اَور باتوں کا ذکر کرنا ضرُوری معلوم ہوتا ہے۔
اِن لوگوں نے مسیحی کلیسیاؤں کے قائم کرنے میں گویا ایک ایسے کام
کو پُورا کیا جس کی عظمت کا اندازہ لگانا انسان کے وہم سے بعید ہے
اَور ہم کہہ سکتے ہیں (گو یہ خیال اُن کے دل میں کبھی نہ آیا ہو) کہ
وُہ تختوں پر بیٹھے موجُودہ دُنیا پر حکمرانی کر رہے ہیں یا یُوں کہیں کہ
جب ہم لَوٹ کر دیکھتے ہیں تو وُہ ہمیں ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ گویا
عالی شان ستونوں کی قطار کی طرح آسمان سے باتیں کر رہے ہیں، پر وُہ

نور جس سے ملبّس ہو کر یہ عظیم الشّان ستون چمک رہے ہیں اُسی چشمۂ
نُور سے نکلتا ہے جس سے اُنہیں چُنا تھا۔ اُسی نے اُن کو وُہ عظمت
بخشی جو دُنیا کے داناؤں کو حیران کرتی ہے اور اُن کی عظمت اُسی
کی عظمت کو ثابت کرتی ہے۔ کیا اُن کو دیکھ کر یہ خیال نہیں آتا کہ وُہ
جس نے اِن لوگوں کو ایسی خُوبصُورت اور مضبوط سیرت عطا فرمائی اور
ایسے جلیل القدر کام کے لائق بنا دیا، خُود کیا ہوگا؟ شروع میں وُہ
حد درجہ کے گنوار اور جسمانی مزاج کے آدمی تھے۔ کیا اُن سے اِس بات
کی کوئی اُمّید کی جا سکتی تھی کہ وُہ کبھی اُس کی الٰہی تجویزوں کی خُوبی کو
پہچان سکیں گے یا اُس کے کام کو اُس کے بعد انجام دیں گے اور اُس کی
سیرت کا ایک سچا نمونہ آنے والی پُشتوں کے حوالے کریں گے لیکن اُس
نے محبّت بھری برداشت کے ساتھ اُن کی تربیت کی۔ بڑی بُردباری
سے اُن کی دُنیوی اُمیدوں کی اصلاح اور اُن غلط فہمیوں کی جو اُس کے
کلام کے نہ سمجھنے سے پیدا ہوتی تھی تصحیح کی اور چونکہ وُہ جانتا تھا کہ اِن لوگوں
کو آئندہ بڑی بڑی مہمات کو طے کرنا اور اہم خدمات کو انجام دینا
ہے اس لئے وُہ اُنہیں دم بھر بھی اپنے سے جُدا نہ کرتا تھا بلکہ ہر وقت
اُن کی تربیت میں لگا رہتا تھا۔ چنانچہ باقی شاگردوں کی نسبت یہ لوگ
زیادہ اُس کی صُحبت میں رہتے تھے اور جو کچھ وُہ کرتا تھا اُسے دیکھتے
تھے اور جو کچھ وُہ کہتا تھا اُسے سُنتے تھے۔ بعض اوقات وُہ صرف
اُنہیں سے ہم کلام ہُوا کرتا تھا اور آسمانی صداقتوں کے بھید اور جلال
کو اُن پر ظاہر اور سچائی کا تخم اُن کے دِلوں میں بویا کرتا تھا جو وقت اور
تجربہ کی مدد سے اپنے وقت پر بہت سا پھل لایا۔ لیکن جو بات اُن کی

تربیّت میں بہُت کام آئی وُہ یہ تھی کہ اُس کی سیرت کا اثر اُن پر نادیدنی
اور خاموش طور پر پڑتا رہا۔ گو اُس وقت کسی نے اس بات کو محسوس نہ کیا
پر اس میں شک نہیں کہ اِس سے بڑے بڑے نتیجے پیدا ہوئے۔ اِس
اثر نے اُن کو رفتہ رفتہ اُس کی صُورت میں تبدیل کر دیا۔ یہی وُہ بات
تھی جس نے اُن کو ایسا مُقدّس بنایا جیسے وُہ اب نظر آتے ہیں اور
اگر اُس کو پیار کرنے والے اُن بزرگ رسُولوں کو کسی بات کے سبب
رشک کی نظر سے دیکھتے ہیں تو وُہ یہی ہے کہ اُن کو اُس کی سیرت
کا جمال دیکھنے کا موقع نہیں مِلا۔ ہم اُس کی بے نظیر سیرت کی خوبیوں
کو دُور ہی سے دیکھ کر اُن پر قُربان ہوتے اور گر گر کر سجدہ کرتے ہیں
گر وُہ لوگ نزدیک سے دیکھتے تھے اور اُنہیں اُس کی زندگی میں
گُندھی ہُوئی دیکھنا اور کئی سال تک اُن کے زور اور اثر کو محسوس
کرنا واقعی عجیب لُطف رکھتا ہوگا۔ کیا ہمیں اُس نادر سیرت کے
خد و خال یاد ہیں جس کے جلال کو اِن رسُولوں نے دیکھا اور جس کی
قُدرت نے اُن کی سیرت کو عجیب سانچے میں ڈھالا۔

مسیح کی سیرت:۔ ہم نے اُوپر دکھا دیا کہ مسیح میں بہ حیثیت معلّم
ہونے کے کون کون سی صفتیں پائی جاتی تھیں۔ اب ہم اُس کی انسانی
سیرت پر چند سطور ہدیۂ ناظرین کریں گے اور پہلی بات جو اِس
کے متعلق بہُت عیاں دکھائی دیتی ہے یہ ہے کہ وُہ اپنی زندگی
کے مقصد کو خُوب پہچانتا تھا۔ یہ شناخت یا احساس جا بجا اُس کے
کلام اور کام سے ٹپکتا ہے۔ ایسا معلُوم ہوتا ہے کہ گویا اُس کی زندگی
کا مقصد جو ہمیشہ اُس کی آنکھوں کے سامنے چمکتا تھا ہر فعل میں

اُس کی رہنمائی کرتا اور ہر مہم کو ہاتھ لگانے میں اُسے عجیب قدرت اور طاقت بخشتا تھا۔ دُنیا میں بے شمار زندگیاں بے مقصد اور بے مصرف نظر آتی ہیں۔ وہ مختلف کیفیتوں سے پُر ہوتی ہیں اور طبعی خواہشات کے اثر سے متاثر ہو کر حرکت میں آتی ہیں یا سوسائٹی کی چند روزہ لہروں سے ہم کنار ہو کر بہ جاتی ہیں لیکن مسیح ایک خاص غرض اور خاص مقصد کے لئے آیا تھا اور وہ مقصد رنج و راحت میں برابر اُس کی آنکھوں کے سامنے چمکتا رہتا تھا مثلاً وہ اکثر کہا کرتا تھا "میرا وقت ابھی نہیں آیا"۔ گویا اس سے یہ پتہ دیتا تھا کہ میری زندگی کے ہر لمحہ اور ہر لحظہ کے ساتھ ایک خاص کام واسطہ رکھتا ہے جو اسی لمحہ میں ہونا چاہیئے۔ اس وقت کی پابندی سے دو باتیں پیدا ہو گئیں۔ ایک یہ کہ وہ ہر کام سرگرمی سے کیا کرتا تھا اور دوسری یہ کہ اُس کی انجام دہی کو کبھی ٹال مٹول میں نہیں ڈالا کرتا تھا اور پھر ان عادات سے یہ نتیجہ بھی پیدا ہوا کہ اُس کی قوت کبھی منتشر نہیں ہونے پاتی تھی اور نہ وہ اُس غفلت میں گرفتار ہوتا تھا جو چھوٹی چھوٹی باتوں کو فضول سمجھ کر نظر انداز کر دیتی ہے پس اس مقصد شناسی کی وجہ سے اُس کی زندگی کے مختلف کاموں میں ایک قسم کا اتحاد پایا جاتا تھا۔

ایک اور صفت جو اُس میں کثرت سے پائی جاتی تھی اور صفت مذکورہ بالا سے ایک گہرا رشتہ رکھتی تھی یہ تھی کہ اُسے اپنی کامیابی کا پورا پورا یقین تھا، اس لئے نہ تو وہ وسائل کی چنداں فکر کرتا تھا اور نہ مخالفت سے ڈرتا تھا۔ اگر ہم ذرا غور کر کے دیکھیں کہ اُسے ایک

عظیم کام کو انجام دینا تھا اور اپنی قوم کی اصلاح کرنا اور ایک ایسی مذہبی تحریک کو وجود میں لانا تھا جو گویا ہمیشہ تک قائم رہنے اور دُنیا کے کناروں تک پہنچنے والی تھی۔ پھر اگر اسی طرح ہم اُس مخالفت پر بھی نظر ڈالیں جو اُس کے مذہب کی ترقی کی ہر منزل پر برپا ہونے کو تھی اور اس بات کو بھی یاد رکھیں کہ انسان ہونے کے اعتبار سے وہ کسی طرح کی غیر معمولی قدرت اور طاقت نہیں رکھتا تھا، کیونکہ وہ محض ایک اَن پڑھ آدمی تھا۔ ہاں اگر ہم ان سب باتوں پر نظر ڈالیں تو اُس کا بھروسہ جس میں بے چینی اور ڈانواں ڈولی کو بالکل جگہ نہ تھی، ایک نہایت حیرت خیز بات معلوم ہوگی، اگر اس سے بھی زیادہ حیرت خیز کوئی بات ہے تو اُس کی کامیابی ہے۔ انجیلوں کے پڑھنے کے بعد ہم متعجب ہو کر پوچھتے ہیں کہ اُس میں کیا تھا اور اُس نے کیا کیا جو تمام دُنیا اُس سے مغلوب ہو رہی ہے۔ اُس نے اس نتیجہ کو پیدا کرنے کے لئے کوئی بھاری تیاری نہیں کی تھی، ہم جانتے ہیں کہ وہ اپنے کام کی انجام دہی میں اس بات کا محتاج نہ تھا کہ پہلے عزت اور علم اور دولت اور اختیار والوں کو اپنا معتقد بنائے اور پھر اُن کے وسیلے سے دُنیا کو فتح کرے۔ یہ سچ ہے کہ اُس نے اُس کلیسیا کو اپنی عین حیات میں قائم کر دیا تھا مگر یہ بھی سچ ہے کہ اُس نے اُس کلیسیا کی خاصیت اور انتظام کے متعلق بہت کچھ نہیں بتایا تھا۔ ہاں اُس نے کوئی ایسی تیاریاں نہیں کی تھیں جیسی اکثر وہ لوگ کیا کرتے ہیں جو مشکل خدمات اور اہم مہمات کو ہاتھ لگانا چاہتے ہیں۔ وہ بھروسے اور خاص ایمان سے کام کیا

کرتا تھا نہ تدبیروں کے اُدھیڑبُن میں پھنستا اور نہ ساز و سامان کی تیاریوں کی اُلجھنوں میں گرفتار ہوتا تھا بلکہ ہمتِ مردانہ کے ساتھ آگے بڑھ کر کام کو ہاتھ لگاتا تھا۔ یہی وہ صفت تھی جس کی نسبت اُس نے کہا کہ وہ پہاڑوں کو اُن کی جگہ سے ہٹا سکتی ہے۔ یہی وہ "منادی کی بیوقوفی" تھی جس پر پولُوس فخر کرتا تھا۔ جس کی ظاہری بے سروسامانی کو لوگ مضحکہ میں اُڑاتے تھے۔ لیکن اُسی کے حصّہ میں یہ بات آئی تھی کہ یونانی اور رُومی دُنیا کو فتح کرے۔

ایک اور صفت اُس میں یہ تھی کہ وہ تازہ خیال اور تازہ بیان آدمی تھا۔ انگریزی میں اس صفت کو اُرجنالیٹی کہتے ہیں۔ اس کا مطلب ذیل کے بیان سے بخوبی ظاہر ہو جائے گا۔ بہت سے لوگ اُن حالات اور واقعات کی پیدائش ہیں جن کا دور دورہ اُن کے زمانے میں ہوتا ہے یا یُوں کہیں کہ وہ اُن بے شمار لوگوں کی جو اُن کے زمانے میں موجود ہوتے ہیں یا جو اُن سے پہلے گزر گئے ہیں ایک نقل سی ہوتے ہیں۔ جس مُلک میں ہم رہتے ہیں اُس کی عادتیں اور اُس کی رسمیں، جس پُشت سے ہم علاقہ رکھتے ہیں اُس کے مذاق اور اُس کے فیشن، جو تعلیم ہم نے حاصل کی ہے اُس کی روایتیں، جس جماعت سے ہم وابستہ ہیں، اُس کے تعصبات اور جس فرقے کے ہم پیرو ہیں اُس کے خیالات، یہ سب باتیں مل کر ہمیں اپنے سانچے میں ڈھالتی ہیں۔ ہم وہی کام کرتے ہیں جو اتفاقی واقعات یا موجودہ حالات کی کیفیتیں ہمارے لئے تجویز کرتی ہیں۔ ہم جن باتوں کو مانتے ہیں، اُنہیں اس لئے مانتے ہیں کہ خارجی باتوں کا

زور اور لحاظ ہمیں مجبور کرتا ہے کہ ہم اُنہیں مانیں، نہ اس لئے کہ باطن میں اُن کی حقیقت ہم پر درخشاں ہوتی ہے یا یُوں کہیں کہ وہ رائیں جنہیں ہم اپنی بتاتے ہیں اُن کے ٹکڑے ہَوا کے ہر جھونکے میں اُڑتے ہُوئے ہمارے پاس آتے ہیں اور ہم اُنہیں لے کر اپنی رائیں بناتے ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ لیسُوع مسیح کو کن حالات نے ایسا انسان بنایا جیسا کہ وہ تھا۔ جس زمانہ میں وہ موجود تھا اُس سے بڑھ کر اور کوئی زمانہ خشک اور بنجر نہ تھا۔ وہ اُس نخل کی طرح تھا جو ریگستان میں تنہا دکھائی دیتا ہے۔ ناصرتؔ کے ناچیز باشندوں میں کون سی ایسی چیز تھی جو ایسی عظیم الشّان سیرت پیدا کرتی؟ کس طرح وہ جگہ جو بدی کے لئے ضرب المثل تھی، ایسی مجسّم پاکیزگی دُنیا کے نمونہ کے لئے پیدا کر سکتی تھی؟ ممکن ہے کہ کسی فقیہ نے اُسے معرفت کی ابجد بتائی ہو، مگر اُس کی تعلیم فقیہوں کی تعلیم کے بالکل برعکس تھی اور اُس کی آزاد رُوح کبھی مختلف فرقوں کے خیالات کے پنجہ میں گرفتار نہیں ہُوئی تھی۔ اُس شور اور غُل کے درمیان جس نے اُس زمانے کے کان بھر رکھے تھے اُس نے کس طرح سچّائی کی آواز کو سُنا جو اُن صداؤں سے جو چاروں طرف سے اُٹھ رہی تھیں بالکل مختلف تھی؟ اور کس طرح بناوٹی دینداری سے مُنہ پھیر کر حقیقی اور خوبصورت دینداری کو دیکھا جس کی بے قدری ہو رہی تھی؟ پس جو باتیں اُس کے زمانے میں پائی جاتی تھیں، اُن میں سے کسی کی نسبت یہ نہیں کہہ سکتے کہ فلاں بات نے لیسُوع کو ایسا بنایا جیسا کہ وہ تھا بلکہ ہم اُس کی حقیقت کو اپنی زبان میں

اچھی طرح بیان بھی نہیں کر سکتے جس طرح چھوٹا پودا باطن سے باہر کی طرف اُگتا یا پھُوٹ نکلتا ہے اُسی طرح اُس کی اندرُونی طاقتوں نے بیرونی اظہاروں میں اپنا جلوہ دِکھایا۔ وُہ آپ اپنی آنکھ سے فطرت اور زندگی کے نظاروں پر غور کیا کرتا تھا اور کبھی اپنی باریک بین نگاہ کو دُوسروں کی اصلاح اور اصلاح پر نہیں چھوڑتا تھا اور جیسی رعایت سچائی کی اپنی تحقیقات میں کیا کرتا تھا ویسی ہی اُس کی پاسداری اپنے بیان میں بھی کیا کرتا تھا۔

چنانچہ وُہ بڑی دلیری اور جرأت سے اُن باتوں کو جنہیں راست سمجھتا تھا بیان کر دیا کرتا تھا خواہ اُن کے وسیلے سے موجُودہ دستُوروں اور عقیدوں اور رسموں کی بُنیادیں ہلیں اور وُہ خیالات جُنبش میں آئیں جو عام لوگوں کے دِلوں میں جمع ہوگئے ہوئے تھے۔ اُس کی قوم ایسی بنجر اور شور خُوردہ زمین کی مانند تھی جس سے کسی طرح کے سبزے کی اُمید نہیں ہوتی مگر وہ مُوسیٰ اور نبیوں کے صحائف کی طرف متوجّہ ہو کر اپنے خیالات کو تر و تازہ کرتا تھا۔ مگر اس میں شک نہیں کہ گو وُہ اِن بزُرگوں کی بڑی قدر کرتا اور بڑے ادب اور عزّت سے اُن کی کتابوں کو پڑھتا تھا تو بھی بڑی آزادی اور دلیری سے اُن کے مطالب بیان کیا کرتا تھا۔ چنانچہ وُہ اُن خیالات کو جو بیج کی طرح اُن کے کلام میں پوشیدہ تھے کھول کر ایک مکمل صُورت میں پیش کر دیا کرتا تھا مثلاً دیکھیئے کہ پُرانے عہد کے خُدا اور اُس آسمانی باپ میں جسے اُس نے ظاہر کیا تکمیلِ مکاشفہ کے اعتبار سے کیسا فرق ہے اور اسی طرح ہیکل اور اُس کے کاہنوں اور خُون آلُودہ قربانیوں

میں اور اُس عبادت میں جس کی ہدایت اُس نے اِس طرح کی کہ وُہ رُوح اور راستی سے ہونی چاہیئے کیسا عجیب مقابلہ پایا جاتا ہے، اور شریعت کی وُہ قومی اور رسمی نیکی جس پر یہودی فدا تھے، اس نیکی سے جو ضمیر اور دِل سے برآمد ہوتی ہے کیسی دُور ہے۔ بس یسُوع اپنی اُمرِ جنابیتی کے اعتبار سے مُوسیٰ اور الیاس اور یسعیاہ پر بھی فائق تھا۔

پھر اُس کی سیرت کی ایک جلالی خاصیت یہ بھی تھی کہ وُہ بنی آدم کو پیار کیا کرتا تھا۔ ہم اُوپر ایک جگہ بتا آئے ہیں کہ ایک بڑا مقصد اُس کے دِل میں تھا، پر یاد رکھنا چاہیئے کہ زندگی کے مقصد کی تہ میں ہمیشہ ایک بڑا جذبہ نہاں ہوتا ہے جو اُس کے مقصد کو تر و تازہ رکھتا ہے۔ مسیح کا وُہ جذبہ جو اُس کے مقصد اور غرض کو ہمیشہ برقرار رکھتا تھا یہی تھا کہ وُہ انسان سے محبت رکھتا تھا۔ اس بات کی خبر تو ہم کو نہیں دی گئی کہ کس طرح ناصرت کی تنہائی میں یہ محبت اُس کے دِل میں پیدا ہُوئی اور کن چیزوں سے پرورش پاتی رہی لیکن ہم یہ جانتے ہیں کہ جب وُہ پبلک کے سامنے آیا تو یہ محبت اُس کے رگ و ریشے میں ایسی سموئی ہُوئی تھی کہ اُسے اپنی بہتری اور بچاؤ کی مُطلق فکر نہ تھی بلکہ مُصیبت زدوں سے ہمدردی کرنے کے خیال میں سراسر ڈُوبا ہُوا تھا۔ یہی سبب تھا کہ اُس نے کبھی پُوٹ کر نہ دیکھا بلکہ جس کام کو ہاتھ لگایا اُس کے آگے ہی آگے بڑھتا گیا۔ ہم عام طور پر یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ انسانی محبت غالباً اُس تصوّر سے تقویت پاتی رہی ہوگی جو وُہ انسانی رُوح کی بیش بہا قیمت کے متعلق رکھتا تھا اور یہی باعث تھا کہ اُس کی محبّت اُن تمام حدُود سے تجاوز کر گئی

جو اکثر لوگوں کی ہمدردی اور سخاوت کی راہ میں حائل ہوتی ہیں بسا اوقات ذات پات یا قومی امتیاز کے خیالات ہم کو ایک دوسرے سے ہمدردی کرنے سے روک دیتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ قریباً تمام ممالک میں دشمنوں سے نفرت کرنا جائز سمجھا جاتا ہے اور قریباً سب لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ جو اشخاص تہذیب کا ستیاناس کرتے ہیں، اُن سے اجتناب کرنا چاہیئے، پر یسوع اِن باتوں کی پروا نہیں کرتا تھا کیونکہ اُس کو وہ بیش قیمت تھے جو اُسے دشمن اور اجنبی اور مردود لوگوں میں برابر نظر آتی تھی ایسا کرنے کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ پس یہی محبت وہ شے تھی جس سے اُس کی زندگی کا مقصد پیدا ہوا تھا یہی سبب تھا کہ وہ ہر طرح کے درد اور دکھ میں مدد دینے کے لئے ہمیشہ تیار تھا۔ یہی وہ خاص وجہ تھی جس کے سبب سے اُس نے شفا بخشنے کے کام کو اختیار کیا اور ہم دیکھتے ہیں کہ جہاں کہیں مدد کی ضرورت ہوتی تھی اُس کا محبت بھرا دِل اُس کو وہاں کھینچ لے جاتا تھا۔ پر اُس کی پُرجوش محبت خاص کر اس بات میں نظر آئی کہ وہ رُوحوں کے بچانے کی بڑی کوشش کیا کرتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہی وہ موتی ہے جس کے بچانے کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ اُس کے دُکھوں سے بڑھ کر اور کوئی دُکھ ناقابلِ برداشت نہیں۔ لوگ اکثر اوروں سے تو محبت رکھتے ہیں پر اُن کی رُوحوں کی نسبت کبھی خیال نہیں کرتے لیکن اُس کی حکمت نے اُس کی محبت پر ظاہر کر دیا کہ جن سے محبت کی جاتی ہے اُن کی اصل بہتری اور بھلائی اسی میں ہے کہ اُن کی رُوحیں بچائی جائیں۔ پس وہ محسوس کرتا تھا کہ اگر میں لوگوں کو اُن کے گناہوں سے بچاؤں تو

اُن کی اصل اور حقیقی بہتری وجود میں آئے گی۔

لیکن اُس کی انسانی سیرت کے متعلق جو صفت سب کی سرتاج ہے یہ ہے کہ وہ خُدا سے محبت رکھتا تھا۔ خُدا کے ساتھ خواہش اور خیال اور ارادہ میں موافقت پیدا کرنا سب خُوبیوں سے بڑی خُوبی ہے۔ مسیح میں یہ خُوبی کمال کو پہنچی ہُوئی تھی۔ ہمارے لئے خُدا کو محسوس کرنا ایک بڑا مشکل کام ہے اور عام لوگوں میں تو ہزاروں لوگ ایسے ہوتے ہیں جو کبھی اُس کی نسبت سوچتے ہی نہیں بلکہ دیندار بھی یہ اقرار کرتے ہیں کہ اُس کو ہمیشہ یاد رکھنے کے لئے دِل اور دماغ کی سخت تربیت کرنی پڑتی ہے اور کیا یہ ٹھیک نہیں کہ جب کبھی ہم خُدا کو یاد کرتے ہیں تو ہمارے دِل چھِد جاتے ہیں کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جو کچھ ہم میں ہے وہ اُس سے جو خُدا میں پایا جاتا ہے بالکل مختلف ہے؟ سچ تو یہ ہے کہ جب ہم اُس کی حضُوری میں جاتے ہیں تو چند لمحوں کے بعد ہم پر ظاہر ہو جاتا ہے کہ ہمارے خیالات اُس کے خیالات نہیں اور ہماری راہیں اُس کی راہیں نہیں لیکن یسوع کا یہ حال نہ تھا۔ اُس کے دِل میں خُدا کا خیال اور عرفان ہمیشہ موجود رہتا تھا۔ اُس کی زندگی میں نہ کوئی ایسا لمحہ تھا اور نہ کوئی ایسا کام جس میں خُدا کا خیال نہ ہو جس طرح وہ ہوا جو سانس کے وسیلے سے اندر آتی جاتی تھی یا جس طرح سُورج کی وہ روشنی جو اُس کو منوّر کرتی اور اُسے چاروں طرف سے گھیرے تھی اُسی طرح خُدا بھی اُس کی ہستی کے ہر جانب موجود تھا۔ وہ جانتا تھا کہ میرے خیالات خُدا کے خیالات ہیں اور میری خواہش خُدا کی خواہش سے متفق ہے اور جو مقصد میرا ہے وہی تجویز خُدا کا ہے۔ اب سوال پیش آتا ہے کہ یہ اتحاد جو اُس میں اور خُدا میں پایا

جاتا تھا کس طرح پیدا ہُوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بہُت کچھ تو یہ اتحاد
اس کامل اتحاد سے پیدا ہُوا ہوگا جو اُس کی ذات کی مختلف طاقتوں میں
پایا جاتا تھا اور پھر کسی حد تک اُنہیں وسائل کے ذریعے سے بھی دستیاب
ہُوا ہوگا جن کے ذریعے سے ہم اُس کی تلاش کیا کرتے ہیں یا یُوں کہیں کہ
وُہ خُدا کے خیالات اور ارادوں سے کلام اللہ کے وسیلے سے واقف ہوا
جس کا مطالعہ بچپن ہی سے اُس کی خوشی کا باعث تھا اور اسی طرح دُعا
نے بھی اُس کو خُدا کا ہم خیال بنایا، کیونکہ وُہ دُعا کا ایسا قائل تھا کہ اگر کھانا
کھانے کو وقت نہ ملے تو نہ ملے لیکن دُعا کے لئے ضرُور وقت نکال لیتا تھا۔
اس کے علاوہ ایک اور بات بھی تھی جس نے اُس کے اور خُدا کے
خیالوں میں موافقت پیدا کر دی تھی، اور وُہ یہ تھی کہ وُہ اُن آزمائشوں
کا مقابلہ کیا کرتا تھا جو ایسے خیالات اُس کے دل میں ڈالنا چاہتی تھیں جو
خُدا کے خیالوں کے مخالف ہوتے تھے۔

یہی وُہ بات تھی جس کے سبب سے وُہ اپنے کام کو بڑے اعتقاد
اور دلیری سے کرتا رہا۔ وُہ جانتا تھا کہ مَیں جو کام کر رہا ہُوں اُس کے لئے
خُدا نے مُجھے بلایا ہے اور جب تک اُسے پُورا نہ کرُوں تب تک کوئی
میرا بال تک بیکا نہیں کر سکتا۔ یہی عرفان وُہ چیز تھی جس کی وجہ سے
وُہ اپنی خوبیوں اور لیاقتوں کو جانتا ہُوا فروتنی اور فرمانبرداری کا نمونہ بنا
رہا کیونکہ وُہ ہمیشہ اپنے خیال اور خواہش کو خُدا کی مرضی کے تابع رکھتا
تھا یہی اُس پُرشان اطمینان کا راز تھا جو سخت سے سخت موقعوں پر بھی
اُس کی سیرت کو نُورانی زینت سے سجائے رکھتا تھا۔ وُہ جانتا تھا کہ
بڑی سے بڑی مشکل جو مُجھ پر آ سکتی ہے وُہی ہے جو میرے باپ نے میرے

لئے تجویز کی ہے۔ بس اس سے بڑھ کر اب اور کون سی تکلیف آئے گی۔
سو وُہ ہمیشہ کامل آرام اور خاموشی اور خوشی کا سرچشمہ اپنے نزدیک پاتا تھا
جس میں اِدھر اُدھر کے شور و غل اور ابتری سے پناہ پاتا تھا یہی وُہ بیش بہا
خزانہ ہے جو اُس نے جانے سے پہلے اپنے شاگردوں کو میراث کے
طور پر عطا فرمایا جس وقت یہ کہا "مَیں تمہیں اطمینان دیئے جاتا ہُوں
اپنا اطمینان تمہیں دیتا ہُوں" ٭

اکثر مسیح کی بے گناہی بھی اُس کی سیرت کی اعلیٰ خصُوصیت سمجھی
جاتی ہے اور واقعی اُس کی یہ صفت نہایت توجہ طلب ہے۔ ابرہام
اور مُوسےٰ جیسے خُدا پرست بزرگوں کے گناہ بڑی سچائی اور صفائی
کے ساتھ نوشتوں میں قلمبند ہیں لیکن مسیح کی کوئی کمزوری ان میں رقم نہیں۔
پُرانے زمانے کے خُدا ترس بندوں کی دینداری کا سب سے اعلیٰ خاصہ
یہی تھا کہ وُہ بار بار اپنے گناہوں کو یاد کر کے پچھتاتے اور توبہ کیا کرتے
تھے بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ وُہ جس قدر دینداری کی اعلیٰ منزل تک پہنچے
ہُوئے ہوتے تھے اُسی قدر اپنی گناہ آلُودگی کو دیکھ کر زیادہ آنسو بہاتے
اور غمناک نالے بلند کیا کرتے تھے۔ لیکن مسیح کے حق میں یہ نہیں کہا جا سکتا
حالانکہ سب لوگ متفق ہیں کہ وُہی اکیلا دین کی تاریخ میں ایک لاثانی آدمی
ہے تو بھی اُس کی زندگی میں وُہ توبہ جو دینداری کی جان سمجھی جاتی ہے
دکھائی نہیں دیتی کیا اِس کا یہی سبب نہیں کہ اُس سے کبھی کوئی گناہ
سرزد نہ ہُوا جس سے توبہ کرنے کی ضرُورت ہوتی؟
اب یہ تو بالکل صحیح ہے کہ وُہ بے گناہ تھا پر سوال برپا ہوتا ہے کہ
کیوں اُس سے کوئی گناہ سرزد نہ ہُوا؟ اِس کا جواب یہی ہے کہ وُہ محبتِ مجسّم

تھا۔ خُدا کے برخلاف گُناہ کرنا خُدا سے محبّت نہ رکھنے کی وجہ سے ہے
اور اسی طرح انسان کا قصوُروار ہونا انسان سے محبّت نہ رکھنے پر دلالت
کرتا ہے۔ اب وُہ شخص جو خُدا اور انسان دونوں کی محبّت سے معمُور تھا
نہ خُدا کا اور نہ انسان کا گُناہ کرسکتا تھا۔ پس اسی محبّت میں جو وُہ اپنے
باپ اور بنی آدم کے ساتھ پُورے طور پر رکھتا تھا، اُس کی سیرت کے
کمال کا اصل راز تھا۔

خُداوند مسیح کے شاگردوں میں جو خُوبیاں اور لیاقتیں پیدا ہُوئیں
اُن کا اصل منبع وُہی اثر تھا جس کا پرتَو اُس کے وسیلے سے اُن پر پڑتا
رہا، پر ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اُنہوں نے وُہ صداقت کب پہچانی شروع
کی جو مسیحی مذہب کی جان ہے اور جس کی مُنادی اُنہوں نے مسیح کے
بعد دُنیا میں جابجا کی اور یہ بتایا کہ اُس کی انسانی سیرت کی نرمی اور
تحمّل کے پیچھے ایک اور ذات بھی نہاں تھی جو اُس کی سب صفتوں
سے افضل اور بزرگ تر تھی یا یُوں کہیں کہ ہم نہیں جانتے کہ کس طرح
اُنہوں نے معلُوم کیا کہ اُس میں کامل انسانیت کے ساتھ کامل اُلوہیّت
بھی ملی ہُوئی تھی۔ البتّہ ہم یہ جانتے ہیں کہ جو کچھ اُس نے اُن پر
اپنی نسبت ظاہر فرمایا اُس کا یہی مطلب تھا کہ وُہ اِس عجیب راز
سے واقف ہوں لیکن اُس کی صلیب کے وقت اُن کے ایمان میں
جو ضعف پیدا ہُوا اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس وقت تک اُن کا
خیال اُس کی شخصیّت کی نسبت پُورے طور پر قائم نہیں ہُوا تھا،
گو کئی بار پہلے اُنہوں نے اُس کی عجیب شخصیّت کے بارے میں بڑے
بڑے اقرار بھی کئے تھے۔ پس معلُوم ہوتا ہے کہ یہ بھید اُن پر اُس وقت

ظاہر ہُوا جب وُہ مُردوں میں سے جی اُٹھا اور آسمان پر چڑھ گیا یا
یُوں کہیں کہ جب یہ واقعات ظہُور میں آئے تب وُہ اعتقادات جو
اُس کی شخصیّت کی نسبت اُن کے دِل میں رقیق چیز کی طرح حرکت
کر رہے تھے بلّور کی طرح ایک جا منجمد ہو گئے اور وُہ یہ ماننے لگے
کہ جس کے ساتھ ہم کو اتنے دِن تک رہنے سہنے کا موقعہ ملا وُہ
خُدائے مجسّم تھا۔

ساتواں باب

مخالفت کا سال

خُداوند مسیح سال بھر تک بڑی سرگرمی اور جانفشانی سے ملک
گلیل میں کام کرتا رہا اور جہاں جہاں وُہ جاتا تھا وہاں قابلِ رحم بیماروں
کو اپنی قُدرت سے شفا بخشتا اور طالبانِ حق کو اپنے فضل اور سچائی
کے کلام سے بہرہ ور فرماتا تھا۔ غالباً سینکڑوں خاندان جنہیں اُس
کے طفیل سے صحت اور خُوشی حاصل ہُوئی اُس کے نام کو محبّت سے یاد
کرتے اور ہزاروں اشخاص جن کے دِلوں کو اُس کی تعلیم اور مُنادی نے
ہلا دیا تھا، اُس کی اُلفت کا دم بھرتے تھے۔ اُس کی شُہرت روز بروز بڑھتی
جاتی تھی اور معلُوم ہوتا تھا کہ تھوڑے دِنوں کے بعد تمام گلیل اُس کی پیروی
اختیار کرلیگا اور آخرکار یہ تحریک تمام مخالفوں پر غالب آجائے گی اور تمام
مُلک کو اُس طبیبِ حاذق کی محبّت اور اُس اُستادِ کامل کی اطاعت سے معمُور

کر کے جنوب کی طرف بڑھ جائے گی۔

لیکن ایک سال بھی نہیں ہونے پایا تھا کہ یہ اُمید مایوسی کی صورت اختیار کرنے لگی۔ اہلِ گلیل کے دِل پتھریلی زمین کی مانند تھے کیونکہ اُن میں خدا کی بادشاہی کا بیج جس قدر جلد اُگا اُسی قدر جلد کملانے لگا اور یہ عجیب تبدیلی یک بیک وجود میں آئی اور ایسے مستقل طور پر کہ پھر اُس میں سرِمو فرق نہ آیا اور اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ہمارے خداوند کی زندگی نے بھی ایک نئی صورت اختیار کی۔ گو وہ اِس کے بعد چھ ماہ تک وہیں رہا مگر یہ چھ ماہ گذشتہ بارہ ماہ کی مانند نہ تھے کیونکہ اب جو صدائیں اُس کے اردگرد بلند ہوتی تھیں اُنہیں خوش لحن حمد اور شکرگذاری کے نغمے نہیں کہہ سکتے۔ اُن سے عداوت اور دشمنی اور کفر کی بُو آتی تھی۔ پہلے وہ ملک کے وسط میں ایک جگہ سے دوسری جگہ تک آزادی سے جایا کرتا تھا اور لوگ ہر جگہ اُس سے تپاک سے مِلا کرتے تھے اور جو لوگ اُس کا کلام سُننے کا اشتیاق رکھتے تھے وہ اُس کے پیچھے پیچھے چلتے تھے لیکن اب وہ دلکش سماں مفقود ہو گیا۔ چنانچہ اب وہ چند رفیقوں کو ساتھ لے کر غیر علاقوں میں جا جا کر پناہ گزیں ہوتا تھا۔

پھر اُس نے چھ مہینے کے بعد گلیل سے روانہ ہو کر یہودیہ کا رُخ کیا۔ ایک وقت تھا جب یہ اُمید جھلک دِکھا رہی تھی کہ جب اُس کی قوم کے لوگ گلیل میں اُس کی مسیحائی کے قائل ہو جائیں گے تو جنوبی حصے کے باشندوں کے دِل بآسانی مسخّر ہو جائیں گے اور یروشلیم بھی قومی اِتفاق کے مقابلہ سے عاجز آ کر اُس کی پیروی اختیار کرلیگا۔ مگر اب یہ اُمید بالکل کافور ہو گئی۔ پس وہ جنوبی اطراف کی جانب روانہ ہُوا اور

جا کر چھ ماہ تک یہودیہ اور پیریہ میں بڑی عرق ریزی سے کام کرتا رہا اور اس میں شک نہیں کہ اِن جگہوں میں جہاں جہاں اُس کے معجزے پہلی مرتبہ وجود میں آئے وہاں وُہی پبلک جوش پیدا ہُوا جو گلیل کے پُر اُمید زمانہ میں پیدا ہُوا تھا۔ مگر اُن معجزوں کا اثر صرف اِتنا ہُوا کہ تھوڑے سے جاں نثار شاگرد اور اُس کے پیروؤں کے زمرے میں شامل ہو گئے۔ جس دِن سے اُس نے گلیل کو چھوڑا، اُسی دِن سے اُس نے یروشلیم کا رُخ کیا اور جو چھ ماہ یہودیہ اور پیریہ میں صرف ہُوئے اُنہیں اِس سفر کا عرصہ خیال کرنا چاہیئے جو آہستہ آہستہ طے ہوا لیکن اس سفر کو اختیار کرنے سے کہیں پہلے اُسے معلوم تھا (اور اُس نے اپنے شاگردوں کو بھی مطلع کر دیا تھا) کہ یروشلیم میں میرے سر پر تاج نہیں رکھا جائے گا بلکہ وہاں لوگ مجھے بالکل رد کر دیں گے۔ آؤ ہم اس بات پر غور کریں کہ گلیلیوں کی اس تبدیلی کے کیا اسباب تھے، اور کس طرح اس تبدیلی نے ترقی کی اور کیونکر اس کے سبب سے مسیح کی زندگی اور کام میں ایک افسوسناک تبدیلی واقع ہُوئی۔

واضح ہو کہ جو لوگ علم اور عزت رکھتے تھے وہ شروع ہی سے اُس کے مخالف تھے۔ البتہ وہ فرقے جو صدوقی اور ہیرودی کہلاتے تھے کچھ مدت تک بے پرواہ رہے کیونکہ اُن کی توجہ دولت جمع کرنے اور حکام کے حضور میں عزت پانے کی طرف لگی ہُوئی تھی۔ لہٰذا وہ اُس مذہبی تحریک کی چنداں پروا نہیں کرتے تھے جو ادنےٰ درجے کے لوگوں کے درمیان پیدا ہُوئی۔ اگرچہ یہ شہرت جا بجا پھیل رہی تھی کہ ایک شخص مسیح ہونے کا دعوےٰ کر رہا ہے لیکن اُنہیں اس بات سے چنداں

دلچسپی نہ تھی کیونکہ عوام جو کچھ مسیح کے بارے میں مانتے تھے صدوقی اور ہیرودی اُس کے ساتھ اتفاق نہیں رکھتے تھے۔ وُہ کہتے تھے کہ یہ بھی اُن فریبیوں میں سے ہوگا جو عام لوگوں کے خیالات کے مطابق وقتاً فوقتاً برپا ہوتے رہتے ہیں لیکن جب اُنہوں نے دیکھا کہ اس تحریک کے باعث لوگوں کے باغی ہو جانے کا خطرہ ہے اور ڈر ہے کہ آخرکار رُومی حُکّام مُلک پر ظلم کرنے لگ جائیں، پروکیوریٹر کو لُوٹ مار کرنے کا موقع ملے اور ہمارا مال و جان خطرے میں پڑ جائے تب اُنہوں نے بھی کروٹ بدلی۔

لیکن جو لوگ زیادہ تر مذہب کی طرف مائل تھے اور فریسی اور فقیہ کہلاتے تھے اُن کا حال دِگرگوں تھا۔ وُہ کلیسیائی اور دینی معاملات کو دلچسپی سے دیکھا کرتے تھے اور جب کبھی عام لوگوں کے درمیان کسی طرح کی مذہبی تحریک برپا ہوتی تھی تو وُہ چونک اُٹھتے تھے کیونکہ وُہ خود عوام سے تعظیم اور عزّت کرانے کے خواہاں تھے۔ پس جب کبھی کوئی ایسی بات مشہور ہوتی کہ فلاں شخص نبوّت کا دعویٰ کرتا ہے یا کوئی نئی تعلیم یا نیا مسئلہ رواج پکڑتا جاتا ہے تو وُہ فوراً اُس کی طرف متوجّہ ہوتے تھے اور خصوصاً جب وُہ یہ سُنتے تھے کہ کوئی شخص دعوائے مسیحائی کے ساتھ ہمارے مُلک میں نمودار ہُوا ہے تو سراسر جوش سے بھر جاتے تھے کیونکہ وُہ بڑے اضطراب اور بیقراری کے ساتھ مسیحی اُمیدوں کے بر آنے کی راہ دیکھ رہے تھے اور اس کے علاوہ غیروں کی حکومت سے تنگ آئے ہُوئے تھے کہتے ہیں کہ اُس وقت وُہ غالباً چھ ہزار کے قریب تھے اور اپنے مُلک میں بڑے ذی عزّت اور باوقار سمجھے جاتے تھے یا یُوں کہنا چاہیئے کہ اپنے وطن میں خالص دین اور بزرگوں کے آئین کے محافظ سمجھے جاتے تھے۔ لوگ اُنہیں اپنا رہبر

جانتے تھے اور خیال کرتے تھے کہ مذہبی معاملات میں رائے دینا اور فیصلہ کرنا اُنہیں کا حق ہے۔ پس اُن لوگوں پر صدُوقیوں کی طرح یہ الزام نہیں لگ سکتا کہ اُنہوں نے مسیح یسُوع کی طرف مُطلق توجہ نہ کی کیونکہ وُہ ایک ایک قدم پر اُس کا پیچھا کرتے اور اُس کی ایک ایک تعلیم اور اُس کے ایک ایک دعوٰی پر بحث کیا کرتے تھے۔ مگر اُن کا فیصلہ اُس کے برخلاف ہوتا تھا اور اُنہوں نے اپنے فیصلے کی ایسی پیروی کی کہ اُن کی مخالفت میں کبھی کچھ فرق نہ آیا۔

مسیح کی تمام غمناک زندگی میں شاید یہ بات سب باتوں سے زیادہ غمناک اور ناموافق معلُوم ہوتی ہے کہ جن لوگوں نے اُسے ردّ کیا اور جنہوں نے اُسے صلیب پر کھینچا وُہ وُہی لوگ تھے جو تمام قوم کا فخر اور لوگوں کے پیشوا اور رہبر تصوّر کئے جاتے تھے جو بائبل اور گذشتہ زمانوں کی روایتوں کے سرگرم محافظ سمجھے جاتے تھے اور جو کمال شوق سے مسیح کی انتظاری کر رہے تھے۔ اُنہوں نے مسیح کا فیصلہ اپنے زعم میں نوشتوں کے مطابق کیا اور یہ خیال کیا کہ جو کچھ ہم نے اُس کے ساتھ کیا ہے وُہ اپنی ضمیر کے مطابق اور خُدا کی خدمت اور عزّت کے لئے کیا ہے۔ جو لوگ انجیل کا مطالعہ کرتے ہیں، ممکن نہیں کہ اُن کے دِل میں کبھی کبھی اُن لوگوں کے لئے ہمدردی کا خیال پیدا نہ ہو کیونکہ اُن کے نزدیک یسُوع بالکل اُس مسیح کی مانند نہ تھا جس کی انتظاری وُہ کر رہے تھے اور جس کی انتظاری کرنا اُنہوں نے اپنے باپ دادوں سے سیکھا تھا۔ وُہ اُن کے تعصّبات اور مذہبی توہّمات کو پامال اور اُن باتوں کی تحقیر کرتا تھا جنہیں وُہ بچپن سے مقدّس سمجھتے تھے۔ بے شک ہمیں اُن کے ساتھ ہمدردی کرنا چاہیئے کیونکہ کبھی کسی

قوم نے ایسا جُرم نہیں کیا جیسا اُنہوں نے کیا اور نہ کبھی کسی قوم کو ایسی سزا ملی جیسی اُن کو ملی - اِسی قِسم کا تأسف اور اسی قِسم کی غمگینی اُن لوگوں کے حالات سے ٹپکتی ہے جو دُنیا کی تاریخ کے کسی نازک حصّے سے دوچار ہوکر اور زمانہ کے آثار سے ناواقف رہ کر طرح طرح کی غلطیوں میں گرفتار ہوجاتے ہیں مثلاً اُن لوگوں کا یہی حال تھا جو ریفارمیشن کے زمانے میں بہ سبب اپنی کوتاہ بینی کے انتظامِ ترقی کی رفتار کے ساتھ پہلو بہ پہلو نہ چل سکے -

لیکن اب ہم دیکھیں گے کہ اُن کی جڑ میں کیا گھن لگا ہُوا تھا حقیقت حال یہ ہے کہ اُن کی آنکھوں پر ایسا گُناہ کا پردہ پڑا ہُوا تھا کہ وُہ نُور کی شعاعوں کو محسُوس نہیں کرسکتے تھے - صدیوں کی دُنیاداری اور رُوحانی طبعیت کی کمزوری نے مسیحی تصوّر کی ہیئت بگاڑ دی تھی پس اُنہوں نے مسیح کا ایک بگڑا ہُوا تصوّر ورثہ میں پایا تھا - وُہ یسُوع کو گُنہگار سمجھتے تھے کیونکہ وُہ اُن کی اُن رسُومات سے اتفاق نہیں کرتا تھا جو اُنہوں نے اور اُن کے آباؤاجداد نے کلامِ الٰہی پر اضافہ کردی تھیں اور نہ وُہ اُس اندازہ کو دُرست جانتا تھا جس سے وُہ لوگوں کی نیکی کو ناپا کرتے تھے - مسیح نے اپنے دعوؤں کے ثبوت میں مضبُوط گواہی اُن کے سامنے پیش کی لیکن اُنہیں اُس کے پرکھنے اور دیکھنے کی آنکھیں میسّر نہ تھیں - یہ بات بالکل صحیح ہے کہ دیانتدار اور صادق دِلوں کی تہ میں ایک ایسا وصف نہاں ہوتا ہے جو خواہ کیسے ہی سخت تعصّب اور گُناہ کے پردہ سے دبا ہُوا ہو تو بھی جس وقت وُہ شے جو برحق اور قابلِ تعظیم ہے جو پاک اور عظیم ہے اُس کے نزدیک آتی ہے تاکہ لوگ اُسے قبول کریں تو خوشی اور

شوق کی وجہ سے وُہ پوشیدہ وصف ظاہر ہو جاتا ہے لیکن اِن لوگوں میں اِس قِسم کی کوئی خاصیت نہ تھی ، بلکہ اُن کے دِل داغدار اور سخت اور مُردہ تھے - وُہ اپنے قواعد اور اپنے اندازوں سے اُس کے دعاوی کا فیصلہ کرنا چاہتے تھے - وُہ کبھی اُس کی سیرت کی عظمت کو دیکھ کر اپنی نکتہ چینیوں سے باز نہ آئے یسُوع حقیقت اور صداقت کو اُن کے پاس لایا مگر چونکہ وُہ صداقت پسند کان نہ رکھتے تھے لہٰذا صداقت کی میٹھی آواز کی شیرینی کا حظ نہ اُٹھا سکے - وُہ ایسی بے داغ پاکیزگی اُن کے پاس لایا جو برف سے سفید اور اُون سے اُجلی تھی جس کے دیکھنے کی تاب وہ نہیں رکھتے تھے پر اُن کے دِل اُسے دیکھ کر ملائم نہ ہُوئے - اُس نے اُن کے پاس آکر الٰہی رحمت اور محبّت کے چہرے سے نقاب اُٹھا دیا - مگر اُن کور چشموں نے اُس کے حُسنِ تقدّس کو ذرا محسُوس نہ کیا - ہم ایسے لوگوں کی روش کو اُن کی افسوسناک بدقسمتی تصوّر کرسکتے ہیں لیکن شاید زیادہ بہتر یہ ہے کہ ہم اُسے خطرناک جُرم سمجھ کر اُس سے ڈریں اور اپنے دِلوں میں کانپیں - جس قدر لوگ شرارت میں پُختہ کار ہوجاتے ہیں اُسی قدر خواہ مخواہ اُن سے گُناہ سرزد ہوتا ہے جس قدر کسی قوم کے گُناہ بڑھتے جاتے ہیں اور صدی بصدی میراث کے طور پر آنے والی نسلوں کے سپُرد کیے جاتے ہیں اُسی قدر یہ یقین بڑھتا جاتا ہے کہ یہ ہولناک حالت انجام کار کسی عظیم قومی جُرم یا ناگریز قومی حادثے پر ختم ہوگی - اب جب وُہ ناگریز حادثہ سرزد ہو جائے تب اُسے نہ صرف قابلِ رحم سانحہ گردانا چاہیئے بلکہ خُدا کے پاک اور غیرت مند غضب کا موجب بھی سمجھنا چاہیئے -

جن باتوں کے سبب سے اُن کی مخالفت شروع ہی سے اپنا جوہر دکھانے لگ گئی اُن میں ایک یہ تھی کہ وُہ ایک غریب خاندان میں پیدا ہُوا۔ اُن کی آنکھیں اہلِ دُنیا اور اربابِ علم وفضل کے تعصبات کے پردہ میں تھیں۔ لہٰذا وُہ مرتبے اور تہذیب کی عارضی صفات سے جُدا رُوح کے اصل جوہر کی جھلک کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔ وُہ اُن کی نظر میں عام آدمی تھا۔ بڑھئی کا کام کرتا تھا اور بد تہذیب اور شریر لوگوں کے مُلک گلیل میں پیدا ہُوا تھا۔ اُس نے یروشلیم کے مشہور مدارس میں تعلیم نہیں پائی تھی اور مشہور ربیّوں کے پاؤں کے پاس بیٹھ کر حکمت جمع نہیں کی تھی۔ وُہ سوچتے تھے کہ سب نبیوں اور بالخصوص مسیح کو یروشلیم میں پیدا ہونا چاہیئے اور یروشلیم میں آکر تہذیب اور مذہب کے بڑے بڑے مرکزوں میں پرورش پانا اور اُن تمام اشیا سے جو قوم میں ممتاز اور قابلِ قدر سمجھی جاتی ہیں رسُوخ پیدا کرنا چاہیئے۔

اور اِسی طرح وُہ شاگرد جو اُس نے چُنے اور وُہ سنگت جو اُس نے اختیار کی اُن کے لئے ٹھوکر کا باعث ہُوئی۔ جن لوگوں کو اُس نے کام کے لئے چُنا وُہ اُن میں سے نہ تھے۔ اُنہیں نہ اپنی حکمت کا فخر اور نہ اپنے خاندان پر ناز تھا بلکہ وُہ کم علم لوگوں میں سے تھے جن کا پیشہ ماہی گیری تھا۔ اُن میں سے ایک محصُول لینے والا بھی تھا۔ شاید یسُوع کے کسی اور فعل سے اِن لوگوں کو اتنی چوٹ نہیں لگی جتنی محصُول لینے والے متی کے انتخاب سے لگی محصُول لینے والے جو غیر قوم حاکموں کے نوکر ہُوا کرتے تھے بہ سبب اپنے کام اور ظلم اور سیرت کے حقیر سمجھے

جاتے تھے جو لوگ حُب الوطنی کی صفت رکھتے تھے اور مال وعزت سے مالامال ہوتے تھے وُہ اُنہیں بالکل خاطر میں نہ لاتے تھے۔ پس خُداوند یسُوع کب یہ توقع رکھ سکتا تھا کہ ذی عزت اور ذی علم اشخاص اُن لوگوں کے حلقے میں داخل ہوں جو اُس کے اردگرد جمع تھے۔ علاوہ بریں وُہ سب رذیل لوگوں سے بڑی آزادی کے ساتھ ملتا جُلتا تھا۔ مثلاً محصُول لینے والوں اور گنہگاروں کے پاس اُٹھنا بیٹھنا تھا۔

اس مسیحی زمانہ میں ہم زیادہ تر اُنہیں باتوں کے لئے اُس پر فدا ہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ اگر وُہ واقعی نجات دینے کو آیا تھا تو یہ لازمی امر تھا کہ وُہ زیادہ تر ایسے لوگوں کی سنگت میں پایا جائے جن کو نجات کی زیادہ ضرورت تھی۔ ہم جانتے ہیں کہ اُس کو یہ یقین تھا کہ ان کھوئے ہُوؤں کے درمیان بہت سے ایسے لوگ ہیں جو خاص حالات کے سبب سے گمراہی میں ڈوبے ہُوئے ہیں لیکن اُنہوں نے قصداً گُناہ آلُود زندگی کو اپنے لئے نہیں چُنا اور اگر میں محبت کی مقناطیسی کشش کو اس کوڑے کرکٹ کے درمیان کام میں لاؤں تو کئی بیش قیمت ہیرے کھنچے چلے آئیں گے۔ اِس مسیحی زمانہ میں پاک طینت اور عالی نسب لوگوں نے بھی اُس کے نقشِ قدم پر چلنا سیکھ لیا ہے چنانچہ وُہ اُس کے نمونے کے مطابق گُناہ اور ضلالت کے گندے طبقوں میں اُترتے ہیں تاکہ کھوئے ہُوؤں کو ڈھونڈیں اور بچائیں۔ لیکن اُس کے آنے تک اس قسم کے خیالات دُنیا میں پیدا نہیں ہُوئے تھے پس وُہ گنہگار جو تہذیب وتعظیم کے دائرے سے باہر تھے حقارت اور نفرت کی نگاہ سے دیکھے اور سوسائٹی کے دُشمن سمجھے جاتے تھے اور کوئی

اُن کے بچانے کی کوشش نہ کرتا تھا بلکہ برعکس اِس کے یہ دیکھا جاتا تھا کہ جو لوگ دین داری میں نام پیدا کرنا چاہتے تھے وُہ اُن سے بالکل الگ رہتے تھے مثلاً شمعُون فریسی کو جو مسیح کا میزبان تھا پکا یقین تھا کہ مسیح نبی نہیں - اگر ہوتا تو فوراً جان لیتا کہ جس عورت نے مجھے چھُوا ہے وُہ گنہگار ہے اور فوراً اُسے دھکا کر دُور کر دیتا - جو حال شمعُون فریسی کا تھا وُہی سارے زمانے کا تھا - پھر بھی اِس کا انکار نہیں کیا جا سکتا تھا کہ جب مسیح نئی حالت کو دُنیا میں لایا اور جس وقت اُس نے اُس کا جلوہ اُنہیں دکھایا تب چاہیئے تھا کہ وُہ نئے اصُول کو پہچان لیتے اور اگر اُن کے دِل سخت اور ظلم سے معمُور نہ ہوتے تو وُہ اس الہٰی طرز کی انسانیت کے کشف کو آگے بڑھ کر قبُول کرتے - لازم تھا کہ وُہ گنُاہگاروں کو اپنے گنُاہوں سے تائب ہوتے اور بدچلن عورتوں کو اپنی کھوئی ہُوئی زندگی پر آنسُو بہاتے اور زکائی جیسے لالچی اشخاص کو سرگرم دیندار اور کشادہ دِل فیاض بنتے دیکھ کر خُوش ہوتے مگر وُہ خُوش نہ ہُوئے بلکہ اُس کے اِسی رحم کے باعث اُس سے مُتنفّر ہو گئے اور اُسے محصُول لینے والوں اور گنُاہگاروں کا دوست کہنے لگ گئے -

تیسری وجہ اُن کی مخالفت کی یہ تھی کہ وُہ بعض بعض رسُومات (مثلاً روزہ رکھنے اور کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے وغیرہ) پر نہ خود عمل کرتا تھا اور نہ اپنے شاگردوں کو عمل کرنے کی ترغیب دیتا تھا حالانکہ یہی باتیں اُس زمانے میں دینداری کا نشان سمجھی جاتی تھیں - اس بات کا ذکر ہم پہلے بھی کر چکے ہیں کہ کس طرح یہ رسُوم وجُود

میں آئیں - یہ سب رسمیں ایک سرگرمی کے زمانہ میں پیدا ہُوئیں اور اِس غرض سے کہ اُن کے وسیلے سے یہوُدی قوم کی خصُوصیتیں قائم رہیں اور وُہ غیر قوموں کے ساتھ ملنے نہ پائیں بلکہ اُن میں اور دُوسری قوموں میں نمایاں فرق نظر آئے - اصل مقصد تو دُرست تھا مگر اُس کا نتیجہ افسوسناک ہُوا - لوگ بہُت جلد بھُول گئے کہ یہ رسمیں انسان کی ایجاد ہیں اور یہ ماننے لگ گئے کہ وُہ خُدا کی طرف سے ہیں اور ان کا ماننا ہم پر فرض ہے - اُن کا شمار رفتہ رفتہ بڑھتا گیا حتّٰی کہ روزمرّہ زندگی میں کوئی فعل اور کوئی حرکت ایسی نہ تھی جس پر اُن رسموں کا کچھُ نہ کچھ اثر نہ پڑتا تھا - بہُت سے لوگوں نے اُن رسموں کو سچّی دینداری اور اخلاق کی جگہ دے رکھی تھی مگر روشن ضمیر لوگوں کے لیئے یہ فضُول رسمیں بڑے بوجھ کا باعث تھیں کیونکہ ہر وقت چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی اندیشہ ہوتا تھا کہ کہیں کوئی رسم ٹوٹ نہ جائے - کوئی شخص اُن کے جائز ہونے پر شک نہ لاتا تھا اور بڑی خبرداری کے ساتھ اُن کو بجا لانا دین داری کا تمغہ سمجھا جاتا تھا، پر یسُوع اِن رسموں کو اِس زمانے کی خرابیوں میں شمار کرتا تھا - لہٰذا وُہ اُن کی پابندی کا قائل نہ تھا اور نہ دُوسروں کو اُن کا غُلام بننے کی صلاح دیتا تھا - وُہ لوگوں کو اُن کی پابندی کے عوض میں انصاف اور رحم اور ایمان کے سچّے اصُول کی طرف متوجّہ ہونے کی تاکید کرتا تھا اور یہ لیاقت اُن میں پیدا کرنا چاہتا تھا کہ وُہ ضمیر کی عظمت کو پہچاننا اور شریعت کی گہری باتوں اور رُوحانی معنوں کو جاننا سیکھ جائیں - لیکن اِس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ لوگ اُسے بے دین اور گمراہ کرنے والا کہنے لگ گئے ؛

اُس میں اور مذہبی اُستادوں میں جو نااتفاقی پائی جاتی تھی وہ سبت کے متعلق بڑے شور سے ظاہر ہُوئی۔ سبت کے روز کے متعلق اُن کے تجویز کئے ہُوئے اوامر و نواہی اس حد تک پہنچ گئے تھے کہ آرام اور خوشی اور برکت کا دِن ایسا ناگوار ہو گیا تھا کہ لوگ اُس سے تنگ آ گئے تھے۔ مسیح اکثر سبت کے روز بیماروں کو چنگا کیا کرتا تھا، لیکن وہ ایسے کاموں کو جو تھے حکم کے برخلاف سمجھتے تھے اُس نے بار بار اُن کے اعتراضوں کی غلطی فاش کی یا یُوں کہیں کہ سبت کے حقیقی مطلب اور مقصد کو کئی طرح سے ظاہر فرمایا کہ وہ آدمی کے لئے بنا ہے نہ کہ آدمی اُس کے لئے، اور اس کے ثبوت میں پُرانے مقدسوں کی نظیریں پیش کیں اور اُن کے دستورات کو جو سبت کے روز عمل میں آتے تھے اُن کے سامنے رکھا مگر وہ قائل نہ ہُوئے اور چُونکہ وہ باوجود اُن کے اعتراض کے بیماروں کو سبت کے دِن چنگا کرتا رہا اس لئے وہ ہمیشہ اُس سے عداوت رکھتے تھے۔

اب ہم سمجھ سکتے ہیں کہ جو لوگ اُس کی نسبت اِس قسم کے ناقص اور کمینے خیالات اپنے دِل میں رکھتے تھے وہ کب اُس کے اعلیٰ قسم کے دعوے سُننے کو تیار ہو سکتے تھے مثلاً جب اُس نے یہ بتایا کہ مَیں مسیح موعُود ہُوں، مَیں گناہوں کو مُعاف کر سکتا ہُوں اور جب اُس نے اُس ازلی رشتے کی جو وہ باپ سے رکھتا تھا اُن کو خبر دی تو وہ اُس کے شنوا نہ ہُوئے بلکہ اُلٹے اُس کے مخالف ہو گئے اور ان باتوں کو کفر گوئی سمجھ کر اُس کا مُنہ کرنے کے درپے ہُوئے۔

ممکن ہے کہ ہم یہ سوچ کر اپنے دِل میں حیران ہوں کہ کیا اُس کے

مُعجزوں نے بھی اُن کو قائل نہ کیا۔ اگر واقعی اُس نے وہ عظیم اور بے شمار مُعجزات دکھائے جو اُس سے منسوب کئے جاتے ہیں تو پھر کس طرح اُنہوں نے اُس کے خُدا کی طرف سے ہونے کی اِس اعلےٰ گواہی کو رَدّ کیا؟

وہ بحث جو سنہیڈرم کے ممبروں اور جنم کے اندھے کے درمیان واقع ہُوئی جس کا بیان یُوحنّا کی انجیل کے نویں باب میں پایا جاتا ظاہر کرتی ہے کہ اس قسم کی شہادت بڑے شدّ و مد کے ساتھ اُن کے رُوبرو دلائی جاتی تھی لیکن وہ ایک نامعقول سے جواب سے اپنی خاطر جمعی کر لیا کرتے تھے۔ واضح ہو کہ یہُودیوں کے درمیان مُعجزات کسی شخص کے حق میں خُدا کی طرف سے ہونے کا کامل ثبُوت نہیں سمجھے جاتے تھے، کیونکہ وہ یہ مانتے تھے کہ جھُوٹے نبی بھی معجزات دِکھا سکتے ہیں اور نہ صرف خُدا کی قُدرت بلکہ شیطانی طاقت بھی مُعجزے دکھا سکتی ہے۔ پس مسیح کے مُعجزوں کی سچائی کا فیصلہ اُن کی رائے میں دیگر دلائل پر مبنی تھا اور اُن دیگر دلائل کی بنا پر وہ مدّت سے فیصلہ کر چکے تھے کہ اُن کا دکھانے والا خُدا کی طرف سے نہیں۔ پس وہ کہتے تھے کہ اُس کے مُعجزے تاریکی کی قُوتوں کی مدد سے وجُود میں آتے ہیں۔ مسیح نے اس کفر آمیز الزام کا مُقابلہ بارہا زبردست دلیلوں کے ساتھ کیا اور اُن کو لاجواب کر دیا مگر اُس کے مخالف اپنے آپ کو محفُوظ سمجھتے رہے؛

وہ ابتدا ہی سے اپنے مخالفانہ فیصلے پر جم گئے تھے اور اِس لئے وہ کبھی مسیح سے متفق نہ ہُوئے۔ ابھی اُس نے پہلے سال یہُودیہ میں اپنا کام شروع ہی کیا تھا کہ وہ اُس کی مخالفت پر آمادہ ہو گئے

اور جب اُن کو یہ خبر ملی کہ وُہ گلیل میں کامیاب ہو رہا ہے تو گھبرا گئے اور یروشلیم سے اپنے گماشتے روانہ کئے تاکہ جا بجا اُن کے معتقدوں کی مدد سے یسوع کے کام کی بیخ کُنی کریں۔ جو سال اُس کی خوشی کا سال تھا اُس میں بھی اُس کو بار بار اُن کا مقابلہ کرنا پڑا۔ پہلے پہل وُہ اُن کے ساتھ بڑی عزّت سے پیش آتا تھا اور اُن کی عقل اور انصاف سے بڑی اُمّید رکھتا تھا مگر تھوڑے عرصے بعد بخوبی ظاہر ہو گیا کہ یہ اُمّید کبھی بر نہ آئے گی۔ پس اُس نے اُن کی مخالفت کو ایک ضروری بات کے طور پر سمجھ کر قبول کیا۔ اُن کے بے بنیاد دعوؤں کی بطالت کو لوگوں پر آشکارا کیا اور اپنے شاگردوں کو اُن کے خمیر سے بچنے کی تاکید کی مگر یہ لوگ بھی لوگوں کے دِلوں میں کانٹے بو رہے تھے اور جو بیج مخالفت اور دُشمنی کا اُنہوں نے بویا وُہ کثرت سے پھل لایا چنانچہ جب سال کے خاتمہ پر اُس کی ہر دلعزیزی میں ضُعف آنے لگا تو وُہ زیادہ دلیری سے اُس کی مخالفت کرنے لگے۔

اسی طرح اُنہوں نے صدوقیوں اور ہیرودیوں کے ٹھنڈے دِلوں میں بھی کسی قدر آگ بھر دی۔ شاید اُن کو یہ کہا ہو گا کہ یسوع بغاوت کے سامان تیار کر رہا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ تمہارے آقا ہیرودیس سے تخت و تاج جاتا رہے گا۔ وُہ دُون ہمّت اور بدچلن بادشاہ خود اُس کے لہُو کا پیاسا تھا کیونکہ وُہ اور ہی باتوں کی وجہ سے اُس سے خائف ہو رہا تھا۔ قریباً اُنہیں ایّام میں اُس نے یُوحنّا بپتسمہ دینے والے کو قتل کیا تھا۔ یہ جُرم صفحۂ تاریخ پر اپنا ثانی نہیں رکھتا اور اس بات کی عمدہ مثال ہے کہ گُناہ کا نتیجہ گُناہ ہوتا ہے اور کہ جب کوئی کینہ ور عورت

بدلہ لینے پر آمادہ ہو جاتی ہے تو کسر ہی چھوڑتی ہے۔ اس سخت اور گھناؤنے جُرم کے بعد ہیرودیس کے مصاحبوں نے اُس کو اُن پولیٹکل تجویزوں کی خبر دی جو اُن کے زعم میں یسوع برپا کر رہا تھا۔ پر جب ہیرودیس نے اِس نئے نبی کی خبر سُنی تو ایک ہولناک خیال اُس کے مجرم ضمیر کو حرکت میں لانے کا باعث ہُوا۔ وُہ سوچنے لگا کہ یہ یُوحنّا بپتسمہ دینے والا ہے جس کو مَیں نے قتل کیا تھا۔ وُہ اب مُردوں میں سے جی اُٹھا ہے۔ لیکن پھر بھی وُہ اُسے دیکھنا چاہتا تھا۔ گو یہ خواہش تبرّک کی نہ تھی جو تمّرد سے کو اپنا شکار کرنا چاہتی تھی مگر یسوع نے کبھی اُس کی دعوت قبول نہ کی۔ اور ناممکن نہیں کہ اسی سبب سے ہیرودیس اپنے اراکین کی باتوں کو زیادہ بھی توجّہ سے سُنتا اور اُسے خطرناک آدمی سمجھ کر گرفتار کرنا چاہتا تھا۔ تھوڑے عرصے کے بعد وُہ اُس کے مارنے کے درپے ہُوا۔ اب یسوع کو اپنے تئیں اُس کے چنگل سے بچانا پڑا اور اس میں شک نہیں کہ اِس بات نے دیگر بڑی بڑی باتوں کے ساتھ مل کر پچھلے چند ماہ کے لئے جو خداوند نے گلیل میں کاٹے اُس کے طرزِ عمل کو بالکل بدل دیا۔

کچھ عرصہ سے تو ایسا معلوم ہونے لگا تھا کہ خُداوند مسیح نے جو اثر عام لوگوں پر ڈال رکھا ہے وُہ رفتہ رفتہ اِس قدر زور پکڑ جائیگا کہ بڑے بڑے عالی رُتبہ اور فاضل لوگ بھی اُس کے مطیع ہو جائیں گے کیونکہ بارہا ایسا اتفاق ہُوا ہے کہ جس تحریک کو شروع میں ذی اقتدار اور با اختیار بزرگوں نے ٹھٹھوں میں اُڑایا آخرکار وُہی عام لوگوں کے دِلوں میں گھر کر گئے اور اُن کی سرگرم امداد سے مضبوط ہو کر اعلےٰ درجہ کے لوگوں پر غالب آئی اور عزّت اور مقدرت کے

مرکزوں میں تسلیم کی گئی۔ قومی قبولیت میں ایک درجہ ہوتا ہے اور جب کوئی تحریک اُس درجہ یا حد تک پہنچ جاتی ہے تو سیلاب کی مانند پُرزور ہو جاتی ہے پھر کوئی تعصب یا حاکمانہ مخالفت اُس کی روانی کو روک نہیں سکتی۔ یسُوع گلیل کے عام لوگوں کے ساتھ بے تکلف ملتا جُلتا تھا اور وُہ بھی اُس کے ساتھ محبت اور تعظیم سے پیش آتے تھے۔ وُہ اُسے فریسیوں اور فقیہوں کی طرح کھاؤ اور شرابی نہیں کہتے تھے بلکہ اُس کی رسالت کے قائل تھے۔ وُہ اُسے گذشتہ زمانوں کے بڑے بڑے انبیاء کے برابر جانتے تھے اور جو لوگ اُس کی عظمت کو کسی قدر زیادہ صفائی سے دیکھتے یا اُس کی رقت انگیز تعلیم کی خوبیوں کو زیادہ محسوس کرتے تھے، وُہ کہتے تھے کہ وُہ یا تو یسعیاہ ہے یا یرمیاہ ہے۔ لوگوں کے درمیان یہ خیال مروّج تھا کہ جب مسیح آئے گا تو اُس سے پہلے ایک بڑا نبی برپا ہو گا اور وُہ نبی اُن کے گمان کے مطابق ایلیاہ تھا۔ پس بعضوں کا یہ خیال تھا کہ یسُوع ایلیاہ ہے یا یُوں کہیں کہ لوگ اُسے مسیح نہیں بلکہ مسیح کا پیشرو تصوّر کرتے تھے اور اس کا سبب یہ تھا کہ جو تصوّرِ مسیح کا وُہ باندھے بیٹھے تھے اُس کی بُنیاد دُنیوی شان و شوکت پر تھی اور یسُوع کی ظاہری حیثیت اُس تصوّر کے بالکل برخلاف تھی۔ البتّہ بعض اوقات بڑے بڑے معجزات کو دیکھ کر کوئی اُن میں سے یہ کہہ اُٹھتا ہے، کیا وُہ مسیح نہیں ہے؟ مگر عموماً باوجود اُس کے نادر معجزات اور لاثانی تعلیمات کے وُہ اُس کو وُہ مسیح نہیں مانتے تھے جو اُن کے ذہن پر نقش ہو رہا تھا۔ لہٰذا وُہ لوگ پختہ اور عالم گیر طور پر اُس کی مسیحائی کے قائل نہ تھے۔

آخر کار فیصلہ کی ساعت آپہنچی۔ یہ وُہی ساعت تھی جس کی طرف بارہا اشارہ ہو چُکا ہے یعنی اُس سال کا آخری حصّہ جو اُس نے گلیل ہی کاٹا تھا۔ اس موقع پر ہمارا خُداوند یُوحنّا بپتسمہ دینے والے کی شہادت کا حال سُن کر اپنے شاگردوں کے ساتھ بیابان کی طرف روانہ ہُوا تا کہ وہاں جا کر اس افسوس ناک حادثہ پر غور کرے اور اپنے جان نثاروں سے اُس کے بارے میں ہم کلام ہو۔ پس وُہ ایک کشتی پر سوار ہو کر جھیل کے مشرقی کنارے کی جانب بڑھا اور کشتی سے بیت صیدا کے ہریالے میدان میں اُترا اور پھر اپنے بارہ شاگردوں کے ساتھ ایک اُونچے پہاڑ پر چڑھ گیا، لیکن بہت دیر نہ ہونے پائی تھی کہ دامنِ کوہ میں لوگوں کا ہجوم جمع ہو گیا اور اس غرض سے کہ اُس کے کلام اور اُس کے دیدار سے محظوظ ہوں، لوگ اُس کی قیام گاہ سے آگاہ ہو کر ہر سمت سے اُمڈ آئے اور وُہ جو کہ ہر وقت اَوروں کے لئے اپنے آپ کو تصدّق کرنے کو تیار تھا پہاڑ پر سے نیچے اُتر آیا تا کہ اُنہیں تعلیم دے اور اُن کے امراض کو دفع کرے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد آفتاب غروب ہو گیا۔ اب اُس نے لوگوں کی بے کسی اور بے بسی پر ترس کھا کر وُہ عظیم الشّان معجزہ دکھایا جس میں پانچ ہزار اشخاص کو سیر و آسُودہ کیا۔ اس معجزے کا اثر بڑے زور کے ساتھ نمودار ہُوا چنانچہ لوگوں نے خیال کیا کہ یہی مسیح موعُود ہے اور چُونکہ مسیح کی مسیحائی کا ایک ہی تصوّر اُن کے دل میں جما ہُوا تھا اس لئے اُس تصوّر کے مطابق اُنہوں نے اُسے جبراً اپنا بادشاہ بنانا چاہا، یعنی وُہ چاہتے تھے کہ وُہ ایک بغاوت کا

جو مسیح کے نام میں برپا کی جائے سرغنہ بنے اور قیصرِ رُوم سے اور اُن شہزادوں کے ہاتھ سے تاج و تخت چھین لے جنہیں قیصر نے مختلف صُوبجات پر حکمران بنا دیا تھا۔

بظاہر معلوم ہوتا تھا کہ گویا وُہ وقت آ گیا ہے جس میں اُس کی محنتوں کے سر پہ کامیابی کا تاج رکھا جائے گا لیکن یسُوع کی نظر میں یہ وقت رنج اور ناکامیابی کا وقت تھا۔ وُہ سوچتا تھا کہ کیا میری سال بھر کی محنت کا یہی نتیجہ ہُوا؟ کیا لوگوں نے میری باتوں کو سُن کر یہی خیال میری نسبت قائم کیا؟ کیا اُنہوں نے یہی واجب سمجھا کہ مُجھے سکھائیں کہ مُجھے آئندہ کیا کرنا چاہیئے اور نہ جانا کہ اُن کا یہ فرض ہے کہ وُہ مجھ سے پوچھیں کہ اُنہیں کیا کرنا چاہیئے؟ اس ناموافق نتیجہ کو دیکھ کر اُس نے جان لیا کہ میرے کام نے گلیل کے لوگوں پر جو اثر کیا اُس کا ثبوت آج مجھ کو مل گیا۔ وُہ بہت گہرا اثر نہیں ہے اور گلیل نے ثابت کر دیا ہے کہ وُہ اس قابل نہیں کہ میں اُسے اپنا مرکز بنا کر اُس سے اپنی بادشاہی کو باقی سرزمین میں پھیلاؤں۔ پس وُہ اُن کی نفسانی خواہشات کو دیکھ کر اُس جگہ سے چل نکلا اور دُوسرے دن کفرنحوم میں پھر اُن سے ملا اور اس موقع پر اُن کو بتایا کہ تم میری نسبت سخت غلط فہمی میں مُبتلا ہو۔ تم روٹیوں کے بادشاہ کی تلاش کرتے ہو تاکہ وُہ تم کو بیکاری کے ساتھ مال کی فراوانی عطا کرے۔ روٹیوں کے ڈھیر لگائے اور دُودھ کی نہریں تمہارے لئے جاری کرے اور تم بے مُشقّت زندگی کا مزہ لُوٹو۔ پر مَیں وُہ بادشاہ نہیں ہُوں جو برکت مَیں اپنے بندوں کو عطا کرتا ہُوں وُہ ہمیشہ کی زندگی کی روٹی ہے۔ لیکن اُس کی یہ باتیں

لوگوں کے آتشی جوش کے لئے ٹھنڈے پانی کا کام کر گئیں۔ چنانچہ اُسی وقت سے اُس کا کام گلیل میں نامرغوب سا ہو گیا اور لکھا ہے کہ "اس پر اُس کے شاگردوں میں سے بہت سے پھر گئے اور اس کے بعد اُس کے ساتھ نہ رہے۔" پر وُہ خُود یہی چاہتا تھا یا یُوں کہیں کہ اُس نے اپنی ہر دلعزیزی کی جڑ پر آپ کلہاڑا مارا۔ اب اِس وقت سے لے کر آئندہ اُس نے اپنے تئیں اُن چند اشخاص کی طرف متوجّہ کیا جو اُس کی حقیقت سے کسی قدر زیادہ واقف تھے اور رُوحانی باتوں کا زیادہ مذاق رکھتے تھے۔

اُس کے کام کی صُورت کا تبدیل ہو جانا۔ اگرچہ اہلِ گلیل نے بہ حیثیّتِ مجمُوعی اپنے آپ کو ناقابل ثابت کیا تو بھی اُن میں ایک "بقیّہ" موجُود تھا جو وفادار نکلا۔ اس "بقیّہ" کا مرکز رسُول تھے، دیگر شاگردوں کی تعداد کئی سو تک پہنچ گئی تھی۔ یسُوع اب خاص طور سے ان لوگوں کی طرف متوجّہ ہُوا۔ جس وقت تمام گلیل نے اس کو رَدّ کیا اُس وقت اُس نے ان وفاداروں کو اس طرح بچا لیا جس طرح کوئی جلتی ہُوئی لکڑی کو بچا لیتا ہے لیکن اُن کے لئے بھی یہ وقت ایک بڑی آزمائش کا وقت تھا کیونکہ اُن کے خیالات بھی بہت کُچھ عام لوگوں کے خیالات تھے۔ وُہ بھی دُنیاوی حشمت اور شوکت والے مسیح کا انتظار کر رہے تھے۔ اِس میں شک نہیں کہ وُہ اپنے تصوّر میں رُوحانی معانی کو ملانا سیکھ گئے تھے پر پھر بھی ابھی رُوحانی خیالات کے ساتھ روائتی اور دُنیوی توہمات لگے ہُوئے تھے۔ وُہ بڑے ارمان اور حسرت سے کہتے ہوں گے کہ یہ عجیب راز ہے کہ

یسُوع اب تک شاہانہ تاج سے اپنے سر کو زیب نہیں دیتا۔ یہی خیال تھا جس نے بپتسمہ دینے والے یُوحنّا کو قید خانہ میں ایسا پریشان کیا کہ اُس کے دِل میں شکُوک پیدا ہُوئے اور کہنے لگا کیا یہ دن کے کنارے پر جو رویا مجھے نصیب ہُوئی وُہ کسی حقیقت کا نقشہ تھی یا محض سراب؟ یہی بات سوچ کر اُس نے یسُوع کے پاس پیغام بھیجا اور دریافت کیا کہ تُو مسیح ہے یا نہیں؟ یُوحنّا بپتسمہ دینے والے کی مَوت مسیح کے شاگردوں کے لئے بڑی بے چینی کا باعث ہُوئی ہوگی۔ وُہ سوچتے ہوں گے کہ اگر مسیح فی الحقیقت ایسا قادر ہے جیسا کہ ہم اُسے سمجھتے ہیں تو پھر اُس نے کیوں اپنے دوست (یُوحنّا) کو ایسی شرمناک مَوت سے مرنے دیا؟ اگرچہ باوجُود اس قسم کی سرگردانیوں کے وُہ اُس کا دامن پکڑے رہے اور جس بات کے سبب سے وُہ اُس سے چپٹے رہے وُہ اُس جواب سے عیاں ہے جو اُنہوں نے یسُوع کو اُس وقت دیا جب اُس نے اُن سے یہ سوال کیا کہ "کیا تُم بھی چلا جانا چاہتے ہو؟" اُنہوں نے کہا "اَے خُداوند! کس کے پاس جائیں؟ ہمیشہ کی زندگی کی باتیں تو تیرے ہی پاس ہیں"۔ اگرچہ اُن کے خیالات صاف نہ تھے اور وہ پریشانیوں اور سرگردانیوں کی تاریکی سے گھرے ہُوئے تھے تو بھی اتنا ضرور جانتے تھے کہ ہم اسی یسُوع سے ہمیشہ کی زندگی پا رہے ہیں۔ اسی بات کے باعث وُہ اُس کے قدموں سے لگے رہے اور خوشی سے اس بات کا انتظار کرتے رہے کہ وُہ خود ساری مشکلات کو حل کر دے گا۔

آخری چھ ماہ جو گلیل میں صرف ہُوئے اُن میں اُس نے مُنادی کرنے اور مُعجزات دکھانے کا معمُولی کام زیادہ تر بند کر دیا اور اپنی توجّہ اپنے شاگردوں کو سکھانے کی طرف کی۔ وُہ اُنہیں اپنے ساتھ لے کر مُلک کے دُور دُور حصّوں میں جایا کرتا تھا اور جہاں تک ہو سکتا تھا شہرت سے بچتا تھا۔ چنانچہ اِن دِنوں وُہ کبھی ہم کو شمال کی جانب صُور اور صیدا میں ملتا ہے اور کبھی شمال مشرق میں قیصریہ فلپّی کے علاقہ میں دکھائی دیتا ہے اور کبھی دکپلس میں جھیل کے جنُوب اور مشرق میں نظر آتا ہے۔ اِن سفروں کا باعث کچھ تو فریسیوں کی مخالفت تھی اور کچھ ہیرودیس کے کینے کا خیال۔ مگر زیادہ تر اپنے شاگردوں کے ساتھ اکیلا رہنا چاہتا تھا۔ اِن گردشوں کا ایک بیش قیمت نتیجہ قیصریہ فلپّی میں ظاہر ہُوا۔ وہاں خُداوند نے اپنے شاگردوں سے پُوچھا کہ لوگ میری نسبت کیا خیال کرتے ہیں؟ اُنہوں نے لوگوں کے مختلف قیاس بیان کئے اور بتایا کہ کوئی کہتا ہے کہ تُو ایک نبی ہے۔ کوئی خیال کرتا ہے کہ تُو ایلیاہ ہے اور بعضوں کا گُمان ہے کہ تُو یُوحنّا بپتسمہ دینے والا ہے۔ اِس پر اُس نے اُن سے پُوچھا کہ "تُم کیا کہتے ہو کہ مَیں کون ہُوں"۔ پطرس نے اُن سب کے لئے جواب دیا اور کہا "تُو زندہ خُدا کا بیٹا مسیح ہے"۔ اسی بات سے قائل ہو کر اُنہوں نے مصمّم ارادہ کیا کہ خواہ کچھ ہی ہو ہم یسُوع کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ یسُوع نے اُن کے اس اقرار کو بڑی شادمانی سے قبُول کیا اور جان لیا کہ جنہوں نے یہ اقرار کیا ہے مَیں اُنہی میں سے وُہ آیندہ کلیسیا پیدا کروں گا جو اسی صداقت پر مبنی ہوگی جسے شاگردوں نے اپنے

اقرار کے وسیلے ظاہر کر دیا ہے۔

مگر اس فضیلت کو پہنچنا اُن کے لئے گویا ایمان کی ایک نئی آزمائش کے لئے تیار ہونا تھا۔ چنانچہ ہم پڑھتے ہیں کہ اس وقت سے اُس نے اپنے آنے والی تکلیفوں اور موت کی خبر دینی شروع کی۔ اُس کی تکلیفیں اور موت اُس کی آنکھوں کے سامنے پھرتی تھیں اور وہ جانتا تھا کہ میرے کام کا انجام یہی ہے۔ اس بات کی طرف اُس نے اس سے پہلے بھی اشارہ کیا تھا مگر اُس پُر محبت احتیاط کے ساتھ جس کے مطابق وہ ہمیشہ اُن کی سمجھ کی صفائی کے مطابق اُن کو تعلیم دیا کرتا تھا یہ جاننا ضروری امر ہے کہ اس سے پہلے اُس نے اُن کے سامنے بار بار اپنے دُکھوں اور موت کی طرف اشارہ نہیں کیا تھا مگر اب وہ کچھ کچھ اُن باتوں کو سُننے اور برداشت کرنے کے لئے تیار تھے اور چونکہ دُکھ اور موت کا آنا لازم تھا اور وقت بھی بہت نزدیک آگیا تھا اس لئے وہ بار بار اُن کو اپنی مصیبتوں کی خبر دیتا رہا مگر وہ خود ہمیں بتاتے ہیں کہ وہ اُس کا مطلب اچھی طرح نہیں سمجھتے تھے۔ اپنے ہم وطنوں کی طرح ایک طرف تو وہ یہ مانتے تھے کہ مسیح آتے ہی داؤد کے تخت پر بیٹھے گا اور ساتھ ہی یہ بھی مانتے تھے کہ یسوع ہی وہ مسیح ہے۔ پس یسوع کا یروشلیم میں جا کر جان سے مارا جانا اور تخت پر نہ بیٹھنا اُن کے لئے ایک معمہ سا تھا۔ وہ اُس کے دُکھوں کی باتوں کو سُنتے اور آپس میں بحث کرتے تھے لیکن اُن کو ناممکن سمجھتے تھے۔ وہ خیال کرتے تھے کہ وہ اس معاملے میں بھی تمثیلی طرز پر کلام کر رہا ہے جیسا کہ دیگر معاملات پر کیا کرتا ہے اور کہ اُس کا

مطلب صرف یہ ہے کہ اُس کی موجودہ پست حالی جاتی رہے گی اور اُس کا کام ایسے جلال اور فتحمندی کے ساتھ نئی صورت اختیار کریگا کہ گویا مُردوں میں سے جی اُٹھا ہے۔ جُوں جُوں اُس کی موت اور دُکھوں کا وقت نزدیک آتا جاتا تھا وہ اُسی قدر زیادہ تفصیل کے ساتھ اُن کو اپنے دُکھوں کی کیفیت سے آگاہ کرتا جاتا تھا تاکہ تمام غلط فہمیاں اُن کے دل سے دُور ہو جائیں مگر اُن کے دل اس صداقت کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھے اور اس بات کا ثبوت یہ ہے کہ وہ آپس میں اکثر اس بات پر جھگڑا کرتے تھے کہ آسمان کی بادشاہی میں سب سے بڑا کون ہوگا اور سلومی کی اس درخواست سے بھی کہ اُس کی بادشاہی میں اُس کے دونوں بیٹوں میں سے ایک اُس کے دہنے اور دوسرا اُس کے بائیں بیٹھے یہی بات ثابت ہوتی ہے اور جب وہ گلیل سے یروشلیم کی طرف روانہ ہوئے تو اسی خیال سے روانہ ہوئے کہ اب خدا کی بادشاہی نمودار ہوگی اور یسوع دارالخلافہ میں پہنچ کر اُس پستی کے لباس کو جو اب تک پہنے ہے اُتار پھینکے گا اور ہر قسم کی مخالفت کو اپنی قدرت سے مغلوب کر کے اپنے باپ دادا کے تخت پر بیٹھ جائے گا۔

اب ہم دیکھیں گے کہ یسوع خود اس سال میں کیا سوچتا تھا اور کیسے کیسے خیالات اُس کے دل میں گزرتے تھے؟ اُس کے لئے بھی یہ سال سخت آزمائش کا سال تھا۔ یہ پہلا مرتبہ تھا کہ اُس کے چہرے پر فکر اور اندیشے کے آثار نمودار ہونے لگے۔ بارہ مہینے کے عرصے میں جو گلیل میں گزرا وہ اپنی ظاہری کامیابی کو دیکھ کر نہایت

بشاش رہا کرتا تھا، پر اب حقیقت میں وُہ مردِ غمناک بن گیا۔ جب وُہ پیچھے لوٹ کر دیکھتا تھا تو اُسے یہ بات نظر آتی تھی کہ گلیل نے مجھے ردّ کر دیا ہے۔ اُس مُلک کے بنجرپن کو دیکھ کر جس پر اُس نے اتنی محنت صرف کی جو غم اُس کے دِل میں پیدا ہُوا اگر ہم اُس کا تخمینہ لگانا چاہیں تو اُس محبّت کو دیکھنا چاہیئے جس سے وُہ اُن رُوحوں کو پیار کرتا تھا جن کے بچانے کے لئے اپنے کام میں جان فشانی کے ساتھ مصرُوف تھا۔ اسی طرح جب آگے کی طرف دیکھتا تھا تو اُدھر بھی یہی نظر آتا تھا کہ جب مَیں یروشلیم پہنچوں گا تو وہاں بھی رَدّ کیا جاؤں گا۔ اس میں ذرا بھی شک نہ تھا۔ آیندہ کے بارے میں جب کوئی خیال اُس کے دِل میں آتا تھا تو اُس کے ساتھ ہی اس واقعہ کا خیال بھی اُس کی آنکھوں کے سامنے بڑی صفائی کے ساتھ موجود ہو جاتا تھا۔ اُس کا خیال اِس وقت اسی بات کی طرف لگا ہُوا تھا کہ یہ آنے والا واقعہ نہایت سخت واقعہ تھا اور چُونکہ وُہ نزدیک آتا جاتا تھا اس لیئے کبھی کبھی ایسی کش مکش اُس کے دِل میں برپا ہوتی تھی کہ ہم اُس کی تصویر کھینچنے کی جرُأت نہیں کر سکتے۔

اِن دِنوں وُہ اپنے وقت کا زیادہ حِصّہ دُعا میں صرف کیا کرتا تھا۔ دُعا میں لگے رہنا ہمیشہ اُس کی خُوشی اور تقویّت کا باعث تھا چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب وُہ اپنے کام میں بہُت مصرُوف ہوتا تھا اور شام کے وقت دِن بھر کی محنت سے ایسا چُور چُور ہو جاتا تھا کہ تکان کے مارے کھڑا نہیں رہ سکتا تھا تو اُس وقت بھی لوگوں سے اور اپنے شاگردوں سے جُدا ہو کر اکیلا پہاڑ کی چوٹی

پر چلا جاتا تھا اور وہاں اپنے باپ کی صحبت میں پُوری پُوری رات صرف کر دیتا تھا۔ وُہ کوئی بڑا کام دُعا کے بغیر نہیں کیا کرتا تھا۔ لیکن اب آگے سے بھی کہیں زیادہ دُعا میں لگا رہتا تھا اور اپنا مُقدمہ خُدا کے حضُور آنسُو بہا کر پیش کیا کرتا تھا۔ اُس کی دُعاؤں کا جواب ایک عظیم الشان صُورت میں اُس وقت اُس کو ملا جبکہ اُس کی صُورت پہاڑ پر تبدیل ہُوئی۔ یہ پُرجلال نظارہ مخالفت کے سال کے وسط میں گلیل چھوڑنے اور یروشلیم کی طرف روانہ ہونے سے جہاں وُہ دُشمنوں کے فتوے کا نشانہ بنا ذرا پہلے عیاں ہُوا۔ اِس عجیب اور جلالی واقعہ کا مقصد کُچھ تو یہ تھا کہ اُس کے تین شاگردوں کا ایمان اُس کے وسیلے سے مضبُوط ہو تاکہ وُہ اپنے بھائیوں کے ایمان کو مضبُوط کرنے کے لائق بن جائیں اور کُچھ یہ کہ خُود اُس کے دِل کو تسلّی ملے۔ گویا اُس کی صُورت کا تبدیل ہونا اُس کے باپ کی طرف سے اُس کے لئے ایک انعام تھا۔ خُدا نے اِس نظارے کے ذریعے سے اُس کی وفاداری کو جو اَب تک اُس سے ظاہر ہُوئی اعلانیہ قبُول کیا اور اُس کو اُس باقی کام کے لئے جو اُسے ابھی کرنا تھا تیاری اور تقویّت بخشی۔ اِس موقعہ پر اُس نے اپنی صلیبی موت کے بارے میں مُوسیٰ اور ایلیاہ سے گفتگُو کی جو اُس کے ساتھ پُوری ہمدردی کر سکتے تھے اور جن کا کام اُس کی موت سے پُورا اور مکمّل ہونے کو تھا۔

گلیل کو چھوڑ کر لیسُوع یروشلیم کی طرف روانہ ہُوا اور راستے کو طے کرنے میں چھ مہینے لگے۔ اس دراز عرصے کی وجہ یہ تھی کہ اُسے بادشاہی

کی مُنادی تمام مُلک میں کرنی تھی۔ یہ کام اُس کے کُل کام کا ایک ضروری حصّہ تھا اور اُس نے اُسے خوب انجام دیا۔ پہلے اپنے شاگردوں میں سے چالیس کو بھیجا کہ وُہ جا کر گاؤں اور شہروں کو اُس کے لئے تیار کریں اور جب خُود روانہ ہُوا تو پھر وُہی نظارے ظہور میں آئے جو گلیل میں رُونما ہُوئے تھے۔ اِسی طرح لوگوں کی بھیڑ اُس کے پیچھے پیچھے چلتی تھی اور اُسی طرح مُعجزے وقُوع میں آتے تھے مگر چونکہ اس عرصہ کے مفصّل حالات قلمبند نہیں ہُوئے اِس لئے ہم قدم بقدم اُس کی پیروی نہیں کر سکتے تو بھی ہم اُسے سامریہ۔ پیریہ۔ یردن کے کناروں اور بیت عنیا اور افرائیم کے گاؤں میں کام کرتا ہُوا دیکھتے ہیں تاہم یروشلیم ہی وُہ منزلِ مقصود تھی جس کی طرف وُہ رفتہ رفتہ بڑھ رہا تھا۔ اِس شہر میں جو کچھ اُس پر واقعہ ہونے والا تھا اُس کے خیال میں وُہ اس قدر محو تھا کہ کبھی کبھی اُس کے شاگرد اُس کی خاموشی اور تیز رفتاری کو دیکھ کر حیران ہوتے اور ڈر جاتے تھے۔ گاہے گاہے خوشی اور فرحت بھی نمایاں ہوتی تھی جیسے اُس وقت ہُوئی جبکہ اُس نے چھوٹے بچّوں کو برکت دی یا جیسے بیت عنیا میں دوستوں کے گھر میں جانے سے ہُوئی۔ پر ان دِنوں عموماً اُس کی طبیعت اور صُورت سے ایسی فکرمندی عیاں تھی کہ پہلے کبھی اِس درجہ تک ظاہر نہیں ہُوئی تھی۔ پس اس زمانہ میں جو گفتگو یا بحث اُس کے اور اُس کے دُشمنوں کے درمیان واقع ہوتی تھی وُہ بھی پہلے کی نسبت زیادہ پُرجوش ہُوا کرتی تھی اور جو شرائط وُہ اُن کو جو اُس کی پیروی کرنا چاہتے تھے اِس وقت بتایا کرتا تھا وُہ بھی پہلے کی نسبت زیادہ سخت ہوتی تھیں۔ غرضیکہ ہر بات سے یہی ظاہر ہوتا

تھا کہ خاتمہ نزدیک آتا جاتا ہے۔ وُہ اس وقت دُنیا کے گُناہ کے کفّارہ کے خیال میں مستغرق تھا اور اس کام کے انجام پانے تک اُس کی رُوح کو سخت دُکھ میں گرفتار رہنا پڑا۔ یہ غمناک واقعہ نزدیک آتا جاتا تھا۔ اِن چھ مہینوں کے عرصہ میں اُس نے آخری بار سے پہلے دو دفعہ یروشلیم میں قدم رکھا اور دونوں دفعہ صاحب اقتدار اشخاص نے سخت مخالفت کی۔ پہلی دفعہ وُہ اُس کے گرفتار کرنے کے درپے ہُوئے اور دُوسری دفعہ سنگسار کرنے پر آمادہ ہو گئے اور یہ حکم اس سے بھی پہلے جاری کر چُکے تھے کہ جو کوئی اُسے مسیح کہے گا وُہ قوم سے خارج کیا جائے گا۔ پر جب لعاذر کے زندہ ہونے سے قومی دارالخلافہ کے دروازوں کے پاس عام لوگوں میں جوش و خروش کی رُوح پیدا ہُوئی تو دین کے حاکموں نے دیکھا کہ اُس کو جان سے مارنا ضرُوری ہے اور یہی فیصلہ اُنہوں نے اپنی کونسل میں کیا۔ یہ فیصلہ خاتمہ سے کوئی ایک یا دو ماہ پہلے ہُوا تھا اور اس کے سبب سے کچھ عرصے کے لئے مسیح یروشلیم سے چلا گیا لیکن وُہ صرف اُسی وقت تک یروشلیم سے دُور رہا جب تک کہ وُہ گھڑی نہ آئی جو اُس کے باپ نے اُس کے لئے مقرّر کی تھی۔

آٹھواں باب

کام کا خاتمہ

اب ہمارے خُداوند کے کام کا تیسرا سال بھی خاتمہ کو پہنچا اُور فسح کی عید نزدیک آئی۔ کہتے ہیں کہ اس عید کی تقریب پر کم از کم بیس یا تیس لاکھ آدمی یروشلیم میں جمع ہو جاتے تھے جو نہ صرف فلسطین کے مختلف علاقوں سے بلکہ دُور دُور کے مُلکوں سے خُشکی اُور تری کی سختیاں سہہ کر آتے تھے تاکہ اس عید میں جو اُن کی قومی تواریخ کی بُنیاد سمجھی جاتی تھی شامل ہوں۔ اُن میں سے کئی تو سنجیدہ خیالات اُور حقیقی خُوشی کے ساتھ آتے ہوں گے اُور اُن کے دِلی تصوّرات اس عظیم عید کے ساتھ مطابقت رکھتے ہوں گے لیکن کئی اس لئے آتے ہوں گے کہ بچھڑے ہُوئے عزیزوں اُور دُور اُفتادہ دوستوں کو دیکھ کر دِل ٹھنڈا کریں اُور کئی تجارت اُور بیوپار کے منافع سے ہاتھ گرم کرنا چاہتے ہوں گے۔ پر اس دفعہ بے شمار لوگوں کے دِلوں میں ایک اُور ہی تحریک پیدا ہو رہی تھی۔ وُہ اب کی دفعہ یروشلیم میں عجیب کام دیکھنے کی اُمّید رکھتے تھے۔ وُہ کہتے تھے کہ اس دفعہ ہم یسُوع کو وہاں دیکھیں گے۔ وُہ اُس کے بارے میں طرح طرح کے خیالات اپنے ذہن میں جمائے ہُوئے تھے۔ اگر ہم وہاں ہوتے تو ہم دیکھتے کہ ہزاروں مُسافر جو یروشلیم کو جا رہے ہیں راستے میں اُسی کی بابت گفتگو کرتے

جاتے ہیں اُور سینکڑوں یہُودی جو جہازوں پر بیٹھے ایشیائے کوچک اُور مصر سے یروشلیم کو آ رہے ہیں اُسی کے نام کا وِرد کر رہے ہیں۔ ماسوا اِن کے اُس کے شاگرد بھی وہاں موجُود تھے۔ اُن کے دِل میں بھی یہ اُمّید جوش زن ہوگی کہ اب تو لاکھوں لوگ دارالسّلطنت میں موجُود ہیں، اب ہمارا خُداوند ضرُور پستی کے پردے کو اُتار کر اپنے جلال کو آشکارا کرے گا اُور کسی نہ کسی عجیب صُورت سے لوگوں کو قائل کر دے گا کہ مسیح موعُود مَیں ہی ہُوں۔ علاوہ اِن کے ہزاروں آدمی مُلک کے جنُوبی حِصّہ سے آئے ہُوئے تھے اُور چُونکہ چند دنوں سے وُہ اُن کے درمیان کام کر رہا تھا اس لئے وُہ بھی اُس کی نسبت کُچھ اُسی طرح کا خیال رکھتے تھے جیسا گلیل میں پہلے سال کے آخر میں گلیلیوں کا تھا۔ اس موقعہ پر بے شمار گلیلی بھی حاضر تھے جو اُس کی نسبت اچھی رائے رکھتے اُور اُس کے متعلّق ہر امر میں دلچسپی دکھانے کو تیار تھے۔ لاکھوں اشخاص جنہوں نے اُسے کبھی دیکھا تو نہیں تھا مگر اُس کے بارے میں سُنا بہُت کُچھ تھا اُور اُور ممالک سے بھی آئے ہُوئے تھے۔ وُہ اپنے دِلوں میں یہ اُمّید لئے بیٹھے تھے کہ یا تو ہم اُس کا کوئی عجیب مُعجزہ دیکھیں گے یا اُس کی مُعجزانہ باتیں سُن کر محظُوظ ہوں گے۔ اِن سب لوگوں کے علاوہ یروشلیم کے دینی عہدیدار بھی اُس کی راہ دیکھ رہے تھے۔ اُن کے دِلوں میں بھی طرح طرح کے خیالات جوش مار رہے تھے۔ وُہ اس گھات میں تھے کہ اب کی دفعہ اگر اُور کُچھ نہ ہُوا تو اتنا ضرُور کریں گے کہ آگے کو اُسے کام کرنے سے بند کر دیں گے مگر ساتھ ہی یہ خیال بھی ڈرا رہا تھا کہ اگر وُہ گلیل یا کسی اُور صُوبہ کے لوگوں کا سپہ سالار بن کر آ گیا تو ہمیں ضرُور اُس کا

مطیع ہونا پڑے گا۔

قوم کے ساتھ آخری ناچاقی۔

فسح سے چھ دن پہلے یسوع مریم و مارتھا کے ہمراہ لعازر کے گاؤں یعنی بیت عنیا میں وارد ہوا۔ بیت عنیا یروشلیم سے دو یا تین میل کے فاصلے پر کوہ زیتون کی چوٹی کی دوسری طرف واقع تھا اور چونکہ وہ یروشلیم سے کُل نصف گھنٹے کا راستہ تھا اس لئے عید کے دنوں میں وہاں ٹھہرنا یسوع کے لئے زیادہ آرام کا باعث تھا۔ عید کی رسُوم جمعرات سے شروع ہونے کو تھیں مگر یسوع چھ دن پہلے یعنی جُمعہ کے روز بیت عنیا میں آگیا۔ اُس کے سفر کے آخری بیس میل میں ہزاروں مُسافر اُس کے ہمراہ تھے جن کی آنکھیں اُس پر لگی ہُوئی تھیں۔ اُنہوں نے اُس کو یریحو میں برتمائی کی آنکھیں روشن کرتے دیکھا تھا اور اس معجزے نے اُن میں عجیب قسم کی نرم دلی پیدا کر دی تھی اور اب جب وُہ بیت عنیا میں آئے تو اُنہوں نے دیکھا کہ یہ گاؤں لعازر کو زندہ کرنے کے معجزے سے گونج رہا ہے اور جب وُہ یروشلیم میں پہنچے تو اُنہوں نے جابجا یہ خبر پھیلا دی کہ یسوع آگیا ہے۔ پس جب وُہ سبت کے روز آرام کر کے اتوار کو یروشلیم کی طرف جانے لگا تو کیا دیکھتا ہے کہ گاؤں کی گلیاں اور آس پاس کی سڑکیں لوگوں سے بھری پڑی ہیں۔ اُن میں کچھ تو وُہ لوگ شامل تھے جو اُس کے ساتھ آئے تھے اور کچھ وُہ جو اُس کے پیچھے یریحو سے گزرے تھے اور جنہوں نے وہاں سے گزرتے ہوئے اُس کے معجزے کی خبر سُنی تھی۔ اور کئی اُن میں ایسے بھی تھے جو اُسے دیکھنے کو یروشلیم سے آئے تھے اُنہوں نے اُس کو بڑی سرگرمی اور گرم جوشی سے قبول کیا اور یہ نعرے مارنے

شروع کئے "ابنِ داؤد کو ہوشعنا۔ مُبارک وُہ جو خُداوند کے نام سے آتا ہے"۔ یہ نعرے گویا اُس کی مسیحائی کی مُنادی تھے۔ اس لئے پہلے وُہ اِس قسم کی باتوں سے بچتا تھا اور لوگوں کو روک دیا کرتا تھا مگر اب کی دفعہ اُس نے اُنہیں اِن باتوں سے نہ روکا۔ شاید اِس لئے کہ یہ اظہارات اُن کی سچی تعظیم سے پیدا ہُوئے تھے۔ بہرحال اب ایسا وقت آگیا تھا کہ وُہ اپنی مسیحانہ بادشاہی کے دعوے کو چھپا نہیں سکتا تھا۔ لیکن یہ یاد رہے کہ جب اُس نے اِس بِھیڑ کی طرف سے شاہانہ اعزاز کو قبُول کیا تو اُس کے ساتھ اس بات کو بھی بخوبی ظاہر کر دیا کہ میری بادشاہی کس طرح کی ہے۔ چنانچہ اُس نے ایک گدھی کا بچہ منگوایا اور جب اُس کے شاگردوں نے اُس پر اپنے کپڑے ڈال دیئے تو اُس پر سوار ہُوا اور بِھیڑ کے آگے آگے چل پڑا۔ اس سے ظاہر ہُوا کہ وُہ جنگ کے ہتھیاروں سے آراستہ یا کسی بادرفتار کوتل پر سوار ہو کر یروشلیم میں نہیں آتا بلکہ سادگی اور سلامتی کا شہزادہ بن کر اُس میں داخل ہوتا ہے۔ جب جلُوس کوہ زیتون کی چوٹی اور پہاڑ کے دامن سے گزر کر اور نالۂ قدرون کو عبُور کر کے شہر کے پھاٹک پر پہنچا تو وہاں سے شہر کے کُوچوں میں سے ہو کر ہیکل میں آگئے۔ جُوں جُوں وُہ آگے بڑھتے جاتے تھے اژدہام زیادہ ہوتا جاتا تھا اور دیکھنے والے کھجور اور زیتون کی ٹہنیاں لے کر فتحمندانہ طور پر ہلاتے اور زور زور سے "ہوشعنا۔ ہوشعنا" کہتے جاتے تھے۔ شہر کے باشندے اپنے گھروں کے دروازوں اور مکانوں کی کھڑکیوں پر سے جھک جھک کر دیکھتے تھے اور پُوچھتے تھے "یہ کون ہے"؟ اہل گلیل اور

دیگر لوگ ملکی فخر سے مسرور ہو کر یہ جواب دیتے تھے "یہ ناصرت کا نبی یسوع ہے۔" مگر یہ سب اعزاز باہر والوں کی طرف سے تھا۔ یروشلیم کے لوگوں نے اس میں کچھ حصہ نہ لیا بلکہ بڑی سرد دلی سے کنارہ کشی اختیار کی۔ یہودیوں کے دینی سردار خوب جانتے تھے کہ اِس ساری کارروائی کا کیا مطلب ہے۔ پس وہ غیظ و غضب سے بھر گئے اور یسوع کے پاس آ کر کہنے لگے کہ اپنے پیروؤں کو ان ناشائستہ حرکات سے بند کر۔ شاید اُنہوں نے اُس کو اشارتاً یہ بھی کہا ہو گا کہ اگر تُو ان کو منع نہیں کرے گا تو رُومی قلعے سے نکلیں گے اور تجھ پر اور تیرے شاگردوں پر حملہ آور ہوں گے اور تمام شہر کو سرکشی کے جرم میں سزاوار ٹھہرائیں گے۔

خداوند مسیح کی زندگی میں اِس موقع سے بڑھ کر اور کوئی موقع نہیں ہے جس کی نسبت یہ سوال کیا جائے کہ لوگ اُس کے دعوے کو قبول کر لیتے تو کیا نتیجہ ہوتا؟ پس یہ خیال آتا ہے کہ اگر یروشلیم کے باشندے بھی بیرونی صوبجات کے باشندوں کے جوش و خروش سے مغلوب ہو کر اُس کے مطیع ہو جاتے اور کاہنوں اور فقیہوں کے تعصبات کو تمام لوگوں کی مدد چکنا چُور کر دیتی تو یسوع عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لے کر ایک ایسا تاریخی زمانہ جاری کر دیتا جو اُس سے جو بعد میں جاری ہُوا بالکل مختلف ہوتا؟ اس قسم کے خیالات ہماری رسائی سے بعید ہیں اگرچہ کوئی دانش مند آدمی ان سے بری بھی نہیں رہ سکتا۔

یسوع نے اِس سے پہلے یروشلیم اور یروشلیم کے سرداروں سے

اطاعت طلب کی مگر اُنہوں نے کچھ توجہ نہ کی اور اس وقت دُوسری جگہ کے لوگوں سے قبول کیا جانا قومی قبولیت کے لئے کافی نہ تھا۔ پس اُس نے اِس وقت اہلِ یروشلیم کے فیصلے کو آخری فیصلہ سمجھا، حالانکہ وہ لوگ جو اس وقت یروشلیم میں موجود تھے صرف اُس کے اشارہ کے منتظر تھے۔ اس وقت جو کچھ وہ کہتا وہ اُسے بجا لانے کو بالکل تیار تھے مگر اُس نے کوئی حکم نہ دیا بلکہ ہیکل میں تھوڑی دیر تک ٹھہر کر اور اِدھر اُدھر دیکھ کر بیت عنیا کو واپس چلا گیا۔

مگر عوام کو جو مایوسی اس سے ہُوئی وہ بیان سے باہر ہے۔ اتنا کہنا کافی ہے کہ اُن کی تمام اُمیدیں خاک میں مل گئیں۔ اب سرداروں نے عوام الناس کی مایوسی کو غنیمت جانا اور اس موقعہ کو ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ فریسیوں کو تو اُکسانے کی کچھ ضرورت ہی نہ تھی کیونکہ وہ تو سدا اُس کے خُون کے پیاسے تھے۔ مذہبے صدُوقی جو مروجہ انتظام اور امن پر جان دیتے تھے اُنہوں نے بھی عام لوگوں کے حال اور مُلکی امن کو خطرے میں دیکھ کر اپنے جانی دُشمن فریسیوں کا ساتھ دینا منظور کر لیا تاکہ یسوع کو نیست و نابُود کریں۔

یسوع پھر پیر اور منگل کے روز شہر میں آیا اور لوگوں کو شفا بخشنے اور تعلیم دینے کے کام میں حسبِ معمول مصروف ہُوا مگر منگل کے روز دینی سرداروں نے آ کر مداخلت کی۔ فریسی۔ صدوقی ہیرودی سردار کاہن، کاہن اور فقیہ سب اُس سازش میں جو یسوع کے برخلاف

کی گئی تھی متفق ہُوئے اور اُس کے پاس آکر کہنے لگے کہ تُو کس کے اختیار سے یہ باتیں کہتا اور یہ کام کرتا ہے؟ وُہ لوگ اپنے عُہدوں کے پُرشوکت لباس پہنے اور تمدّنی اعزاز و افتخار و دستار سر پہ رکھے ہُوئے بڑے کرّوفر کے ساتھ اِس سادہ سے گلیلی کے پیچھے پڑ گئے۔ لوگوں کا اژدہام اِس عجیب تماشے کو دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد بحث کا بازار گرم ہُوا۔ مخالفوں نے وُہ سوال پُوچھنے شروع کئے جو پہلے ہی سے تیار کر رکھے تھے اور اِس مباحثے کا اہتمام شاید اُن اشخاص کے سپرد کیا جو رشکِ افلاطُون اور غیرتِ ارسطو سمجھے جاتے تھے۔ اُن کا مطلب یا تو غالباً یہ تھا کہ اُسے خاص و عام کے سامنے شکست دے کر شرمندہ کریں یا یہ کہ اگر تقریر میں تیز ہو کر کوئی ایسا لفظ اُس کی زبان سے نکل جائے جو شہنشاہِ وقت کی شان کے خلاف ہو تو اُس پر بغاوت کی تہمت لگائیں۔ چنانچہ اُنہوں نے اُس سے پُوچھا کہ قیصر کو جزیہ دینا روا ہے یا نہیں؟ وُہ جانتے تھے کہ اگر اُس نے کہا "ہاں" تو اُس کا تمام اثر جو عوام الناس پر پیدا ہو گیا ہے ایک دم میں کافُور ہو جائے گا کیونکہ قیصر کی حکُومت کے تابع رہنا مسیحائی زمانے کی اُمیدوں کے بالکل برخلاف تھا اور اگر اُس نے کہا "نہیں" تو پھر اُسے قیصر سے باغی ثابت کر کے رُومی حاکم کے دربار میں اُس پر سرکشی کی نالش دائر کریں گے مگر وُہ اُن کے پھندوں میں کب آنے والا تھا۔ پس وُہ بڑی مدّت تک اُن کے حملوں سے بڑی خُوبی کے ساتھ اپنے آپ کو بچاتا رہا اور آخرکار اُس کی صاف دِلی نے اُن کی ریاکاری کو فاش کر دیا اور اُس

کے طریقِ استدلال کی راستی نے ہر نیزہ کو جو اُس پر چلایا جاتا تھا مخالفوں ہی کے سینے میں جا گاڑا۔ اب جب اُن کا مُنہ بند ہو گیا تو اُس نے اُن پر حملہ شروع کیا اور اُن کی صداقت کی کمی بلکہ نفی فاش کر کے تمام حاضرین کے رُوبرُو اُن کو ایسا شرمندہ کیا کہ وُہ پانی پانی ہو گئے اور پھر اُس کی زبان سے وُہ غضب آمیز اور دہشت انگیز الفاظ نکلے جو متی کے تئیسویں[۲۳] باب میں مرقُوم ہیں جن سے اُن کے وُہ عیُوب جن پر اب تک خاموشی کا پردہ پڑا تھا صاف طور پر ظاہر ہو گئے اور عادات و حرکات پر سے وُہ پوست اُتار ڈالا گیا جس نے اُن کی ریاکار طبیعت کو بالکل چھپا رکھا تھا اور ایسے کلمات اُن کے حق میں کہے جو بجلی کی طرح اُن پر گرے اور اُن کو نہ صرف اُس وقت سب لوگوں کے سامنے شرمندہ کیا بلکہ ہمیشہ کے لئے اُن پر شرمندگی کی مُہر لگا دی۔

لیکن اِن باتوں کے سبب سے ناچاقی اور بھی بڑھ گئی کیونکہ یہ لوگ مُلک کے سردار اور قوم کے رہبر سمجھے جاتے تھے پس ہزارہا آدمیوں کے سامنے عجز اور شرمندگی کے پنجہ میں گرفتار ہونا اُن کے لئے بڑی حقارت کا مُوجب تھا۔ سو اُنہوں نے اپنے دِل میں کہا کہ یہ گستاخیاں ہماری برداشت سے باہر ہیں، اور جب تک اُن کا بدلہ نہ لے لیں گے تب تک ہم بھی آرام کی نیند نہ سوئیں گے پس سنہیڈرم کے شُرکاء طیش میں آکر اُسی شام کو فراہم ہُوئے اور اِس غرض سے فراہم ہُوئے کہ اُس کے نام و نشان کو صفحۂ ہستی سے مِٹا ڈالنے کی تدبیر نکالیں۔ ممکن ہے

کیونکہ شمعون یا ارمتیا کے یُوسف نے اُن کی حاسدانہ اور مجنونانہ
کارروائی کو دیکھ کر کچھ مخالفت کی ہو مگر اُنہوں نے اُن کو بھی
دھمکا کر خاموش کر دیا اور پھر بالاتفاق یہ فیصلہ کیا کہ قرینِ مصلحت یہی
ہے کہ یسُوع جان سے مارا جائے۔ اب وُہ چاہتے تھے کہ یہ فیصلہ جس
قدر جلد ہو سکے عمل میں آئے مگر موقع اس خواہش کے برخلاف تھا،
کیونکہ کم از کم مقرّری دستُوروں اور قانُون کی پیروی کرنا اُن پر لازم
تھا۔ ماسوا اُس کے وُہ تمام اجنبی جو اس وقت یروشلیم میں آئے
ہُوئے تھے یسُوع کو عزّت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ پس اِن سرداروں
کو یہ اندیشہ دامن گیر ہُوا کہ اگر ہم نے اُسے اِن لوگوں کے رُوبرُو گرفتار
کیا تو کیا جانے کیا ہو جائے۔ لہٰذا مناسب ہے کہ جب تک مسافر
شہر میں ہیں تب تک اُس کو کچھ نہ کہا جائے لیکن ابھی وُہ اس بات
کا فیصلہ کرنے نہیں پائے تھے کہ ایک ایسا واقعہ سرزد ہُوا جس کی
توقع اُن کو ہرگز ہرگز نہ تھی اور جس نے اُن کے دِلوں کو شاد
کر دیا۔ وُہ عجیب واقعہ یہ تھا کہ اُسی کے شاگردوں میں سے ایک
نے اُن سے رشوت لے کر اُسے پکڑوانے کا وعدہ کیا۔

یہُوداہ اسکریوتی وُہ نام ہے جس سے ہر کس و ناکس واقف
ہے۔ مشہور و معرُوف شاعر ڈانٹے نے اپنی کتاب "دوزخ کی
رویا" میں اِس شخص کو تمام مردُود اور سزا یافتہ اشخاص کے درمیان
سب سے نیچی اور ادنٰے جگہ دی ہے اور اس طرح ظاہر کیا ہے
کہ گویا وُہی اکیلا اُس سزا میں حصّہ دار ہے جو خُدا کی طرف سے
ابلیس لعین پر نازل ہُوئی ہے اور جو فتوٰے اس شاعر نے اُس

پر لگایا ہے وُہی تمام بنی آدم اُس پر لگاتے ہیں۔ پھر بھی یہ کہنا بیجا
نہیں کہ وُہ ایسا شرارت کا پُتلا نہ تھا کہ اُس کی کارروائی سمجھ میں نہ
آئے یا اُس کے ساتھ ذرا بھی ہمدردی نہ کی جائے بلکہ ہم کہہ
سکتے ہیں کہ اُس کے بگڑ جانے کا افسوسناک قصّہ بخوبی سمجھ میں آ
سکتا ہے۔ اُس نے بھی دُوسرے رسُولوں کی طرح اِسی اُمّید سے
اُس کی شاگردی اختیار کی تھی کہ ایک ایسا وقت آئے گا جب
مجھے ایک بڑی مُلکی تحریک میں شامل ہونے کا فخر حاصل ہو گا اور
فتح کے بعد مسیح کی دُنیوی بادشاہی میں مجھے ایک اعلےٰ منصب
عطا کیا جائے گا۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر اُس میں پہلے کسی طرح کا
جوش اور محبّت کا کوئی اظہار دکھائی نہ دیتا تو شاید مسیح اُسے رسُولوں
کے زُمرے میں داخل نہ کرتا۔ رسُولوں کی جماعت میں وُہی ایک ایسا
شخص تھا جس کے ہاتھ میں روپیوں کی تھیلی رہا کرتی تھی اور اس سے
ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ وُہ نہایت پھُرتیلا اور انتظامی معاملات
میں صاحبِ لیاقت آدمی تھا، پر اُس کی خصلت کی جڑ میں وُہ
گھُن لگا ہُوا تھا جس نے رفتہ رفتہ اُن تمام اچھّی صفتوں کو جو اُس
میں پائی جاتی تھیں کھا لیا اور آخرکار ایک ہولناک جذبے کی صُورت
اختیار کی۔ یہ کیڑا وُہی تھا جسے زر کی دوستی کہتے ہیں۔ اُس نے
اس کیڑے کو محبّت سے پالا۔ چنانچہ شرُوع میں اُس نے اِس
خیرات میں سے جو یسُوع کو اُس کے شاگردوں کے لئے یا اُن غریبوں
کی مدد کے واسطے جن سے وُہ ہر روز گھرا رہتا تھا، دی جاتی تھی۔
تھوڑا تھوڑا چُرانا شرُوع کیا اور یہ اُمّید رکھی کہ جب میں نے

بادشاہی میں شاہی خزانوں کا نگران مقرر کیا جاؤں گا تو دل کھول کر زرپرستی کی پیاس بجھاؤں گا۔ اب اس میں شک نہیں کہ ابتدا میں دوسرے رسولوں کے خیالات بھی اسی قسم کے دنیوی تھے لیکن اُن کے اور اس شخص کے حال میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ وہ تو ہر دم رُوحانی بنتے جاتے تھے مگر یہ ہر گھڑی دُنیوی مزاج میں ترقی کرتا جاتا تھا۔ مسیح کی عینِ حیات میں تو بے شک باقی رسُول بھی کبھی اس منزل تک نہ پہنچے کہ رُوحانی بادشاہی کو زمینی بادشاہی سے بالکل جُدا سمجھتے مگر باوجود اس نقص کے جو کچھ اُن کے اُستاد نے اُن کو رُوحانیت کی بابت سکھایا وہ اُن کے دل میں گھر کر گیا اور رفتہ رفتہ اس قدر ترقی کر گیا کہ دُنیاداری کے خیالات کو رُوحانی تصورات بالکل نگل گئے یا یُوں کہیں کہ دُنیوی بادشاہی کے خیال کا ایک چھلکا سا باقی رہ گیا اور وہ بھی جب وقت آیا تو بھوسے کی طرح اُڑ گیا مگر یہُوداہ اسکریوطی کے خیالات دن بدن دُنیاداری میں بڑھتے گئے اور اُس کی رُوحانی خُوبیاں روز بہ روز زائل ہوتی گئیں یہاں تک کہ وہ اپنی خواہش کے سبب سے بے چین ہونے لگا کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ میری خواہش ایک دم میں پُوری ہو جائے۔ مُنادی کرنا اور شفا بخشنا اُس کے نزدیک صرف وقت ضائع کرنا تھا اور اسی طرح یسوع کی پاکیزگی اور اُس کا دُنیاوی عزت و حُرمت سے بے پروا ہونا یہُوداہ کی جان کا وبال تھا۔ وہ کہتا تھا کہ یسوع اپنی بادشاہی کو پہلے قائم کیوں نہیں کر لیتا؟ اس کے بعد جتنی مُنادی کرنا چاہے کرے۔ جب اُس نے دیکھا کہ جس بادشاہی کی میں توقع کئے بیٹھا ہُوں وہ

کبھی وجود میں نہیں آئے گی تو اُس نے اپنے دل میں کہا کہ میں نے بڑا دھوکا کھایا اور جب یہ خیال اُس کے دل میں جم گیا تو وہ نہ صرف اپنے اُستاد کو نظرِ حقارت سے دیکھنے لگا بلکہ اُس سے متنفر بھی ہو گیا اور پھر جب اُس نے اتوار کے روز جب کہ لوگ کھجُور کی ڈالیاں پھیلاتے اور ہلاتے تھے یہ دیکھا کہ یسوع اِن لوگوں کی تیاری سے کچھ فائدہ نہیں اُٹھانا چاہتا تو اُس کی رہی سہی اُمید بھی جاتی رہی اور اُس نے سوچا کہ اب یسوع ناصری کی پیروی کرنا بالکل فضول ہے پس اُس نے اپنے دل میں کہا کہ اب تو جہاز غرق ہونے پہ ہے، میں کیوں مُفت میں اپنی جان کھوؤں۔ بہتر ہے کہ اس کشتی سے کُود کر سلامتی کے کنارے پر پہنچ جاؤں اور اس کے ساتھ ہی یہ خیال آیا کہ اب مجھے رسُولوں کے زمرے سے نکلنا تو ہے ہی ایسے طور پر کیوں نہ نکلوں کہ ایک پنتھ دو کاج کی مثل میرے حق میں پُوری ہو۔ پس کوئی ایسا طریقہ اختیار کرُوں کہ جیب بھی گرم ہو اور یہُودی سردار بھی احسان مند ہو جائیں۔ اِن نالائق خیالات نے اُس کو ایسا اندھا کر دیا کہ وہ یہُودی حُکام کے پاس حاضر ہُوا اور ایسے موقع پر حاضر ہُوا جب کہ اُس کی مدد کی اُن کو اشد ضرورت تھی۔ پس اُنہوں نے اُس کی مدد کو غنیمت سمجھا اور دام ٹھہرا کر اُسے روانہ کر دیا اور کہا کہ جب اچھا موقع ہاتھ آئے تو ہمیں خبر دینا۔ جس جلدی سے اُس نے اپنے مناسب کام کو پُورا کیا اُنہیں اُس کی اُمید بھی نہ تھی چنانچہ جس رات یہ لعنتی سودا کیا گیا اُس سے دُوسری رات اُس نے اپنے مہربان اور محسن نجات دہندے اور اُستاد کو ظالموں

کے سپرد کیا۔

یسُوع اور موت:- اس ہفتہ میں موت اپنا مُنہ کھولے یسُوع کے سامنے کھڑی تھی اور جو حالت اُس کی اِس وقت تھی اُس کی یاد سے بڑھ کر اور کوئی بیش بہا خزانہ ہمارے پاس موجود نہیں۔ یُوں تو ہر وقت اُس کی جلیل اور جمیل سیرت اپنا جلوہ دکھاتی رہتی تھی مگر اِس ناقابلِ برداشت مُصیبت کے دِنوں میں جو شوکت اور عظمت نمایاں ہُوئی اُس کا بیان انسان بالکل نہیں کر سکتا۔ اتنا کہنا کافی ہے کہ اس قلیل عرصہ میں اُس کی سیرت کی سب سے شان دار اور نہایت ملائم خاصیتیں اور اُس کی انسانی اور الٰہی ذات کی بےنظیر خُوبیاں روزِ روشن کی طرح ظاہر ہوگئیں۔

یروشلیم میں آنے سے کہیں پہلے اُس کو معلُوم تھا کہ مَیں وہاں جان سے مارا جاؤں گا بلکہ یُوں کہنا چاہیئے کہ ایک سال سے یہ کانٹا اُس کے دِل میں کھٹک رہا تھا اور وُہ جانتا تھا کہ میرے باپ کی یہی مرضی ہے کہ مَیں اِسی طرح اِس دُنیا سے کُوچ کرُوں اور جب وقت آیا تو اُس نے ایک بےمثال دلیری اور ہمت سے مقتل کی طرف قدم اُٹھایا، مگر بڑی جدّ و جہد کے ساتھ طرح طرح کے خیالات اُس کے دِل میں پیدا ہُوئے۔ کبھی اُداسی چھا جاتی تھی اور کبھی جوش پیدا ہوتا تھا۔ کبھی دیر تک دریائے فکر میں ڈُوبا رہتا تھا کبھی فتح مندی کی خُوشی اور سلامتی کے خیال سے بھر جاتا تھا۔ غرضیکہ مختلف قسم کے خیالات اُس کے دِل میں سمندر کے مدّ و جزر کی طرح موجزن ہو رہے تھے۔

بعض لوگ ڈرتے ہیں اور یہ نہیں کہنا چاہیئے کہ جس طرح عام انسان موت سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں اُسی طرح وُہ بھی اُس سے دُور رہنا چاہتا تھا پر وُہ اپنے ڈر کی معقُول وجہ پیش نہیں کرتے۔ ہم یاد رکھیں کہ یہ احساس قُدرتی ہے اور بالکل اپنی ذات میں بے بَد ہے اور تعجب نہیں کہ اُس میں یہ احساس ہماری نسبت زیادہ پایا جاتا ہو کیونکہ اُس کا جسم بالکل پاک تھا اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ وُہ اِس وقت نوجوانی کی حالت میں تھا۔ یہ اُس کی عمر کا تینتیسواں سال تھا۔ زندگی کی دھارا بڑے زور شور سے بہ رہی تھی اور تمام حِسّات کی طاقت سرسبز تھی۔ پس جوانی کی طاقتوں کا جو سیلِ رواں کی طرح بہ رہی تھیں یک بیک سُوکھ جانا اور نخلِ زندگانی کا مُرجھا جانا بے شک اُس کو ناگوار گُذرا ہوگا۔ اِسی درد کو ایک واقعہ نے جو پیر کے روز سرزد ہُوا، اُس کے دِل میں شدّت سے پیدا کر دیا۔ چنانچہ چند یُونانیوں نے اُس کے دو شاگردوں کے پاس آ کر کہا کہ ہم یسُوع کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ اِس زمانے میں کئی بُت پرست لوگوں نے جو یُونانی عملداری میں رہا کرتے تھے اپنے زمانے کی بے دینی اور بداخلاقی سے تنگ آ کر اُن یہُودیوں کے مذہب میں پناہ پائی تھی جو اُن کے درمیان مُقیم تھے اور یہُوواہ کی پرستش اختیار کی تھی۔ یہ یُونانی جو یسُوع کو دیکھنا چاہتے تھے اِسی قسم کے لوگوں میں سے تھے مگر اُن کی درخواست نے اُس کے دِل میں وُہ خیال پیدا کئے جن کا خواب بھی اُن کو کبھی نہیں آیا تھا۔ مسیح کو فقط دو یا تین مرتبہ اُن لوگوں سے ملنے کا

اتفاق ہُوا، وُہ فلسطین کے اِرد گِرد کے مُلکوں میں رہتے تھے۔ مسیح
صرف اسرائیل کی کھوئی ہُوئی بھیڑوں کے لئے آیا تھا مگر جب اُسے
ایسے لوگوں کے ساتھ مُلاقات کرنے کا موقع ملا اُس نے اُن میں ایسا
ایمان اور ایسی شرافت پائی کہ کئی موقعوں پر اُس نے خود یہودیوں
کی بے اعتقادی اور بے ادبی اور کمینگی سے اُن کا مقابلہ کیا۔ اب
یہ خیال بار بار اُس کے دِل میں آتا ہوگا کہ کاش میں فلسطین کی
حدُود کو چھوڑ کر اُن قوموں سے جا ملوں جن کی طبیعت ایسی سادہ
اور ایسی فیاض ہے۔ اُس کی آنکھوں کے سامنے بارہا اُس کے
کام کے متعلق ایسے نظارے آئے ہوں گے جیسے بعد میں پولوس
کو نصیب ہُوئے جس نے جا بجا مسیح کے نام کی مُنادی کی اور
ایتھنز اور رُوم اور دیگر بڑے بڑے مغربی مرکزوں میں جا کر
انجیل سُنائی۔ اگر مسیح بھی اِسی طرح کام کرتا تو اُس کو کیسی خوشی حاصل
ہوتی، کیونکہ اُس کے اندر قدرت کی ندیاں جاری اور رحمت کا
دریا موجزن تھا اور یہ صفتیں اِس قسم کے کام سے خاص مناسبت
رکھتی ہیں۔ پَر موت اُمیدوں کے چراغ کو بُجھانے کے لئے سامنے
کھڑی تھی۔ پس اِن یُونانیوں کی مُلاقات نے ایسے خیالات کا سلسلہ
برپا کر دیا کہ اُن کی درخواست کا جواب دینے کے عوض وُہ رنج کے
بھنور میں پڑ گیا۔ چہرے پر اُداسی چھا گئی اور تمام بدن اندرونی جدّو
جہد کے سبب کانپ اُٹھا مگر یہ غمناک حالت فوراً کافور ہو گئی،
اور اُس نے اُن خیالات کو ظاہر کیا جن کے وسیلے سے اِن دِنوں
اپنی رُوح کو مضبوط کیا کرتا تھا۔ وُہ خیالات اِن الفاظ میں

قلمبند ہیں "جب تک گیہوں کا دانہ زمین میں گر کر مر نہیں جاتا اکیلا
رہتا ہے لیکن جب مر جاتا ہے تو بہت سا پھل لاتا ہے اور میں
اگر زمین سے اُونچے پر چڑھایا جاؤں گا تو سب کو اپنے پاس کھینچ
لُونگا۔" اِن کلماتِ مُبارک کا کیا مطلب ہے؟ کیا اِن کا یہ مطلب نہیں
کہ اگرچہ موت اُس کو بڑی بھیانک معلُوم ہوتی تھی تو بھی اُس کی حقیقت
شناس آنکھ اُس کے پَرے تک دیکھتی تھی اور وُہ جانتا تھا کہ اگر میں
شخصی طور پر غیر قوموں میں جا کر کام کرتا تو اس کا اثر اور نتیجہ ایسا
عظیم اور وسیع نہ ہوتا جیسا اب میری قُربانی سے پیدا ہوگا لیکن
اِن تمام خیالات کے علاوہ ایک اور خیال اُس کے دِل میں موجُود
تھا جو اِن سب پر حاوی تھا۔ چنانچہ وُہ سوچتا تھا کہ یہی موت تو
وُہ موت ہے جو میرے باپ نے میرے لئے مقرر کی ہے۔ یہ خیال
تمام تسلّی کی جڑ اور اطمینان کا منبع تھا اور اِسی سے وُہ اپنی خاکسار
اور پُر توکل رُوح کی تشفّی اِس قسم کے مُشکل وقتوں میں کیا کرتا
تھا۔ "اب میری جان گھبراتی ہے۔ پس میَں کیا کہُوں؟ اَے باپ
مجھے اِس گھڑی سے بچا۔ لیکن میَں اِسی سبب سے تو اِس گھڑی کو پہنچا
ہُوں۔ اَے باپ! اپنے نام کو جلال دے"۔

ہم یہ بھی یاد رکھیں کہ موت اُس کے پاس اکیلی نہیں آئی بلکہ ہر
طرح کے وحشت ناک معاونوں کو اپنے ساتھ لے کر آئی یا یُوں
کہیں کہ کئی واقعات اُس کی موت کے ساتھ ایسے وابستہ تھے
جنہوں نے اُس کے پیالے کو اور بھی تلخ کر دیا۔ اُن میں سے
ایک یہ تھا کہ اُسے اپنے ہی شاگرد کے فریب کا نشانہ بننا پڑا جیسے

اُس نے چُن کر اپنے آغوشِ محبت میں جگہ دی تھی اور پھر دیکھئے کہ کوئی غیر قوم اُس کی جان کے درپے نہ تھی بلکہ اُسی کی قوم اُس کے خُون کی پیاسی تھی اور وُہی شہر اُس کا مقتل بنا جسے وُہ اپنی جان سے زیادہ عزیز جانتا تھا۔ وُہ تو اس لئے آیا تھا کہ اپنی قوم کو عرش تک پہنچائے اور اُسے دِل وجان سے پیار کرتا تھا کیونکہ اُس کے تمام حالات سے پُوری پُوری واقفیت رکھتا تھا اور اُن لوگوں کو خُوب جانتا تھا جو اُس کی مانند اُس سے پہلے اُس کو پیار کرتے کرتے گزر گئے تھے اور اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ مَیں اُس کے لئے کیا کچھ کرسکتا ہُوں اور یہ بھی جانتا تھا کہ اگر مَیں مارا گیا تو فلسطین اور یروشلیم پر ہزارہا قسم کی لعنتیں نازل ہوں گی۔ متّی کی انجیل کے چوبیسویں باب میں وُہ الفاظ قلمبند ہیں جو اُس نے منگل کی شام کو اپنے شاگردوں کے رُوبرُو اُس وقت بیان فرمائے جس وقت وُہ کوہِ زیتُون پر بیٹھے تھے اور وُہ شہر جس پر قہرِ الٰہی نازل ہونے والا تھا اُن کے سامنے تھا۔ اُن الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ اُس نے اُن واقعات کو جو یروشلیم پر حادث ہونے کو تھے بڑی صفائی سے دیکھا۔ اگر ہم اُس کے غم کا اندازہ لگانا چاہیں تو اُن کلمات کی طرف متوجّہ ہوں جو اُس کے لبوں سے اتوار کے روز نکلے۔ وُہ وقت اُس کی فتحمندی کا وقت تھا جو لوگ خُوشی سے معمُور تھے اُس کو خُوشی کے نعرے مارتے ہُوئے آگے لئے جاتے تھے مگر جب وُہ اُس مقام پر پہنچا جہاں یروشلیم یک بیک اُس کی آنکھوں کے سامنے نمودار ہُوا تو وہاں ٹھہر گیا اور نہایت گریہ وزاری کے ساتھ

اُن حوادث کی جو اُس پر نازل ہونے والے تھے نبوّت کرنے لگا۔ لازم تو یہ تھا کہ وُہ دن یروشلیم کی شادی کا دن ہوتا، ہاں اس دن خُدا کے بیٹے کے ساتھ شادی کرکے اِس بستی کو جشن منانا چاہیئے تھا مگر جشن کہاں؟ وہاں تو وُہ زردی اور سردی یروشلیم کے مُنہ پر چھائی ہُوئی تھی جو موت کے وقت مرنے والوں کے چہروں پر نمُودار ہوتی ہے۔ پس وُہ جو اُسے اپنی چھاتی سے لگانے کو تیار تھا اور جس طرح مُرغی اپنے بچّوں کو اپنے پروں تلے چھپاتی ہے اُسی طرح اُس کو اپنی رحمت کے سائے تلے لینے کو آمادہ تھا اَب دیکھتا ہے کہ زاغ و زغن ہوا میں اُڑ رہے ہیں اور مُنتظر ہیں کہ اُس کے گوشت و پوست کو نوچ کر کھا جائیں۔

اس ہفتے میں وُہ ہر روز شام کے وقت بیت عنیا کو لوٹ جاتا تھا پر کبھی لمبی تان کر نہیں سوتا تھا۔ اغلب ہے کہ اُس نے اپنی کئی راتیں اس ہفتے میں تنہا جاگ کر کاٹیں۔ غالباً وُہ اکیلا پہاڑ کی غیر آباد چوٹی پر جایا کرتا تھا یا اُن زیتون کے درختوں اور باغوں میں جو پہاڑ کے پہلوؤں میں لہلہاتے تھے جا کر اپنا وقت کاٹا کرتا تھا اور نا ممکن نہیں کہ بارہا اُس سڑک پر بھی جاتا ہوگا جس پر سے اتوار کے روز جلُوس گزرا تھا اور جب چلتے چلتے اُس موقع پر پہنچتا ہوگا جہاں ایک دفعہ پہلے ٹھہرا تھا تو وادی میں سے شہر یروشلیم کو دیکھتا ہوگا جس کے رہنے والے رات کی خاموشی اور چاند کی روشنی میں نیند کے مزے لیتے تھے اور اُسے دیکھ کر ایسے جگر فگار نالے بلند کرتا ہوگا جو اُس نوحے سے بھی جس نے اتوار کے روز لوگوں کے دل

ہلا دیئے کہیں زیادہ دردانگیز ہوتے ہوں گے اور کئی بار رات کی تنہائی میں اپنے تنہا دل کو وُہی صداقت آمیز باتیں سُناتا ہو گا جو اُس نے یُونانیوں کے سامنے بیان فرمائیں ۔

اُس وقت وُہ بالکل اکیلا تھا ، ایسا کہ اُس کی غمناک تنہائی کو دیکھ کر دل پاش پاش ہو جاتا ہے ۔ ساری دُنیا اُس کی مخالفت پر تلی کھڑی تھی ۔ یروشلیم کے لوگ حسد کے مارے اُس کی جان کے خواہاں تھے اور جو باہر سے آئے تھے وُہ بھی مایُوس ہو کر رُوگرداں ہو گئے تھے اور نہ کوئی اُس کے رسُولوں میں ایسا تھا جو اُس کی دردناک حالت سے بخوبی واقف ہوتا اور اُسے اپنا ہمراز بناتا ۔ یوحنّا سے بھی اس بات کی توقع نہ تھی ۔ اس ہولناک تنہائی نے اُس کے تلخ پیالے کو اور بھی کڑوا بنا دیا اور اُس نے محسُوس کیا کہ اس بات کی ضرُورت ہے کہ میں مرنے کے بعد بھی جیتا رہُوں ۔ اُس نے دیکھا کہ جو بادشاہی میں قائم کرنے آیا ہُوں اُسے فنا نہیں ہونا چاہیے وُہ تو تمام دُنیا کے لئے ہے اور اُسے تمام پُشتوں اور زمانوں میں قائم رہنا اور دُنیا کے ہر حصے میں پھیلنا ہے مگر میرے مرنے کے بعد یہ کام میرے رسُولوں کے ہاتھ میں آئے گا جو اب اپنے تئیں ایسے کمزور اور بے درد اور بے علم ظاہر کر رہے ہیں ۔ کیا وُہ اِس کام کے لائق ہیں؟ کیا اُن میں سے بھی ایک دُشمن نہیں نکلا؟ کیا میرے پیچھے میرا کام (شاید شیطان نے اُس کو اسی طرح کہہ کر آزمایا) تباہ نہیں ہو جائے گا اور میری وُہ تمام تدبیریں جو دُنیا کی اصلاح کے لئے کی گئی ہیں کافُور نہیں ہو جائیں گی؟

لیکن وُہ حقیقت میں اکیلا نہ تھا ۔ وُہ درختوں کے گھنے سائے میں جا کر اور کوہِ زیتون کی چوٹیوں پر چڑھ کر اُس بے زوال تسلّی کو ڈھونڈتا تھا جو اُسے اُن دِنوں میسّر تھی جبکہ ہنوز اُس کی مُصیبت اس شدت کو نہیں پہنچی تھی اور وُہی تسلّی اُس کو اس بے بیان دُکھ کے وقت کثرت سے حاصل ہُوئی ۔ اُس کا باپ اُس کے ساتھ تھا ۔ جب اُس نے رو رو کر اور آنسو بہا بہا کر دُعا مانگی تو اُس کی سُنی گئی ، کیونکہ وُہ خدا سے ڈرتا تھا ۔ اُس نے اپنی رُوح کی بے چینی کو اِس خیال کے وسیلے سے دُور کیا کہ جو کچھ مجھ پر بیت رہا ہے اُسے باپ کی حکمت اور محبت نے بھیجا ہے اور میں اپنے باپ کا جلال ظاہر کرتا ہُوں اور وُہ کام کر رہا ہُوں جو اُس نے میرے سپُرد کیا ہے ۔ اس خیال کے وسیلے سے وُہ ہر طرح کے خوف کو دُور اور اپنے دِل کو ایک بے بیان اور پُرجلال خُوشی سے معمُور کر سکتا تھا ۔

آخرکار خاتمہ کا وقت آ پہنچا یعنی جمعرات کی وُہ شام آ گئی جبکہ یروشلیم کے ہر گھر میں فسح کھایا جاتا تھا ۔ یسُوع بھی اپنے بارہ رسُولوں کے ساتھ کھانے پر بیٹھا ۔ وُہ جانتا تھا کہ اِس دُنیا میں یہ میری آخری رات اور میرے دوستوں کے ساتھ یہ میری آخری مُلاقات ہے ۔ ہماری خُوش قسمتی سے اِس وقت اور موقع کا مفصّل حال ہمارے پاس موجُود ہے جس سے ہر مسیحی کم و بیش واقف ہے ۔ یہ وقت اُس کی زندگی میں ایک عظیم الشان وقت تھا ۔ اُس کی رُوح ایک بے بیان محبّت اور جلال سے معمُور تھی ۔ البتّہ شام کے شرُوع میں غم کے بادل نے اپنی تاریکی کا کچھ کچھ سایہ اُس پر ڈالا تھا ، مگر اب وُہ بالکل غائب ہو گیا تھا چنانچہ

جب اُس نے شاگردوں کے پاؤں دھوئے، فسح کھایا، عشائے ربّانی کی رسم مقرر کی، آخری تقریریں بیان فرمائیں اور سردار کاہن ہونے کی حیثیت سے سفارشی دُعا مانگی تو اُس کی سیرت کی جلالی شوکت تمام کمال کے ساتھ جلوہ نما ہوئی۔ وُہ اِس وقت اُن خیالوں میں محو تھا جو دوستی سے تعلق رکھتے ہیں۔ چنانچہ وُہ "محبت جس سے وُہ اپنوں کو پیار کرتا تھا" دریا کی طرح جاری تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا وُہ اپنے شاگردوں کے تمام نقصوں کو بھُول گیا ہے اور اُن کی کامیابی اور فتح مندی کی پیش بینی سے شادماں ہو رہا ہے۔ کوئی خیال ایسا نہ تھا جو اُس کے باپ کے چہرے کو اُس سے چھپاتا۔ کوئی بات ایسی نہ تھی جو اُس اطمینان کو جس سے وُہ اپنے ختم ہونے والے کام کو دیکھ رہا تھا اُس کے دل سے دُور کرتی بلکہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا ہر طرح کا دُکھ اور غم بالکل دُور ہو گیا ہے اور اُس کی سرفرازی کا جلال اُس کو چاروں اطراف سے گھیر رہا ہے۔

لیکن تھوڑی دیر کے بعد غم اور دُکھ کی حالت نے پھر عُود کیا۔ فسح کھانے کے بعد کوئی آدھی رات کے قریب وُہ اور اُس کے شاگرد بازار سے گزر کر مشرقی دروازے پر پہنچے اور اُس دروازے سے شہر کے باہر نکل کر اور کدرون کے نالے کو عبُور کر کے اُس جگہ گئے جہاں وُہ اکثر جایا کرتا تھا۔ یہ جگہ کوہ زیتُون کے دامن میں واقع تھی اور گتسمنی کا باغ کہلاتی تھی۔ وہاں وُہ جانکاہ اور دہشت انگیز جان کنی واقع ہُوئی جس کی یاد کبھی دُنیا سے نہیں مٹے گی۔ یہ اُس گہری غمگینی کا جو تمام ہفتہ بھر اُس شادمانی سے لڑتی رہی جس کا اعلیٰ نظارہ فسح کے

وقت جلوہ گر ہُوا ایک آخری حملہ تھا یا یُوں کہیں کہ یہ جان کنی اُن آزمائشوں کا آخری دھاوا تھا جن سے اُس کی زندگی کبھی آزاد نہ تھی؛ لیکن ہم اُس نظارے کی تشریح نہیں کر سکتے کیونکہ ہم اُس کی نسبت خواہ کتنا ہی لکھیں اُس کا گہرا مطلب پُورے طور پر بیان نہیں کر سکتے مثلاً ہم کس طرح دُنیا کے گُناہ کے بوجھ کی جو اس وقت اُس پر آ گرا تھا اور جو اُس کی جانکنی میں سب سے بڑا عنصر تھا اور جس کا کفارہ وُہ دے رہا تھا تشریح کر سکتے ہیں۔

لیکن یہ جان کنی کامل فتح میں تبدیل ہو گئی۔ اُس کے شاگردوں نے تو اُن گھنٹوں کو سو کر ضائع کیا جن میں اُن کو اُس نازک وقت کے لئے تیار ہونا چاہیئے تھا جو تھوڑی دیر بعد آنے والا تھا مگر اُس نے اُنہی گھنٹوں میں اپنے آپ کو بالکل تیار کر لیا۔ آزمائش کے آخری حملے پہ بھی فتح پائی۔ پس موت کی تلخی دُور ہو گئی اور اب وُہ بالکل تیار تھا کہ اُن دُکھوں میں سے گزرے جو تھوڑی دیر بعد آنے والے تھے اور ایسے اطمینان اور جلال کے ساتھ گزرے کہ اُس کا دُکھ اور صلیب دونوں بنی آدم کے لئے فخر کا باعث ہوں۔

پلیشی۔ اس باطنی جدّوجہد پر فتح پائے بہُت دیر نہ ہُوئی تھی کہ اُس نے زیتُون کے درختوں میں سے اپنے دُشمنوں کو جو آ رہے تھے، چاند کی روشنی میں دیکھا۔ وُہ اُسے پکڑنے کے لئے آئے تھے، اور اُن کا پیشوا یہُوداہ اسکریُوتی تھا۔ وُہ جانتا تھا کہ یسُوع اکثر اُسی جگہ آرام کیا کرتا ہے اور سوچتا تھا کہ مَیں اُسے اس وقت سوتا پاؤں گا۔ یہی سبب تھا کہ اُس نے یسُوع کے پکڑوانے کے لئے

آدھی رات کا وقت پسند کیا۔ یہودی سرداروں کے نزدیک بھی یہی وقت زیادہ موزوں تھا کیونکہ وہ اُن گلیلیوں کے مزاج کو خُوب جانتے تھے جو اُس وقت شہر میں آئے ہُوئے تھے۔ وہ اُن سے بہُت ڈرتے تھے پس وہ سوچتے تھے کہ اگر صبح ہونے سے پہلے یسُوع گرفتار ہو جائے اور اُس پر قوم اور حاکم کی طرف سے سزا کا فتوے لگ جائے تو پھر کسی طرح کا خوف نہ رہے گا کیونکہ اس وقت ہم اُسے ایسے مجرم کی صُورت میں لوگوں کے سامنے پیش کریں گے جو از روئے قانون سزا کے لائق سمجھا گیا ہے۔ یہ لوگ اپنے ساتھ لالٹینیں اور مشعلیں لائے کیونکہ ڈرتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ کسی غار میں گھس جائے یا ہمیں جنگل میں اُس کا پیچھا کرنا پڑے۔ مگر اُن کا یہ خیال غلط تھا کیونکہ جب وہ باغ کے دروازے پر پہنچے تو یسُوع خُود بخود اُن کے پاس آیا اور اُس وقت اُس کی پُرجلال اور پُرشوکت حضُوری نے اُس کے مخالفوں پر ایسا اثر کیا کہ وہ لڑکھڑا کر گر پڑے۔ اس کے بعد اُس نے اپنے آپ کو اُن کے حوالے کیا اور وہ اُسے شہر کی طرف لے گئے۔ رات کا باقی حصّہ اور صبح کا وقت اُن قانُونی رسُوم کے ادا کرنے میں کٹا جن کا بجا لانا لازمی امر تھا۔ یسُوع کے مخالف جانتے تھے کہ جب تک یہ قانُونی منزلیں طے نہ ہوں تب تک وہ جان سے نہیں مارا جا سکتا۔

مسیح کی پیشی دو عدالتوں میں ہُوئی۔ ان میں سے ایک دینی اور دُوسری سرکاری تھی اور ہر ایک کی تین تین منزلیں تھیں۔

پہلی پیشی پہلے حنّا کے، پھر کائفا کے اور پھر سنہیڈرم کے سامنے ہُوئی۔ سنہیڈرم کے سامنے وہ دو مرتبہ آیا۔ ایک دفعہ اُس وقت جبکہ ممبران سنہیڈرم مقررہ قاعدے کے مطابق جمع نہیں ہُوئے تھے اور ایک دفعہ اُس وقت جبکہ اُن کی مجلس باقاعدہ طور پر فراہم ہو گئی تھی۔ سرکاری پیشی پہلے پلاطُوس کے پھر ہیرودیس کے اور پھر دوبارہ پلاطُوس کے سامنے ہُوئی۔

اگر پُوچھا جائے کہ اِن دوہری پیشیوں کا کیا سبب تھا تو اس کا یہ جواب ہے کہ اس دوہری پیشی کا باعث مُلک کی پولیٹیکل حالت تھی۔ ہم کئی بار بتا چکے ہیں کہ یہودیہ رُومیوں کے قبضے میں تھا اور اُس رُومی صُوبہ کا حصّہ سمجھا جاتا تھا جو سریا یا ارام کہلاتا تھا اُس کا رُومی حاکم قیصریہ میں رہا کرتا تھا۔ مگر رُومیوں کا یہ معمُول تھا کہ جن ممالک کو اپنے قبضے میں لاتے تھے اُنہیں اُن کے طرزِ حکُومت سے بالکل محرُوم نہیں کیا کرتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ لوہے کے عصا سے حکمرانی کیا کرتے تھے۔ محصُول اور جزیہ بڑی سختی سے لیتے تھے۔ بغاوت کو فوراً اپنے زور اور بازُو سے دُور کر دیتے تھے اور بڑے بڑے موقعوں پر اپنے اختیار اور حکُومت کا سکّہ جمانے سے باز نہیں آتے تھے مگر باوجود اس سختی اور تحکّم کے اپنی مفتُوحہ قوموں کو ایسے ایسے قومی دستُور جاری رکھنے کی اجازت دیتے تھے جو اُن کے شاہانہ اختیار اور دبدبے میں کسی طرح کی خلل اندازی نہیں کرتے تھے خصُوصاً مذہبی معاملات میں تو یہ آزادی سب کو دی جاتی تھی۔ پس سنہیڈرم کو جو یہُودیوں کے مذہبی مقدمات کی ایک اعلیٰ کچہری تھی

اب تک دینی معاملات کا فیصلہ کرنے کا اختیار حاص[illegible] ا اگر جب
کبھی سنہیڈرم کسی مجرم پر یہ فتویٰ لگانا چاہتی تھی کہ و[illegible] ان سے مارا
جائے تو اُس مجرم کو قیصریہ بھیجنا پڑتا تھا تاکہ اُس [illegible] جرم پہلے
رُومی حاکم غور کرے اور اگر وہ بھی سنہیڈرم کے فیصلے کی [illegible] ید کرتا تھا تو
مجرم جان سے مارا جاتا تھا ورنہ بری ہو جاتا تھا، پر اگر وہ رُومی حاکم
ایسے موقع پر یروشلیم میں حاضر ہوتا تھا تو مجرم کو قیصریہ نہیں جانا
پڑتا تھا۔ اب چونکہ وہ جرم جو مسیح پر لگایا گیا دینی تھا، اِس لئے
اُسے یہودیوں کی دینی کچہری میں آنا پڑا اور جو فتوے سنہیڈرم نے اُس
پر لگایا وہ یہی تھا کہ وہ جان سے مارا جائے مگر رُومی قانون کے مطابق
سنہیڈرم کو یہ طاقت حاصل نہ تھی کہ اپنے فتوے کو آپ عمل میں
لائے۔ پس ضرور تھا کہ وہ پہلے رُومی حاکم کے حضور بھیجا جائے جو اس
وقت یروشلیم میں حاضر تھا کیونکہ فسح کی تقریب پر وہ ہمیشہ یروشلیم میں
آجاتا تھا۔ اب ہم اُن جان گداز واقعات کا جو ان پیشیوں سے
وابستہ ہیں کچھ مفصّل حال بیان کریں گے۔

مسیح کے دُشمن پہلے اُس کو حنّا کے محل میں لے گئے۔ یہ پیر فرتُوت
اُس وقت اسّی سال کا تھا اور بیس۲۰ برس تک سردار کاہن رہ چکا
تھا۔ اگرچہ وہ اِس وقت کہانت کے عُہدے پر مامُور نہ تھا تو بھی
لوگ اُس کو سردار کاہن ہی کہا کرتے تھے اور اُس کے پانچ بیٹے
بھی اسی لقب سے ملقّب تھے حالانکہ اُن میں سے بھی کوئی
اس وقت اس عُہدے پر مامُور نہ تھا۔ اس وقت جو شخص اس رُتبہ
پر ممتاز تھا وہ کائفا تھا جو حنّا کا داماد تھا۔ حنّا بسبب اپنی پیری اور

لیاقت اور خاندانی مقدرت کے بڑا بزرگ سمجھا جاتا تھا اور گو وہ
اس وقت انتظامی طور پر تو سنہیڈرم کا ممبرِ مجلس نہ تھا تو بھی حقیقت
میں کرسی نشین ہونے کی عزت اُس کو دی جاتی تھی مگر اُس نے
مسیح کے مُعاملے میں کوئی رائے نہ دی۔ وہ صرف اُسے دیکھنا اور
چند سوالات پوچھنا چاہتا تھا۔ پس تھوڑی دیر کے بعد اُس نے اُسے
کائفا کے پاس بھیج دیا۔ کائفا کا محل حنّا کے محل سے غالباً بہت
دُور نہ تھا، بلکہ اُسی قطار میں واقع تھا جس میں یہودی عُہدیدار رہا
کرتے تھے۔ کائفا سردار کاہن تھا اور سردار کاہن ہونے کے سبب
سے اُس سنہیڈرم کا ممبرِ مجلس بھی تھا جس کے سامنے یسُوع کو حاضر ہونا
پڑا۔ سنہیڈرم کی میٹنگ از رُوئے قانُون طلُوعِ آفتاب سے پہلے
مُنعقد نہیں ہو سکتی تھی مگر یہ لوگ مُخالفت کے سبب سے ایسے
اندھے ہو رہے تھے کہ جتنے اُس جگہ اُس وقت مَوجُود تھے وہ
سب ایک جا فراہم ہو گئے تاکہ صبح سے پہلے پہلے قرارداد جُرم تیار
کریں اور مسیح کے برخلاف اُس کے مُدعیوں کی گواہی جمع کریں۔
مطلب یہ تھا کہ دِن چڑھے پر اُن لوگوں کو جو باہر سے یروشلیم میں
آئے ہُوئے تھے کسی طرح کی مداخلت کا موقع نہ ملے اور جب
سُورج نکل آئے تو تھوڑی دیر کے لئے باقاعدہ طور پر فراہم ہو کر
اُس پر سزا کا فتویٰ لگا دیں اور پھر اُسے حاکم کے پاس لے جائیں۔
اسی تجویز کی پیروی کی گئی چنانچہ جس وقت یروشلیم کے باشندے
لمبی تانے پڑے تھے اُس وقت یہ حسد کے پتلے اپنی سیاہ اور ڈراؤنی
تدبیروں کو پُورا کرنے کے جوڑ توڑ میں لگے ہُوئے تھے۔

اِس عجیب کچہری کی جو بات ہماری توجہ سب سے پہلے اپنی طرف کھینچتی ہے وُہ یہ ہے کہ وُہ اِس مقدمے کو کسی خاص جُرم کی بِنا پر شروع نہیں کرتے کیونکہ ایسا کرنا بہُت ہی مُشکل تھا اور اس کا باعث یہ تھا کہ ممبرانِ سنہیڈرم میں پھُوٹ پڑی ہُوئی تھی۔ مسیح کی زندگی میں کئی باتیں ایسی تھیں جنہیں فریسی تو بہُت بُرا سمجھتے تھے مگر صدُوقی اُن کی کُچھ پروا نہیں کیا کرتے تھے۔ اسی طرح کئی ایسی باتیں بھی تھیں جن کی برداشت صدُوقی نہیں کرتے تھے مگر فریسی اُن کو اچھا جانتے تھے مثلاً مسیح کا ہیکل کو پاک وصاف کرنا ایک ایسا واقعہ تھا جس نے صدُوقیوں کو غیظ وغضب سے بھر دیا مگر فریسی اُس سے بہُت خُوش ہُوئے۔

کائفا نے اُس کی تعلیمات اور اُس کے رشتوں کے بارے میں سوال کرنا شروع کیا۔ غالباً اُس کا مطلب یہ تھا کہ دیکھے کہ اُس کی تعلیمات میں کوئی ایسی تعلیم بھی پائی جاتی ہے جس سے یہ نتیجہ نکل سکے کہ وُہ مُلکی انتظام کو درہم برہم کرنا چاہتا ہے اور اگر کوئی ایسا نُکتہ مل جائے تو اُس کی بِنا پہ اُسے حاکم کے سامنے پیش کرے مگر یسُوع نے اُس کے سوال کا یہ جواب دیا کہ مَیں خُفیہ نہیں بلکہ اعلانیہ تمام دُنیا کے سامنے تعلیم دیتا رہا ہُوں اور مَیں چاہتا ہُوں کہ مجھے بتایا جائے کہ مَیں نے کیا قصُور کیا ہے۔ اُس کے جواب کی غیر معمُولی طرز کو دیکھ کر کائفا کے کسی خُوشامدی اہلکار نے اُس کے رُخسار پہ طمانچہ مارا مگر ان منصف مزاج حضرات نے اُس نابکار کو کُچھ بھی نہ کہا۔ اس ناسزا حرکت سے روشن ہے کہ وُہ ان بے انصافوں سے کیسے

انصاف کی توقع رکھ سکتا تھا۔ اس کے بعد کوشش کی گئی کہ اُس کے برخلاف گواہوں کی گواہی لی جائے اور اُس سے کسی قسم کا الزام تیار کیا جائے۔ اس غرض کی انجام دہی کے لئے کئی شخص اُٹھے اور کہنے لگے کہ ہم نے اُس کو یہ کہتے سُنا ہے اور وُہ کہتے سُنا ہے مگر اس کوشش کا نتیجہ کُچھ نہ نکلا کیونکہ گواہ آپس میں مُتفق نہ تھے۔ آخرکار دو آدمی اُٹھے جو ایک بات پر جو اُس کے کام کے آغاز میں اُس کی زبان سے نکلی تھی اُس پر الزام لگانے لگے، کیونکہ اُن کے زعم میں وُہ بڑی خراب بات تھی مگر یہ الزام بھی بوسیدہ تھا اور اگر اُسے حاکم کے سامنے جُرم کی صُورت میں پیش کرتے تو ان کی نادانی فاش ہو جاتی۔

اب ارادہ تو اُنہوں نے مصمّم باندھ رکھا تھا کہ اُسے جان سے مار ڈالیں لیکن شکار اُن کے ہاتھ سے نِکلا جاتا تھا اور یسُوع بالکل خاموش کھڑا دیکھ رہا تھا کہ مخالفوں کی گواہیاں کس طرح ایک دُوسری کو کاٹ رہی ہیں۔ اُس کی عجیب خاموشی ظاہر کر رہی تھی کہ وُہ اپنے دُشمنوں سے نہایت بلند اور اعلیٰ ہے اور اُس کے دُشمن بھی اس بات کو محسُوس کر رہے تھے۔ پس آخرکار جب اور کُچھ نہ ہو سکا تو میرِ مجلس آگ بگولا ہو کر اُسے بولنے کے لئے مجبُور کرنے لگا۔ کیا سبب تھا کہ وُہ رعد کی طرح کڑکنے لگا؟ اس کا سبب یہ تھا کہ ایک طرف تو وُہ شرمناک نظارہ جو گواہوں کی جھُوٹی گواہی سے عیاں ہو رہا تھا، ان لوگوں کو شرمندہ کر رہا تھا اور دُوسری طرف یسُوع کی پُرجلال خاموشی اُن حضرات کی ضمیروں کو جو آدھی رات کے اندھیرے میں ایک بے قصُور کے خُون کی اُدھیڑبُن میں لگے ہُوئے تھے ستا رہی تھی۔

جب مقدمہ میں کچھ جان نظر نہ آئی تو کائفا اپنی جگہ سے اُٹھا اور مصنوعی سنجیدگی سے پوچھنے لگا "کیا تو خدا کا بیٹا مسیح ہے"؟ یہ سوال یسوع پر محض جرم لگانے کی نیّت سے کیا گیا تھا، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارا خداوند جس وقت بول سکتا تھا اُس وقت چُپ رہا مگر اس وقت جب کہ چُپ رہ سکتا تھا بول اُٹھا اور اُس نے بڑی سنجیدگی سے اقرار کیا کہ میں مسیح خدا کا بیٹا ہوں۔ یہ بات سُن کر وہ جو اُس کی عدالت کرنے بیٹھے تھے بہت خوش ہوئے کیونکہ یہ جواب اُن کی حسب منشا تھا۔ پس اُنہوں نے متفق ہو کر اُس پر کفر کا فتویٰ لگایا اور اُسے واجب القتل ٹھہرایا۔

ساری کارروائی جلد جلد طے کی گئی اور کسی نے اُن قوانین کی پروا نہ کی جو انصاف کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔ اُن کی کارروائی کا مُدعا یہ نہیں تھا کہ انصاف یا حق رسی ہو، لیکن صرف یہ کہ یسوع مجرم گردانا جائے۔ کیسا غضب ہے کہ جو لوگ اُس کے مُدعی تھے وُہی اُس کے مُنصف بھی تھے۔ کسی نے اُس سے یہ نہ پوچھا کہ اَے یسوع کیا تو بھی اپنے گواہ اپنی بریّت کے لئے پیش کرنا چاہتا ہے؟ ہاں! اتنا اُس کے مخالفوں کی تعریف میں کہنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا یہ فتویٰ ایک طرح بالکل راست تھا کیونکہ کوئی انسان وُہ دعویٰ نہیں کر سکتا جو مسیح نے کیا۔ کوئی بشر اپنے آپ کو خدا نہیں کہہ سکتا مگر اُن کی شقاوت اور بدبختی اس میں تھی کہ اُنہوں نے کبھی اُس کی حقیقت سے واقف ہونے کی کوشش نہ کی اور نہ کبھی رضامندی ہی دکھائی۔ اُن کے دِل کی آنکھوں کو خود غرضی

اور تعصب نے اندھا کر دیا تھا۔ پس یہ فیصلہ جو اُنہوں نے اِس وقت کیا ایسے دِل سے نکلا تھا جس کے دروازے صداقت کے برخلاف بند تھے اور جس میں عناد اور انتقام کا زہر اپنا کام کر گیا تھا۔

اُن کے نزدیک پیشی کے متعلق جو کچھ ہونا چاہیئے تھا وُہ ہو چُکا تھا کیونکہ وُہ کہتے تھے کہ صبح کے وقت جو اجلاس حسب قاعدہ منعقد ہوگا وُہ دو چار لمحوں میں ختم ہو جائے گا۔ اب یسوع ظُلم پیشہ اور ستم شعار محافظانِ جیل اور بیرحم لوگوں کے سپرد کیا گیا۔ اس کے بعد ایسی شرمناک حرکتیں وقوع میں آئیں جن کے بیان سے قلم عاری ہے۔ طعن اور دُشنام کی بوچھاڑ جو ہمیشہ اہلِ مشرق کی بدنامی کا باعث سمجھی جاتی ہے شروع ہوئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ ممبرانِ سنہیڈرم بھی اس بدلگامی میں شامل تھے کیونکہ یہ شخص جو اُن کو شرمندہ کرتا اور اُن کے اختیارات پر حملہ آور ہوتا تھا اور اُن کی ریاکاری کی قلعی کھول دیا کرتا تھا اُن کے نزدیک سخت نفرت کا باعث تھا۔ صدُوقی البتّہ کسی قدر بے پروا تھے مگر جب اُن کو ایک دفعہ جوش آجاتا تھا تو اُن کی بے پروائی بالکل دُور ہو جاتی تھی اور وُہ ایک دم آتشِ غضب سے بھر کر شعلہ اور بھبُوکا ہو جاتے تھے اور اگر فریسیوں کے مجذوبانہ جوش کی پوچھو تو اُس کی نسبت چُپ ہی رہنا بہتر ہے کیونکہ وُہ طرح طرح کی ظالمانہ ترکیبیں ایجاد کر سکتے تھے۔ چنانچہ وُہ کبھی اُسے گھونسے مارتے، کبھی اُس پر تھوکتے اور کبھی اُس کی آنکھیں بند کر کے اُسے طمانچوں سے پیٹتے تھے اور اُس کے پیغمبری دعوؤں کو ٹھٹھوں

میں اُڑانے کے لئے اُس سے کہتے تھے اگر تُو نبی ہے تو بتا کہ تجھے کس نے مارا ہے؟ ہم اِن باتوں کو جو انسانیت پر داغ لگاتی ہیں زیادہ طُول دینا نہیں چاہتے۔ اب وُہ مسیح کو چھ یا سات بجے صبح کے زنجیریں پہنا کر رُومی حاکم کے مکان کی طرف لے چلے۔ وُہ کیسا عجیب اور دِل خراش نظارہ تھا جس وقت یہودی قوم کے کاہن اور معلّم اور قاضی اپنے مسیح کو لئے جاتے تھے تاکہ ایک غیر قوم شخص کے ہاتھ سے اُس کا خُون کرائیں۔ یہ ساعت گویا تمام قوم کی خُودکشی کی ساعت تھی۔ کیا اسی واسطے خُدا نے اُن کو چُنا اور ایسی فضیلت اور فوقیت بخشی تھی؟ کیا اسی واسطے عقاب کے قُدرت کے بازوؤں پر بٹھا کر اُن کو آسمانوں کی ہوا کھلائی اور ہر مشکل اور آفت کے پنجے سے پناہ دی تھی؟ کیا یہی دِن دیکھنے کو اُن کے پاس اپنے انبیاء اور وُہ بہادر بھیجے تھے جنہوں نے اُن کے باپ دادا کو مصر اور بابل کے چنگل سے چھڑایا؟ کیا اسی نتیجے کے لئے وُہ صدیوں سے اپنے جلال کے کرشمے اُن کو دکھا رہا تھا؟ اُن کی حرکت تو یہی ظاہر کرتی تھی کہ گویا انتظامات ربّی ٹھٹھوں میں اُڑائے جا رہے ہیں مگر کون خدا کو ٹھٹھوں میں اُڑا سکتا ہے؟ اُس کے ارادے ہمیشہ تاریخ کے دور میں اس طرح آگے آگے بڑھتے جاتے ہیں کہ کوئی چیز سدِّ راہ نہیں ہو سکتی۔ وُہ انسان کی رضامندی اور مدد کا محتاج نہیں۔ پس یہ اندوہناک گھڑی بھی جس میں یہودی قوم اُس کے انتظاموں کو ٹھٹھوں میں اُڑا رہی تھی، اِسی لئے مقرر ہوئی تھی کہ اُس کی حکمت اور محبت کی گہرائی ظاہر ہو۔

جس رُومی حاکم کے رُوبرو مسیح کو حاضر ہونا تھا وُہ پنطُس پیلاطُس

تھا جو چھ سال سے یہودیہ کا حاکم تھا۔ یہ شخص پکّا رُومی تھا، مگر اُن پُرانے اور سادہ رُومیوں کی مانند نہ تھا جو گذشتہ زمانہ میں موجود تھے بلکہ قیصری زمانے کے رُومیوں کی مانند تھا۔ اس میں شک نہیں کہ اُس کی طبیعت میں پُرانے رُومیوں کے انصاف کی کچھ کچھ رمق باقی تھی لیکن وُہ عشرت پسند اور مُتکبّر اور بدچلن آدمی تھا وُہ اُن یہودیوں کو جن پر حُکمرانی کرتا تھا حقارت کی نظر سے دیکھا کرتا تھا اور جب کبھی غصّے میں آجاتا تھا تو اُن کا خُون بھی بہایا کرتا تھا۔ پس وُہ اُس کو بالکل عزیز نہیں رکھتے تھے بلکہ اُس پر بدانتظامی اور ظلم اور لُوٹ مار کی تہمت لگایا کرتے تھے۔ پیلاطُس یروشلیم میں بہُت ہی کم آتا تھا اور اس کا سبب یہ ہو گا کہ وُہ شخص جو رُوم کے عشرتی سامانوں کا شیفتہ تھا جو تھیٹروں اور طرح طرح کی فرحت بخش کھیلوں کی گرم بازاری میں لگا ہُوا تھا اور عیّاش سوسائٹی کا فریفتہ ہو رہا تھا، کب یروشلیم جیسے شہر کو جہاں ہمیشہ دینی باتوں کا چرچا ہوتا رہتا تھا اور بغاوت کی آگ سدا سُلگتی رہتی تھی، پسند کر سکتا تھا؟ اور جب کبھی آتا تھا تو ہیرودیس کے شاہی محل میں اُترا کرتا تھا کیونکہ رُومی حاکموں کا دستُور تھا کہ جب وُہ مفتوحہ ممالک میں جاتے تھے تو اُن بادشاہوں کے محلّوں میں رہتے تھے جو حکُومت سے برطرف کئے جاتے تھے۔

اہل سنہیڈرم اور وُہ لوگ جو بازار میں اُن کے ساتھ مل گئے تھے یسُوع کو اُس سڑک سے لے گئے جو اُس باغ کے بیچ سے گذرتی تھی جس میں خُوبصُورت روشیں اور تالاب اور درخت پائے جاتے تھے اور شاہی محل پر پہنچ کر اُسے محل کے سامنے کھڑا کیا۔ پیلاطُس میدان میں اُس

جگہ کے سامنے جہاں محل کے دونوں بازو آپس میں ملتے تھے اور جہاں فرش پرطرح طرح کے رنگ اور قطع کے پتھر جڑے ہوئے تھے اپنی مسند پر بیٹھ کر کچہری کرنے لگا۔

یہودی سرداروں کو یہ یقین تھا کہ پیلاطُس ہمارے فیصلہ کو قبول کرلیگا اور مقدمہ کے نشیب و فراز پر غور کئے بغیر اُس فتوی کی تائید کرے گا جو ہم نے لگایا ہے کیونکہ رُومی صُوبجات کے حاکم بسا اوقات اِسی طرح کیا کرتے تھے۔ خصوصاً مذہبی مقدمات میں یہ اتفاق اکثر دیکھنے میں آتا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ لبسبب اجنبی ہونے کے وہ مذہبی معاملوں کو بخُوبی سمجھ نہیں سکتے تھے۔ پس جب پیلاطُس نے پُوچھا کہ یسُوع نے کیا قصُور کیا ہے تو وہ ایک زبان ہو کر چِلّا اُٹھے کہ "اگر یہ بدکار نہ ہوتا تو ہم اسے تیرے حوالے نہ کرتے"۔ مگر پیلاطُس اس وقت اُن کی درخواست قبُول کرنے کو تیار نہ تھا۔ لہٰذا اُس نے کہا کہ اگر تُم نہیں چاہتے کہ مَیں حالات دریافت کرُوں تو بہتر ہے کہ تُم اسے وہ سزا دے کر چھوڑ دو جس کے دینے کی اجازت تُم کو سرکار کی طرف سے ملی ہُوئی ہے۔ معلُوم ہوتا ہے کہ وہ یسُوع کے حالات سے کسی قدر واقف تھا چنانچہ وُہ جانتا تھا کہ حسد کے سبب سے اُنہوں نے اُس کو پکڑا ہے۔ یسُوع اتوار کے روز شاہانہ شوکت سے جب یروشلیم میں داخل ہُوا تھا تو اس عجیب واقعہ کی خبر ضرُور پیلاطُس کو ملی ہوگی مگر اُس نے یہ دیکھ کر کہ یسُوع نے لوگوں کے جوش اور تعظیم سے کوئی پولٹیکل مقصد پُورا کرنے کی کوشش نہیں کی، یہ نتیجہ نکال لیا ہوگا کہ وہ سرکاری معاملات میں خلل اندازی کرنے والا آدمی نہیں اور اُس کی بیوی کا

خواب بھی دلالت کرتا ہے کہ مسیح کی نسبت محل میں بات چیت ہُوا کرتی تھی اور ناممکن نہیں کہ اس دُنیادار مہذّب حاکم اور اُس کی بیوی نے یہ دلچسپ قصّہ سُن کر کہ یروشلیم میں ایک دہقان آیا ہُوا ہے جس نے کاہنوں کا دم ناک میں کر رکھا ہے بڑی خُوشی منائی ہو اور ہنس ہنس کر راہ کی تکان کو دُور کیا ہو۔ اب جب اُن سے یہ پُوچھا گیا کہ اس کا کیا جُرم ہے، اور تُم کس طرح اُس کو ثابت کرتے ہو تو اُنہوں نے طرح طرح کے جھُوٹے الزام لگانے شرُوع کئے جن میں سے تین بالکل صاف ہیں۔ پہلا الزام یہ تھا کہ وہ قوم کو بہکاتا ہے۔ دُوسرا یہ کہ وہ قیصر کو خراج دینے سے منع کرتا ہے اور تیسرا یہ کہ وہ اپنے آپ کو بادشاہ کہتا ہے۔ غور کیجئے کہ سنہیڈرم میں تو اُس پر کُفر گوئی کا الزام لگایا تھا، پر اب اور ہی الزام لگائے جاتے ہیں اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ خُوب جانتے تھے کہ کُفر گوئی کا الزام پلاطُوس کے دربار میں کارگر نہ ہوگا۔ رُومی اس قسم کے الزاموں اور جُرموں کی چنداں پرواہ نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب چند سال بعد پولُوس پر یہی الزام گالیو کی کچہری میں لگایا گیا تو اُس کے مُدعیوں کی طرف ذرا توجّہ نہ کی بلکہ اُن کو کچہری سے نکال دیا۔

پس مسیح کے مخالفوں نے ایسے نئے جُرم گھڑنے شرُوع کئے جو ثابت کرتے تھے کہ وہ گورنمنٹ سے باغی ہے، لیکن یہ کیسا کمینہ پن تھا۔ دیکھئے اُنہیں نہ صرف ریاکاری کے پھندے میں پھنسنا پڑا بلکہ صاف صاف جھُوٹ بھی بولنا پڑا۔ اب ہم اُن کو دروغ گو نہ کہیں تو اور کیا کہہ سکتے ہیں؟ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ گذشتہ منگل کو جب اُس سے اسی مضمون پر سوال کیا گیا تو اُس نے اس الزام سے بالکل مختلف جواب دیا تھا چنانچہ

اُس نے بڑی صفائی سے بتا دیا تھا کہ "جو قیصر کا ہے قیصر کو دو"۔ لیکن پلاطوس خُوب جانتا تھا کہ یہ وفاداری جو اس وقت قیصر کو خراج دینے کے بارے میں دکھائی جاتی ہے اس کا کیا مطلب ہے۔ وُہ اُن کی نمک حلالی اور سرگرمی کو اچھی طرح سمجھتا تھا پس وُہ اُن کے شور و غل سے جان بچانے کے لئے اپنی جگہ سے اُٹھا اور مسیح کو محل کے اندر لے گیا تاکہ وہاں جا کر اُس سے خود حالات دریافت کرے۔ یہ گھڑی اُس کے لئے نہایت سنجیدہ گھڑی تھی لیکن وُہ اس کو نہیں جانتا تھا کہ وُہ کس کا ہاتھ تھا جو اُسے اس جگہ کھینچ لایا۔ ہزاروں رُومی حاکم جا بجا رُومی سلطنت میں پائے جاتے تھے اور انہی اصُولوں کے پابند تھے جن کا پابند پلاطوس تھا مگر اس کا کیا سبب ہے کہ یہی حاکم چُنا گیا کہ اُن اصُولوں کو مسیح کے مقدمہ کے متعلق کام میں لائے؟ جن باتوں کا پلاطوس اس وقت فیصلہ کر رہا تھا، اُن کے نتائج اُس کو معلُوم نہ تھے۔ شاید اس مجرم کو جو اس وقت اُس کے سامنے کھڑا تھا وُہ اَوروں کی نسبت کسی قدر زیادہ عجیب سمجھتا ہو مگر وُہ یہ کہتا ہوگا کہ میرا ایسے ایسے ہزاروں آدمیوں سے پالا پڑ چکا ہے۔ پس وُہ کب یہ خیال کر سکتا تھا کہ اگرچہ اس وقت انصاف کی چوکی پر تو مَیں ہی بیٹھا ہُوا ہُوں لیکن درحقیقت میری اور اُس انتظام کی جس کے اصُول کے مطابق مَیں عدالت کر رہا ہُوں، اُس عادلِ حقیقی کے رُوبرُو پیشی ہو رہی ہے جس کے کمال کا نُور ہر شخص کے عیب اور ہر انسانی انتظام کے نقص کو فاش کر دیتا ہے۔ پلاطوس نے اس وقت مسیح سے چند سوالات اُن الزاموں کی نسبت کئے جو اُس پر لگائے گئے تھے۔ خصُوصاً اُس کے بادشاہی دعوے کے متعلق اُس سے دریافت

کیا۔ یسُوع نے اُسے بتایا کہ مَیں نے پولٹیکل معنی میں کبھی بادشاہ بننے کا دعوےٰ نہیں کیا مگر صداقت کا بادشاہ ہونے کا دعوےٰ کیا ہے۔ یہ ایسا جواب تھا جو اُن صداقت دوست لوگوں کی توجہ کھینچنے کے لئے کافی تھا جو غیر قوموں کے درمیان تلاشِ حق میں سرگرداں ہو رہے تھے اور تعجب نہیں کہ مسیح نے یہ جواب اسی غرض سے دیا ہو کہ دیکھے کہ پلاطوس کے دل میں حق کا احساس ہے یا نہیں۔ لیکن وُہ اس قسم کی باتوں کا ذوق نہیں رکھتا تھا لہٰذا اُس نے یسُوع کی بات ہنسی میں اُڑا دی۔ پھر بھی وُہ اس بات کا قائل ہو گیا کہ یسُوع کے پاک اور مطمئن اور غمناک چہرے پر کوئی ایسے آثار نہیں پائے جاتے جن سے یہ ظاہر ہو کہ وُہ سرکاری امن میں ابتری پیدا کرنا چاہتا ہے۔ پس وُہ محل سے نکل آیا اور یہُودیوں سے کہنے لگا کہ چونکہ مَیں یسُوع میں کوئی قصُور نہیں پاتا اِس لئے اُسے چھوڑ دیتا ہُوں۔

یہ سُن کر یہُودی مایُوسی کے مارے غُصّہ سے بھر گئے اور چِلّا چِلّا کر اُن الزاموں کو جو مسیح پر لگائے گئے تھے دُہرانے لگے۔ یہ طریقہ یہُودیوں ہی سے مخصُوص تھا چنانچہ کئی دفعہ اس سے پہلے اُنہوں نے اپنے شور و غُل کی منطق سے اپنے اجنبی حاکموں پر فتح پائی تھی اور اُن کے فیصلوں کو اپنی مرضی کے مطابق تبدیل کروا لیا تھا۔ اب پلاطوس کا فرض یہ تھا کہ وُہ اُن کے شور و غُل کی طرف ذرا توجّہ نہ کرتا بلکہ اُس کو اُسی وقت چھوڑ دیتا مگر اُس کے خمیر میں وُہ حکمتِ عملی گھُسی ہُوئی تھی جو رُومی انتظام کی جان تھی یعنی وُہ باہمی امن اور مدبرانہ چالاکیوں کا معتقد تھا پس جب اُس نے اُن چیخوں کے درمیان جو اُس کے کانوں کے پردے پھاڑ

رہی تھیں، اُن کو یہ کہتے سُنا "یہ سارے یہودیہ میں بلکہ گلیل سے لے کر یہاں تک لوگوں کو سِکھا سِکھا کر اُبھارتا ہے۔" تو اس بات سے وُہ بہت خُوش ہُوا، کیونکہ اُس کو ایک بہانہ مِل گیا جس سے وُہ اِس تکلیف دِہ معاملے سے بالکل سبکدوش ہو سکتا تھا۔ چنانچہ اُس نے کہا کہ مَیں یسُوع کو ہیرودیس کے پاس جو گلیل کا حاکم ہے اور اِس وقت یروشلیم میں آیا ہُوا ہے بھیج دُوں گا تاکہ وُہ اِس کا مقدمہ کرے۔ رُومی عملداری میں یہ دستُور تھا کہ جس علاقہ میں کوئی شخص گرفتار کیا جاتا تھا، اُس کا حاکم اُس کو اُس علاقے کے حاکم کے پاس بھیج دیا کرتا تھا جس سے وُہ مجرم علاقہ رکھتا تھا۔ لہٰذا پِلاطُوس نے یسُوع کو اپنے باڈی گارڈ کے ہمراہ ہیرودیس کے محل کی طرف روانہ کیا اور مسیح کے مُخالف بھی اُن کے ساتھ اُسی طرف چل پڑے۔

جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ہیرودیس اپنے چھوٹے سے دربار میں خُوشامدی اہل کاروں اور ندیموں کے بیچ مسند پر بیٹھا ہے اور اِدھر اُدھر باڈی گارڈ کے سپاہی موجُود ہیں۔ ہیرودیس بھی رُومیوں کی طرح جن کا وُہ حلقہ بگوش تھا باڈی گارڈ رکھا کرتا تھا اور اس وقت عید کے لئے یروشلیم میں آیا ہُوا تھا۔ وُہ یہ سُن کر کہ یسُوع آیا ہے بڑا خُوش ہُوا کیونکہ جس مُلک پر وُہ حکمران تھا اُس کے اِس سِرے سے اُس سِرے تک یسُوع کی شُہرت پھیل رہی تھی۔ ہیرودیس مشرقی بادشاہوں کا ایک عُمدہ نمونہ تھا کیونکہ اُس کے دِل میں صرف ایک ہی خیال بھرا ہُوا تھا اور وُہ یہ کہ اپنے دِل کو ہر طرح خُوش رکھنا چاہیئے۔ عشرت اور تفریح اُس کا دستُور العمل تھا اور یروشلیم میں بھی اِس

وقت تماشے ہی کے لئے آیا تھا۔ سو جب یسُوع اُس کے پاس آیا تو اُس نے خیال کیا کہ اب دِل لگی کا اچھا موقعہ مِل گیا۔ کچھ عرصہ کے لئے میری اور میرے درباریوں کی طبیعت خُوب لگی رہے گی۔ اُسے اُمید تھی کہ یسُوع ضرُور کسی نہ کسی طرح کی کرامات دکھا کر ہمیں خُوش کریگا۔ ہیرودیس کسی بات کی طرف سنجیدگی سے دھیان نہیں لگا سکتا تھا۔ چنانچہ یہُودی تو جوش وخروش سے بھرے ہُوئے اِس بات کی اُمید رکھتے تھے کہ وُہ اُن کی مرضی کے مطابق فیصلہ کریگا مگر اُس نے ذرا توجہ نہ کی بلکہ ایسے بے ترتیب سوال یکے بعد دیگرے کرنے شرُوع کئے کہ جواب دینے کی مُہلت نہ دی۔ آخر کار تھک کر چُپ ہو گیا اور یسُوع کے جواب کی اِنتظاری کرنے لگا مگر یسُوع نے اُس کے سامنے ایک لفظ بھی اپنی زبان سے نہ نکالا۔ ہیرودیس یُوحنّا بپتسمہ دینے والے کے قتل کو بھُول گیا تھا اور جو خیالات اُس کی خُونریزی سے اُس کے دِل میں پیدا ہُوئے وُہ بھی کافور ہو گئے تھے، کیونکہ اُس کا دِل چکنے گھڑے کی مانند تھا جس پر پانی کی بُوند کبھی نہیں ٹھہرتی، مگر یسُوع یُوحنّا کے قتل کو نہیں بھُولا تھا اور وُہ اپنے دِل میں کہتا تھا کہ ہیرودیس کو میرے سامنے جو یُوحنّا کا دوست ہُوں آنکھ اُٹھانے سے شرم کھانا چاہیئے۔ پس خُداوند نے ارادہ کیا کہ مَیں ایسے شخص کے ساتھ ہرگز ہرگز بات نہ کرُوں گا، جو مُجھے فقط ایک اچنبھے دکھانے والا آدمی تصوّر کرتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ مَیں اُسے اپنی کرامات کے تماشے سے رِجھاؤں سو وُہ اُس شخص کی طرف جس نے اپنے آپ کو یہاں تک خراب کر دیا تھا کہ ضمیر اور انسانیّت کا نام ونشان تک اُس میں نہ رہا، دیکھنا بھی نہیں چاہتا تھا۔

لیکن ہیرودیس جو بالکل مُردہ ہو گیا تھا اس خاموش نفرت کی پیسنے والی تاثیر کو محسوس نہیں کر سکتا تھا۔

مگر ہیرودیس بھی اس مقدمہ میں سنجیدگی کو کام میں نہ لایا اور مسیح سے معجزہ دیکھنے کی بے فائدہ کوشش کرنے کے بعد اب اُس نے اور اُس کے سپاہیوں نے یسوع کو ذلیل کرنا شروع کیا۔ چنانچہ اُسے ایک ایسی چمک دار پوشاک پہنائی جیسی رُومی دربار میں وہ لوگ پہنا کرتے تھے جو شاہانہ تخت پر بیٹھنے کی اُمید رکھتے تھے اور ہیرودیس کا بھی یہی مطلب تھا کہ اس پوشاک سے ظاہر ہو کہ یسوع بھی یہودیوں کے تخت کا اُمیدوار ہے لیکن ایسا اُمیدوار جو ذلت اور خواری کے سوا اور کسی بات کے لائق نہیں۔ اس ذلت کے ساتھ یسوع کو پھر رُومی حاکم کے دربار کی طرف لوٹنا پڑا۔ اب پلاطوس سے وہ باتیں سرزد ہوئیں جنہوں نے اُس کو زمانہ سازی کا ایک ایسا نمونہ بنا دیا جس کو مسیح کی بے گناہی کا نور صدیوں سے فاش کرتا آیا ہے۔ اُس پر فرض تھا کہ جس وقت مسیح اُس کے پاس لوٹ کر آیا تھا اُس کو اُسی وقت بری کر دیتا مگر اُس نے چالاکی سے کام لینا چاہا اور نتیجہ یہ ہُوا کہ وہ ایک غلطی کے بعد دوسری غلطی میں گرفتار ہو گیا اور راستی کا بالکل خون کر بیٹھا۔ اُس نے یہودیوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ اس شخص میں نہ مجھے اور نہ ہیرودیس کو کوئی قصور معلوم ہوتا ہے، پس مَیں اُسے کوڑے مار کر چھوڑ دیتا ہوں۔ اس میں پلاطوس کی حکمت عملی یہ تھی کہ وہ خیال کرتا تھا کہ کوڑے یہودیوں کے آنسو پونچھ دیں گے اور یسوع کو چھوڑ دینا انصاف کی دیوی کے لئے بھینٹ کا کام کر جائے گا۔

لیکن ابھی وہ اس تجویز کو پورا کرنے نہیں پایا تھا کہ ایک اور واقعہ سرزد ہُوا جس نے ایک مرتبہ پھر پلاطوس کو یسوع کے چھوڑنے کا موقعہ دیا۔ رُومی حاکم کو اجازت تھی کہ فسح کے روز قیدیوں میں سے ایک قیدی کو لوگوں کے لئے چھوڑ دے۔ اس دستور کو اہل یروشلیم بہت پسند کرتے تھے کیونکہ قید خانہ میں بہتیرے ایسے قیدی ہوتے تھے جو رُومیوں کے جوئے سے متنفر ہو کر آزادی کے لئے بغاوت کا جھنڈا اُٹھاتے تھے اور عوام کے نزدیک اسی حرکت کے سبب سے بڑے بہادر گنے جاتے تھے۔ آج چونکہ فسح کا دن تھا لہٰذا لوگ شہر کی گلیوں اور کوچوں سے جوق در جوق نکل آئے اور بڑے جوش و خروش اور شور و غل کے ساتھ شاہی محل کے دروازے پر آن موجود ہوئے تاکہ اپنا سالانہ انعام پائیں۔ لوگوں کی یہ پُرشور درخواست پلاطوس کے حسب خواہش تھی کیونکہ اُس کے دل میں یہ اُمید پیدا ہوئی کہ شاید اب بھی مَیں اس مشکل حالت سے جس میں مَیں پھنس رہا ہوں بچ نکلوں گا مگر یہ اُس کی گردن کے لئے ایک نیا پھندا تھا۔ اب پلاطوس نے اُن سے کہا کہ اگر چاہو تو یسوع کو تمہارے لئے چھوڑ دوں۔ تھوڑی دیر کے لئے وہ خاموش رہے مگر جب یاد آیا کہ ہمارا ایک رفیق شفیق برابا بھی قید میں پڑا ہے تو اُس کی رہائی کی درخواست کی۔ یہ شخص اپنی سرکشی کے سبب مشہور تھا کیونکہ اُس نے رُومی حکومت کی بیخ کنی کے لئے علم بغاوت بلند کیا تھا۔ لوگ ابھی اُس کی نسبت سوچ ہی رہے تھے کہ یہودی سرداروں نے کانا پھوسی شروع کر دی اور انہیں ترغیب دی کہ یسوع کی رہائی پر متفق نہ ہوں۔ دیکھئے سنہیڈرم کے ممبران کی یہ کارروائی کیسی قابل داد

ہے۔ ابھی تھوڑی دیر ہوئی کہ وُہ یہ جتاتے تھے کہ ہم جاں نثار اور وفادار رعایا ہیں اور رُومی قانون اور انتظام کو پسند کرتے ہیں لیکن جب یسُوع کے رہا ہونے کی ایک صُورت نظر آئی تو فوراً اُس کی طرف ہو گئے جو بغاوت کا سرغنہ تھا اور اپنی کوششوں میں ایسے کامیاب ہُوئے کہ تمام لوگوں کو ورغلا لیا۔ چنانچہ وُہ سب کے سب برآبا برآبا پُکارنے لگے۔ پلاطُوس نے یہ سُن کر کہا مَیں یسُوع سے کیا کرُوں؟ شاید وُہ سوچتا تھا کہ میرے اس سوال کو سُن کر لوگ کہیں گے کہ اُسے بھی چھوڑ دے مگر یہ اُس کی غلطی تھی کیونکہ سنہیڈرم والوں نے اپنا کام ایسی خُوبی سے کر لیا تھا کہ ہزار ہا آوازیں یہ کہتی ہُوئی آئیں، "اُسے صلیب دے"؟ پس جس طرح اُن کے دینی حاکموں نے کہا اُسی طرح وُہ بول اُٹھے یا یُوں کہیں کہ جو فیصلہ اُن کے رہبروں نے کیا اُس پر اُنہوں نے بھی اپنے دستخط کر دیئے۔ اُن کی یہ حالت دیکھ کر پلاطُوس بڑا غصّے ہوُا اور کہنے لگا "کیوں؟ اُس نے کیا قصُور کیا ہے؟" مگر اس خفگی اور ایسے جوابوں سے کچھ نہیں ہو سکتا تھا، کیونکہ فیصلہ تو اُن کے ہاتھ میں چھوڑ دیا گیا تھا جن کے سر پر عداوت سوار ہو رہا تھا۔ پس اُس کا یہ سوال سُن کر وُہ اور بھی چِلّا چِلّا کر کہنے لگے "اُسے لے جا اور صلیب دے! صلیب"!!

لیکن پلاطُوس ابھی انصاف کا خُون کرنے کے لئے پُورے طور پر تیار نہ تھا۔ وُہ ابھی ایک اور چال چلنا چاہتا تھا مگر پہلے اُس نے یہ حکم دیا کہ یسُوع کے کوڑے لگائے جائیں۔ یہ فعل عموماً صلیب دینے سے پہلے وقُوع میں آیا کرتا تھا۔ اب سپاہی اُس کو اپنی چوکی میں لے گئے اور وہاں

اُس کو بے عزّت کر کے اور تکلیف دے کر اپنی ظُلم پسند طبیعت کو سیر کیا۔ ہم اس شرمناک اور درد انگیز نظارے کا حال بہُت دیر تک سُنانا نہیں چاہتے۔ غور کیجیے کہ جب یہ لوگ اپنے سخت ہاتھوں سے اُس کو جو انسانیت کو ایسی عزّت دیتا اور ایسا پیار کرتا تھا دُکھ دیتے ہوں گے تو اُس کے دِل میں کیا کچھ گُذرتا ہوگا اور کیسا صدمہ پہنچتا ہوگا جب وُہ اس قدر نزدیک سے اس بے حد ظُلم کو دیکھتا تھا جو انسان سے سرزد ہو سکتا ہے۔ سپاہی اپنی ظالمانہ حرکات کے مزے لے رہے تھے اور ظُلم پر ظُلم کرتے جاتے تھے، چنانچہ جب کوڑے لگا چکے تو اُس کو ایک کُرسی پر بٹھا دیا اور بادشاہوں کے ارغوانی چوغہ کی نقل میں کہیں سے پھٹا پُرانا چوغہ لا کر اُسے پہنا دیا۔ عصا کی جگہ ایک سرکنڈا اُس کے ہاتھ میں دیا اور اُن جھاڑیوں میں سے جو آس پاس اُگ رہی تھیں خاردار ٹہنیاں لے کر اور اُنہیں توڑ مروڑ کر تاج بنایا اور اُس کے سر پر رکھ کر ایسا دبایا کہ کانٹے اُس کی نُورانی پیشانی میں جا گُھسے۔ اس کے بعد ہر ایک ٹھٹھے سے اُس کے سامنے جا کر سجدہ کرتا اور اُس کے مُنہ پر تھُوکتا تھا اور جو سرکنڈا اُس کے ہاتھ میں تھا وُہی چھین کر اُس کے سر اور مُنہ پر مارتا تھا۔

جب وُہ اپنی ناشائستہ حرکات اور ظُلم سے آخرکار سیر ہو گئے، تو اُسے ارغوانی چوغے اور کانٹوں کے تاج کے ساتھ پلاطُوس کے پاس لائے۔ لوگ سپاہیوں کے اس نئے چٹکلے کو دیکھ کر ہنستے ہنستے پاگل ہو گئے۔ اب پلاطُوس نے اُس کو ایسی جگہ کھڑا کیا جہاں سے سب لوگ اُسے دیکھ سکتے تھے اور یہُودیوں سے کہا کہ "اس آدمی کو دیکھو"

اس کا مطلب یہ تھا کہ تم اس آدمی کو دیکھو جس کے ساتھ اس سے زیادہ سختی کرنے کی ضرورت نہیں۔ تم کیوں اُس کی جان کے پیچھے پڑے ہو؟ اُس کو مارنے سے تمہیں کیا فائدہ ہو گا؟ کیا ایسا خستہ حال آدمی کسی طرح کا نقصان پہنچا سکتا ہے؟ مگر جو الفاظ پلاطُوس کے مُنہ سے نکلے وہ اُن کا مطلب آپ ہی نہیں سمجھتا تھا۔ اُس کے یہ الفاظ "اس آدمی کو دیکھو" تمام دُنیا میں گُونج رہے ہیں اور اُن کے سبب سے ہر زمانہ کے لوگوں کی آنکھیں اُس مردِ غمناک کی طرف مائل ہیں۔ لیکن جب ہم اُس کی طرف نظر ڈالتے ہیں تو کیا دیکھتے ہیں؟ یہ کہ اُس کے چہرے پر سے تو شرم کا سایہ دُور ہو گیا ہے اور پلاطُوس اور سپاہیوں اور کاہنوں اور دیگر مُخالفوں کے چہروں پر جا پڑا ہے۔ اُس کے جلال کے نور نے بے حُرمتی کے داغوں کو دُور کر دیا ہے اور کانٹوں کے تاج کے سینکڑوں کناروں کو جلتے ہُوئے شعلے کی طرح درخشاں کر دیا ہے۔ اب ہم تھوڑی دیر کے لئے پلاطُوس کی طرف آتے ہیں جس طرح وہ یشوع کی عظمت کو محسُوس کرنے میں قاصر نِکلا، اُسی طرح اُن لوگوں کی طبیعت اور مزاج کے جاننے میں ناقص نِکلا جن پر حکومت کیا کرتا تھا۔ وہ سوچتا تھا کہ وہ مسیح کو ایسی خستہ حالی میں دیکھ کر خاموش ہو جائیں گے اور اُن کے انتقام کی پیاس اس ذلیل نظارے سے بُجھ جائے گی مگر وہ اِن باتوں کو کب سُنتے تھے۔ وہ تو شرُوع ہی سے یہی حُجت کرتے تھے کہ یہ شخص جو نہ دولت کا فخر رکھتا ہے اور نہ بادشاہ بننے کی طمع کب مسیح ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے؟ اور اب تو بات اور بھی بگڑ گئی تھی کیونکہ وہ غیر قوم سپاہیوں کے ہاتھ سے کوڑے کھا چُکا تھا اور

ٹھٹھوں میں اُڑایا جا چُکا تھا۔ پس اب یہ بے حُرمتی کا نظارہ اُن کے دلوں کو پلاطُوس کی بات ماننے کی ترغیب کہاں دے سکتا تھا؟ نہیں بلکہ اِن باتوں نے اُن کو اور بھی نفرت اور دیوانہ پن سے بھر دیا اور وہ پہلے سے زیادہ زور سے چلّانے لگے "اُسے صلیب دے! اُسے صلیب دے!!"

آخر کار اُنہوں نے وہ الزام بھی اُگل دیا جو اب تک اُن کے دلوں کی تہہ میں چھپا ہُوا تھا اور جسے اب زیادہ چھپا نہیں سکتے تھے چنانچہ وہ چلّا اُٹھے "ہم اہلِ شریعت ہیں اور شریعت کے موافق وہ قتل کے لائق ہے کیونکہ اُس نے اپنے آپ کو خُدا کا بیٹا ٹھہرایا۔" مگر یہ بات سُن کر پلاطُوس کے دِل میں اور ہی خیالات پیدا ہو گئے جو یہُودیوں کے وہم میں بھی کبھی نہیں آئے تھے۔ پلاطُوس کے وطن میں کئی پُرانی روایتیں دیوتاؤں کے بیٹوں کی مروّج تھیں جو بتاتی تھیں کہ وہ دُنیا میں غریب بن کر آئے اور ایسے طور پر رہے کہ کوئی اُن کو عام لوگوں سے امتیاز نہیں کر سکتا تھا اور لوگوں کا اُن کے متعلق یہ عقیدہ بھی تھا کہ اُن سے دوچار ہونا بڑے خطرے کا باعث ہوتا ہے کیونکہ وہ ڈرتے تھے کہ اگر اُن کو کسی سے دُکھ پہنچا تو اُن کے دیوتا باپ ضرور دُکھ دینے والے کو دُکھ پہنچائیں گے۔ لیکن اب لوگ اِس قسم کے قِصّوں کو ماننا چھوڑ بیٹھے تھے کیونکہ بنی آدم میں کوئی آدمی ایسا نظر نہیں آتا تھا جس میں ایسی عجیب خصُوصیتیں ظاہر ہوں جن کے سبب سے وہ دیوتاؤں کا فرزند مانا جائے لیکن پلاطُوس کی آنکھ نے یشوع میں کچھ ایسے سِتر کی بات محسُوس کی ہوگی جس کے سبب سے اُس کا دِل دہشت سے بھر گیا اور اب جب اُس

نے لوگوں کے ہجوم کو یہ کہتے سُنا کہ "اُس نے اپنے آپ کو خُدا کا بیٹا ٹھہرایا" تو یہ نیا مکاشفہ بجلی کی طرح اُس پر آیا۔ اِن لفظوں نے اُس کے حافظے کی تہوں میں سے اُن پُرانے اور بھُولے ہُوئے قصّوں کو جو اُس نے عالمِ طفلی میں سُنے تھے نکال کر اُس کی آنکھوں کے سامنے کھڑا کر دیا اور اُس کے دِل میں ایسا خوف بھر دیا جو بُت پرستی سے خاص ہے اور جس پر یُونانی زبان میں کئی بڑے بڑے ناٹک (ڈرامے) موجود ہیں۔ یا یُوں کہیں کہ ایسے ڈرامے لکھے ہُوئے ہیں جن کے مضمُون سے ایسا معلُوم ہوتا ہے کہ لوگ ڈرتے تھے کہ کہیں بھُول چُوک سے بھی ایسا جُرم نہ ہو جائے جس کے سبب سے آسمانی طاقتیں انتقام لینے پر آمادہ ہو جائیں۔ اب پلاطُوس کے دِل میں یہ خیال پیدا ہُوا کہ جس طرح کیسٹر اور پالکس جُوپیٹر کے بیٹے تھے کہیں اُسی طرح یسُوع بھی یہُودیوں کے یہوّاہ کا بیٹا نہ ہو۔ پس وہ فوراً اُسے محل میں لے گیا اور ایک نئے خوف اور ذوق سے اُس کی طرف دیکھ کر پُوچھنے لگا "تُو کہاں سے ہے"؟ مگر یسُوع نے اُس کے جواب میں ایک لفظ نہ کہا اور اِس کا سبب یہ تھا کہ جب یسُوع اُسے اپنی بابت سب کچھ بتانے کو تیار تھا اُس وقت اُس نے اُس کی طرف ذرا التفات نہ کی بلکہ اُسے کوڑے لگوا کر انصاف کا ستیاناس کر دیا۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ جو کوئی اُس وقت مسیح کی طرف توجّہ نہیں کرتا جس وقت وہ اُس سے بولتا یا بولنا چاہتا ہے وہ ایک ایسا وقت دیکھے گا جب وہ چاہے گا کہ مسیح بولے لیکن اُسے کچھ جواب نہ دیا جائے گا۔

اب یہ مغرور حاکم کبھی یسُوع کی اِس خاموشی سے تعجب کرتا تھا

اور کبھی غُصّہ ہوتا تھا۔ آخر طیش میں آ کر کہنے لگا "تُو مُجھ سے بولتا نہیں؟ کیا تُو نہیں جانتا کہ مُجھے تیرے چھوڑ دینے کا بھی اختیار ہے اور صلیب دینے کا بھی"؟ اِس کے جواب میں یسُوع نے اُس شاہانہ دبدبہ سے جو باوجُود ظالمانہ ذِلّت و خواری کے اُس کی صُورت سے ٹپک رہا تھا یہ کہا "اگر تُجھے اُوپر سے نہ دیا جاتا تو تیرا مُجھ پر کچھ اختیار نہ ہوتا"۔

پلاطُوس اپنے اختیار اور طاقت پر ناز کر کے کہتا تھا کہ "مَیں جو چاہُوں سو تیرے ساتھ کر سکتا ہُوں" مگر درحقیقت وہ بہُت ہی کمزور تھا کیونکہ وہ اِس پکّے ارادے سے باہر آیا تھا کہ مَیں یسُوع کو چھوڑ دُوں گا مگر اُس پر قائم نہ رہا۔ یہُودیوں نے اُس کے چہرے کو دیکھ کر معلُوم کر لیا کہ اُس کے دِل میں کیا ہے۔ پس اُنہوں نے اپنا آخری حملہ اِن الفاظ کے وسیلے سے کیا جنہیں وہ اب تک دِل میں چھپائے ہُوئے بیٹھے تھے یعنی اُسے دھمکی دے کر کہا کہ "اگر تُو اِسے چھوڑ دے گا تو ہم تُجھ پر قیصر کے دربار میں نالش کریں گے"۔ ہماری دانست میں الفاظ مذکورہ ذیل کا جو اُن کی زبان سے نکلے یہی مطلب ہے "اگر تُو اِسے چھوڑ دیتا ہے تو قیصر کا خیرخواہ نہیں"۔ یہی اندیشہ تحقیق کے شروع سے پلاطُوس کے دِل میں کھٹک رہا تھا۔ یہی وہ بات تھی جس کے سبب سے پلاطُوس منصفانہ فیصلہ پر قائم نہ رہا۔ رُومی حُکّام کسی بات سے اتنا نہیں ڈرتے تھے جتنا اُن نالشوں اور شکایتوں سے جو اُن کے برخلاف قیصر کے دربار میں کی جاتی تھیں۔ پلاطُوس کے زمانہ میں اِس قسم کی شکایتیں اور بھی نقصان دہ سمجھی جاتی تھیں کیونکہ اِس

وقت ایک ایسا شخص رُومی تخت پر بیٹھا ہُوا تھا جو بڑا ردّی اور بدگمان اور ظالم آدمی تھا۔ وُہ اپنے خادموں کو بے عزّت کر کے خُوش ہوتا تھا، اور اگر اپنے ماتحتوں میں سے کسی کو کسی تخت کے دعوے دار کی رعایت کرتے دیکھ لیتا تھا تو فوراً آگ بگولا ہو جاتا تھا۔ پلاطُوس یہ بھی خُوب جانتا تھا کہ میرا کام ملاحظے کے لائق نہیں کیونکہ اُس میں ظلم اور خرابی کے داغ لگے ہُوئے ہیں۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ کسی شخص کو نیکی کرنے سے کوئی بات اتنا نہیں روکتی جتنا اُس کی گذشتہ عُمر کی بدی روکتی ہے۔ پس یہُودیوں کا ڈراوا پلاطُوس کے ارادے کو ہلانے میں وُہی کام کر گیا جو پانیوں کے سیلاب کمزور اور بے بُنیاد عمارتوں کے گرانے میں کر جاتے ہیں اور یہ سیلاب عین اُسی وقت آئے جب کہ اُس نے اپنے ضمیر کی اطاعت کا قصد کر لیا تھا۔ مگر وُہ ایسا بہادر نہ تھا کہ اپنا نقصان گوارا کر کے بھی اس بات کی پیروی کرتا جس کو وُہ راست سمجھتا تھا۔ وُہ دُنیا کا غلام تھا، سو اُس نے فوراً دیکھ لیا کہ مصلحت اسی میں ہے کہ لیسُوع کو یہُودیوں کے حوالے کر دے۔

اب کچھ تو وُہ اس بات سے غُصّہ ہو رہا تھا کہ ان یہُودیوں نے مجھے بڑا الّو بنا لیا ہے اور کچھ کچھ مذہبی خیال کے سبب سے بھی فرزمُردہ خاطر ہو رہا تھا۔ اس آخری خیال کے سبب سے اُس نے پانی منگوایا اور سب کے سامنے اپنے ہاتھ دھو کر کہا مَیں اس راستباز کے خُون سے بَری ہُوں۔ لیکن اُس نے بڑی غلطی کی کیونکہ ہاتھ دھونے کے عوض لازم یہ تھا کہ وُہ اُنہیں مسیح کی رہائی کے لئے استعمال کرتا۔ خُون آسانی سے دھویا نہیں جاتا۔ لوگوں نے پلاطُوس کے پس و

پیش کرنے کو خُوب ٹھٹھوں میں اُڑایا اور چلّا کر کہنا شروع کیا "اُس کا خُون ہم پر اور ہماری اولاد پر"۔

اب پلاطُوس نے اُن کی بے ادبی سے تنگ آ کر یہ ارادہ کیا کہ مَیں بھی ان کو خُوب شرمندہ کرُوں گا۔ پس اُس نے لیسُوع کو ایک ایسی جگہ جہاں سے اُسے سب دیکھ سکتے تھے کھڑا کر کے اُن کو ٹھٹھوں میں اُڑانا شروع کیا۔ چنانچہ لیسُوع کو یہُودیوں کا بادشاہ کہہ کہہ کر جتانے لگا کہ یہی شخص جو نہایت کنگال اور لاچار ہے حقیقت میں تمہارا بادشاہ ہے "کیا مَیں تمہارے بادشاہ کو صلیب دُوں؟" وُہ یہ سُن کر بہت شرمندہ ہُوئے اور بلند آواز سے کہنے لگے "قیصر کے سوا ہمارا کوئی بادشاہ نہیں۔" دیکھئے یہ اقرار یہُودیوں کے لبوں سے کیسا سجتا ہے! یہ کہنا گویا اپنی قوم کی آزادی اور تواریخ کو برباد کرنا تھا۔ پلاطُوس نے اُن کے اس اقرار کو تسلیم کیا اور لیسُوع کو اُن کے حوالے کر دیا۔

صلیب۔ جب وُہ پلاطُوس کے ہاتھوں سے اپنا شکار چھیننے میں کامیاب نکلے تو اُسے صلیب دینے کو مقتل کی طرف روانہ ہُوئے۔ اب اُن کے دِل ٹھنڈے ہو گئے۔ چنانچہ وُہ راستے میں اپنی نالائق اور ناروا فتحمندی کو طرح طرح سے ظاہر کرتے جاتے تھے۔ یُوں تو مسیح کے جلّاد یہُودی سردار تھے۔ وُہ اس خراب کام کے متعلق ایسے سرگرم تھے کہ اُسے سرکاری پیادوں کے ہاتھ میں نہیں چھوڑ سکتے تھے بلکہ ساری جماعت کے آگے آگے خُود جا رہے تھے تاکہ مقتل میں جا کر اور اُس کی تکلیفوں کو دیکھ کر

وقت ایک ایسا شخص رُومی تخت پر بیٹھا ہُوا تھا جو بڑا ارزدی اور بدگمان اور ظالم آدمی تھا۔ وہ اپنے خادموں کو بے عزت کر کے خُوش ہوتا تھا، اور اگر اپنے ماتحتوں میں سے کسی کو کسی تخت کے دعوے دار کی رعایت کرتے دیکھ لیتا تھا تو فوراً آگ بگولا ہو جاتا تھا۔ پلاطُوس یہ بھی خُوب جانتا تھا کہ میرا کام ملاحظے کے لائق نہیں کیونکہ اُس میں ظلم اور خرابی کے داغ لگے ہُوئے ہیں۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ کسی شخص کو نیکی کرنے سے کوئی بات اتنا نہیں روکتی جتنا اُس کی گذشتہ عُمر کی بدی روکتی ہے۔ پس یہُودیوں کا ڈراوا پلاطُوس کے ارادے کو ہلانے میں وُہی کام کر گیا جو پانیوں کے سیلاب کمزور اور بے بُنیاد عمارتوں کے گرانے میں کر جاتے ہیں اور یہ سیلاب عین اُسی وقت آئے جب کہ اُس نے اپنے ضمیر کی اطاعت کا قصد کر لیا تھا۔ مگر وُہ ایسا بہادر نہ تھا کہ اپنا نقصان گوارا کر کے بھی اس بات کی پیروی کرتا جس کو وُہ راست سمجھتا تھا۔ وُہ دُنیا کا غُلام تھا، سو اُس نے فوراً دیکھ لیا کہ مصلحت اسی میں ہے کہ یسُوع کو یہُودیوں کے حوالے کر دے۔

اب کچھ تو وُہ اس بات سے غُصّہ ہو رہا تھا کہ ان یہُودیوں نے مجھے بڑا لتاڑا ہے اور کچھ کچھ مذہبی خیال کے سبب سے بھی پژمُردہ خاطر ہو رہا تھا۔ اس آخری خیال کے سبب سے اُس نے پانی منگوایا اور سب کے سامنے اپنے ہاتھ دھو کر کہا میں اس راستباز کے خُون
ں۔ لیکن اُس نے بڑی غلطی کی کیونکہ ہاتھ دھونے کے
تا کہ وُہ اُنہیں مسیح کی رہائی کے لئے استعمال کرتا خُون
یا نہیں جاتا۔ لوگوں نے پلاطُوس کے پیں و

پیش کرنے کو خُوب ٹھٹھوں میں اُڑایا اور چلّا کر کہنا شروع کیا "اُس کا خُون ہم پر اور ہماری اولاد پر"۔

اب پلاطُوس نے اُن کی بے ادبی سے تنگ آ کر یہ ارادہ کیا کہ میں بھی اِن کو خُوب شرمندہ کرُوں گا۔ پس اُس نے یسُوع کو ایک ایسی جگہ جہاں سے اُسے سب دیکھ سکتے تھے کھڑا کر کے اُن کو ٹھٹھوں میں اُڑانا شرُوع کیا۔ چنانچہ یسُوع کو یہُودیوں کا بادشاہ کہہ کر یہ جتانے لگا کہ یہی شخص جو نہایت کنگال اور لاچار ہے حقیقت میں تمہارا بادشاہ ہے "کیا میں تمہارے بادشاہ کو صلیب دُوں؟" وہ یہ سُن کر بہُت شرمندہ ہُوئے اور بلند آواز سے کہنے لگے "قیصر کے سوا ہمارا کوئی بادشاہ نہیں"۔ دیکھئے یہ اقرار یہُودیوں کے لبوں سے کیسا سجتا ہے! یہ کہنا گویا اپنی قوم کی آزادی اور تواریخ کو برباد کرنا تھا۔ پلاطُوس نے اُن کے اس اقرار کو تسلیم کیا اور یسُوع کو اُن کے حوالے کر دیا۔

صلیب۔ جب وُہ پلاطُوس کے ہاتھوں سے اپنا شکار چھیننے میں کامیاب نکلے تو اُسے صلیب دینے کو مقتل کی طرف روانہ ہُوئے۔ اب اُن کے دِل ٹھنڈے ہو گئے۔ چنانچہ وُہ راستے میں اپنی نالائقی اور ناروا فتحمندی کو طرح طرح سے ظاہر کرتے جاتے تھے۔ یُوں تو مسیح کے جلّاد یہُودی سردار تھے۔ وُہ اس خراب کام کے متعلق ایسے سرگرم تھے کہ اُسے سرکاری پیادوں کے ہاتھ ہی نہیں چھوڑ سکتے تھے بلکہ ساری جماعت کے آگے آگے خُود جا رہے تھے تاکہ مقتل میں جا کر اور اُس کی تکلیفوں کو دیکھ کر

اُس کے خُون سے اپنے انتقام کی پیاس بُجھائیں۔ اِس وقت قریباً صبح
کے دس بج گئے تھے اور لوگوں کا شمار جو حاکم کے محل پر حاضر تھے ،
رفتہ رفتہ بڑھ گیا تھا اور جب وُہ اہلِ سنہیڈرم کے پیچھے پیچھے شہر میں
سے گزرتے ہوں گے تو اُس وقت اَور لوگ بھی اُن سے آ ملے ہوں گے
اور چُونکہ آج فسح کا دِن تھا اور لوگوں کو اپنے کاروبار سے فُرصت
تھی اِس لئے ہزار ہا لوگ تماشے کے لئے جمع ہو گئے۔ خصُوصاً وُہ
لوگ جو سنہیڈرم کے ممبروں کے ہمدرد تھے مسیح کو صلیب پر
دیکھنے کے لئے ضرُور موجُود ہُوئے ہوں گے۔ اِن لوگوں کو دیکھ
کر ہم قیاس کر سکتے ہیں کہ ہمارے خُداوند کو ہزاروں سخت دِل
اور بیدرد لوگوں میں سے گُزر کر اپنے مقتل کو جانا پڑا۔

جس جگہ وُہ صلیب پر کھینچا گیا اُس کا ٹھیک پتہ معلُوم نہیں۔
غالباً یہ جگہ شہر کے باہر تھی اور ایسا معلُوم ہوتا ہے کہ اسی جگہ لوگ
پھانسی دیئے جاتے تھے۔ انجیل میں کوئی ایسا مقام نہیں پایا جاتا
جس سے یہ ظاہر ہو کہ وُہ جگہ کلوری کہلاتی تھی اور نہ مقتل کے قُرب و جوار
میں کوئی ایسا پہاڑ ہی واقع ہے جسے دیکھ کر ہم یہ نتیجہ نکال سکیں کہ وُہ
پہاڑ پر مصلُوب ہُوا تھا۔ گلگتھا کی جس کا ترجمہ "کھوپڑی کی جگہ" کیا
گیا ہے یا تو یہ وجہ تسمیہ ہے کہ اُس جگہ کی شکل انسان کی کھوپڑی کی
مانند تھی یا یہ کہ وہاں اُن لوگوں کی کھوپڑیاں پائی جاتی تھیں جو قبل
ازیں موت کا شکار ہو چُکے تھے۔ یہ وجہ زیادہ معقُول معلُوم ہوتی ہے۔
بہرحال یہ صاف ظاہر ہے کہ یہ جگہ ایسی کُشادہ اور کُھلی تھی کہ بہت سے لوگ
وہاں سما سکتے تھے اور اسی طرح یہ بھی روشن ہے کہ وُہ سڑک کے کنارے تھی۔

کیونکہ انجیلوں کے پڑھنے سے معلُوم ہوتا ہے کہ اُن لوگوں کے سوا جو
وہاں پہلے سے موجُود تھے آتے جاتے تماشائی بھی کھڑے ہو کر یسُوع کے
دُکھوں کو دیکھنے لگ گئے تھے۔

صلیب کی موت واقعی بڑی ہولناک موت تھی سِسرو جو اُس
سے خُوب واقف تھا بتاتا ہے کہ وُہ نہایت سخت، اور حقیر قسم کی
موت تھی۔ چنانچہ وُہ کہتا ہے "وُہ کسی رُومی کے بدن کے نزدیک نہ
آنے پائے۔ نہیں بلکہ اُس کے خیالات اور آنکھوں اور کانوں کے پاس
بھی نہ آنے پائے"۔ یہ سزا غلاموں اور باغیوں کو دی جاتی تھی اور اُن
کی ذِلّت کا خاص نشان سمجھی جاتی تھی۔ واقعی ایک زندہ آدمی کو صلیب
پر میخوں سے گاڑنا ایک ایسا نظّارہ تھا کہ اُس سے زیادہ ہیبت ناک اور
کوئی نظارہ نہیں ہو سکتا۔ اگر میخیں گاڑتے گاڑتے موت آجاتی تو بھی مصلُوب
کو بڑی تکلیف اُٹھانی پڑتی تھی مگر صلیبی موت کی بڑی قباحت یہ تھی کہ
مصلُوب کو دو دو تین تین دِن تک عذاب کے مارے کراہنا پڑتا تھا۔ ہاتھ اور
پاؤں جن میں میخیں ٹھونکی جاتی تھیں، آگ کی طرح جل اُٹھتے تھے۔ بدن کی رگیں
کھنچ جاتی تھیں اور پیاس اس قدر لگتی تھی اور اس قدر دم بدم بڑھتی
جاتی تھی کہ مصلُوب "پیاس پیاس" پکارتا رہتا تھا۔ بدن کو ساکن رکھنا
بڑا مُشکل کام تھا کیونکہ جب درد محسُوس ہوتا تھا تو اُس سے بچنے کے لئے
جسم خُود بخُود ہلنے لگ جاتا تھا مگر جسم کی ہر جُنبش دُکھ کی نئی صُورت
پیدا کرتی تھی۔

ہم اس ہیبت ناک نظارے کے بیان کو طُول دینا نہیں چاہتے
سو ہم اس کا ذِکر چھوڑ کر اس بات پر غور کریں گے کہ کس طرح یسُوع اپنی

رُوح کی طاقت اور رضائے الٰہی پر راضی ہونے کی قدرت اور اپنی محبت کے زور سے صلیب کی شرم اور سختی پر غالب آیا۔ جس طرح شام کے وقت جب شفق پھولی ہوتی ہے آفتاب اپنی رنگین کرنوں سے ایک میلے سے حوض کو سونے کی مہر بنا دیتا ہے اور ہر چیز کو جو اُس کی روشنی میں آتی ہے اپنے نُور سے ملبّس کر دیتا ہے اُسی طرح مسیح نے صلیب کو جو غلامی اور ذلت کا نشان سمجھی جاتی تھی دُنیا کی سب سے پاک اور جلالی چیز کی علامت بنا دیا چونکہ مصلوب کے سر میں میخیں نہیں گاڑی جاتی تھیں اس لئے سر کھلا رہتا تھا۔ پس یسُوع جو اِدھر اُدھر ہو رہا تھا اُسے دیکھ سکتا تھا اور بول بھی سکتا تھا۔ جب وہ صلیب پر ٹنگا ہُوا تھا اُس وقت سات جملے اُس کی زبان سے نکلے جنہیں سات رموز کہنا چاہیئے جن میں سے ہم اُس کے دل اور دماغ کے اندر نظر ڈال کر یہ دریافت کر سکتے ہیں کہ جو کچھ اس وقت اُس کے چاروں طرف ہو رہا تھا اس کا اثر اُس پر کیسا ہو رہا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سکون اور شوکت جو اُس کی ذات سے ہمیشہ کے تمام عرصہ میں ظاہر ہُوئی صلیب پر بھی جلوہ نما تھی اور اُس کے اطمینان اور جلال نے اُن تمام صفات کو جن میں اور کوئی اُس کا ثانی نہ تھا پُورے طور سے روشن کر دیا۔ یاد رہے کہ اُس نے اپنے دُکھوں پر فتح پانے کے لئے اُس جبر اور صبر سے کام نہیں لیا جو فرقہ سٹوائک کے ساتھ مخصوص تھا بلکہ اُس نے اُن دُکھوں پر اُس محبت کے وسیلے سے فتح پائی جو خود کو بھول جاتی ہے۔ جب وہ اپنی صلیب اُٹھائے مقتل کی طرف جا رہا تھا اُس وقت وہ اپنی تکان اور ماندگی کو بھول گیا اور یروشلیم کی بیٹیوں اور اُن کے فرزندوں کے فکر سے غمگین ہُوا۔ جب لوگ

اُسے صلیب پر میخوں سے ٹانگ رہے تھے اُس وقت وہ میخوں کے درد کو بھول کر اپنے خُونیوں کے لئے مُعافی کی دُعا مانگتا تھا اور جب صلیب پر لٹکایا گیا تو اُس نے اپنی تکلیفوں کو اُس چور سے دلچسپ گفتگو کر کے ہلکا کیا جو اُس کے ساتھ مصلُوب ہُوا تھا اور اسی طرح اپنے درد کی شدّت کے وقت اپنی ماں کے آرام و آسائش کے لئے ایک نیا گھر تجویز فرمایا۔ پس جب ہم اُس کو صلیب پر دیکھتے ہیں تو وہ ہم کو بدلا ہُوا یسُوع نہیں دِکھائی دیتا بلکہ وُہی یسُوع معلُوم ہوتا ہے جو خود غرضی سے بالکل آزاد اور اوروں کے لئے اپنے آپ کو نثار کرنے والا تھا۔

اگر کسی جگہ اُس پر کوئی زخم لگ سکتا تھا تو اُس کی محبت پر لگ سکتا تھا اگرچہ وہ جسمانی تکلیفیں جو اُس کے مُبارک بدن کو سہنی پڑیں، نہایت شدید اور دیرپا تھیں تو بھی ہم اُس کی تکلیفوں کو اُن تکلیفوں سے جو بُتوں کو اس دُنیا میں اُٹھانی پڑیں، زیادہ شدید نہیں کہہ سکتے تاوقتیکہ یہ نہ مانیں کہ اُس نے اپنے بدن کی اعلےٰ ساخت کے باعث اِن دُکھوں کو اُس درجہ تک محسُوس کیا جہاں تک عام آدمی محسُوس نہیں کر سکتے۔ وہ پانچ گھنٹے سے زیادہ صلیب پر نہ رہا اور یہ عرصہ معمُولی عرصہ سے اتنا کم تھا کہ جب سپاہی اُس کی ٹانگیں توڑنے لگے تو وہ یہ دیکھ کر کہ وہ مر گیا ہے حیران ہُوئے لیکن اُس کا اصل دُکھ اور اُس کی سب سے بڑی تکلیفیں وہ تھیں جو دل اور دماغ سے علاقہ رکھتی تھیں، وہ جو سراپا محبت تھا، وہ محبت کے لئے اس طرح ترستا تھا جس طرح ہرنی پانی کے چشموں کے لئے ترستی ہے۔ اس وقت لوگوں کی نفرت اور دُشمنی کے سمندر سے جو طغیانی پر آیا ہُوا تھا اور جس کی لہریں

صلیب تک جاتی تھیں، گھرا ہوا تھا۔ اُس کی رُوح ہر طرح کے داغ سے منزّہ تھی۔ پاکیزگی اُس کی جان تھی مگر گناہ اس وقت اُس پر گرا پڑتا تھا اور اُس سے مَس پیدا کرنا چاہتا تھا مگر اُس کا ایک ایک رونگٹا اُس سے بچنا چاہتا تھا۔ سنہیڈرم کے ممبروں نے ہر طرح حقارت آمیز طعنوں اور حاسدانہ نفرت سے بھرے ہوئے ٹھٹھوں کا پُل باندھ دیا اور سب لوگوں نے بڑی وفاداری سے اُن کی تقلید کی لیکن یہ لوگ کون تھے؟ کیا یہ وُہی نہ تھے جن کو وُہ ہمیشہ پیار کرتا رہا اور اب بھی کرتا تھا؟ مگر اُنہی لوگوں نے اُس کی محبت کو پامال کیا۔ اُن کے الفاظ کے وسیلے سے شیطان نے پھر وُہی آزمائش پیش کی جس کے ساتھ وُہ اُس پر ہمیشہ حملہ کرتا رہا اور وُہ یہ کہ اپنے فائدہ کے لئے کوئی فوق العادت کرشمہ دکھا کر اب بھی اپنی قوم کو مطیع بنالے۔ اُن لوگوں کو جو اس وقت جوش سے بھرے کھڑے تھے جن کے چہروں کو اُن کے دلی کینے اور حسد نے بدہیئت بنا رکھا تھا تمام بنی آدم کی بدی کا ایک خلاصہ کہنا چاہیئے۔ اُس کی آنکھیں اُن کو دیکھتی تھیں۔ اُن کی سختی، اُن کی بدحالی، اُن کے کُفر اور اُن کے کینہ پن نے برچھیوں کی طرح اُس کے سینے کو چھلنی چھلنی کر ڈالا تھا؛

پھر اُس کے دُکھوں میں ایک اور پُر راز دُکھ شامل تھا اور وُہ یہ کہ دُنیا کا گناہ نہ صرف اُنہی لوگوں کے وسیلے سے جو اُس وقت اُس کے پاس حاضر تھے اُس پر آ گرا، بلکہ گذشتہ اور آئندہ کے زمانے کا گناہ بھی اُس پر رکھا گیا اور خُدا کی بھسم کرنے والی خاصیت جو اُس کی پاکیزگی اور محبت کے نُور کا دُوسرا پہلو ہے اپنی بھسم کرنے والی

آگ کے شعلے مسیح کے اردگرد بلند کر رہی تھی تاکہ دُنیا کا گُناہ جو اُس پر آ پڑا تھا، بھسم کیا جائے۔ خُدا کو یُونہی پسند آیا کہ وُہ اُس کو جو گُناہ سے واقف نہ تھا لیکن ہمارے لئے گنہگار بنا غم میں ڈالے۔

جن دُکھوں کا اُوپر ذکر ہُوا، وُہی وُہ دُکھ تھے جنہوں نے صلیب کی موت کو بھیانک اور ہولناک بنا دیا۔ دو گھنٹے کے بعد اُس نے اِس دُنیا سے اپنا مُنہ پھیر کر عالم جاودانی کی طرف رُخ کیا۔ اُس وقت ایک عجیب قسم کی تاریکی تمام سرزمین پر چھا گئی اور یروشلیم اُس کالے بادل کے نیچے جس کی بڑھتی ہُوئی سیاہی اُس کی سزا کی مانند معلُوم ہوتی تھی کانپ اُٹھا۔ قریباً سب لوگ اُسے چھوڑ کر گلگتھا سے چلے گئے اور وُہ اُس تاریکی میں جو باہر پھیلی ہُوئی تھی اور اُس غم کے اندھیرے میں جو باطن میں چھپ رہا تھا کتنی مدّت تک صلیب پر لٹکا رہا اور آخر کار اندرونی دُکھ کے سمندر کی تہ سے وُہ آواز پیدا ہُوئی جس کا مطلب بیان کرنا انسان کی طاقت سے بعید ہے۔ "اَے میرے خُدا! اَے میرے خُدا! تُو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟" یہ وُہ وقت تھا جبکہ اِس مردِ غمناک کی رُوح نے اپنے دُکھ کی سب سے گہری تہ کو چھُوا؛

تھوڑی دیر کے بعد اندھیرا زمین کی سطح پر سے کافُور ہو گیا اور سُورج نمُودار ہُوا اور مسیح کی رُوح بھی دُکھ کے گہن سے نکل آئی۔ چنانچہ جو فتح اُس نے اپنی آخری جدّ و جہد پر پائی تھی اُس کی قُدرت اِن لفظوں کے وسیلے سے ظاہر ہُوئی "پُورا ہُوا"۔ اِس کے بعد اُس نے اپنی جان ایک دل پسند زبُور کی آیت کے الفاظ اپنی زبان سے نکالتے

ہوئے خدا کے سپرد کی" "اے خدا میں اپنی رُوح تیرے ہاتھوں میں سونپتا ہوں"۔

مُردوں میں سے جی اُٹھنا اور آسمان پر چڑھ جانا۔ دُنیا میں کبھی کسی کام یا مہم کے نامکمل ہونے سے ایسی مایوسی نہیں ہوئی جیسی مسیح کے کام سے اُس سبت کے روز ہوئی جو پُرانے عہد نامہ کا آخری سبت تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ اب یسُوع کے ارادے کبھی پُورے نہیں ہوں گے۔ جب وُہ مر گیا اور دفن کیا گیا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا مسیحی مذہب بھی فوت ہو گیا اور اُس کی قبر میں اُس کے ساتھ گاڑا گیا ہے۔

ہم جو اس زمانے کے ہیں جب گذشتہ صدیوں کی طرف لَوٹ کر دیکھتے ہیں تو ہمیں قبر سے پتھر ہٹتا ہُوا دکھائی دیتا ہے اور ہمارے دِل میں وُہ کیفیت پیدا نہیں ہوتی جو اُس وقت لوگوں کے دِلوں میں پیدا ہوئی اور اس کا سبب یہ ہے کہ بعد کے واقعات نے ہم کو انتظامِ ربّی کے بھید سے آگاہ کر دیا ہے۔ پس جب ہم اُس کی قبر پر کھڑے ہوتے ہیں تو ہمارے دِل میں مایوسی نہیں آتی کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ پتھر ہٹایا جائے گا اور وُہ جی اُٹھے گا لیکن جب وہ گاڑا گیا اُس وقت وہاں ایک شخص بھی یہ اُمید نہ رکھتا تھا کہ وُہ روزِ حشر سے پہلے کبھی مُردوں میں سے جی اُٹھے گا۔

اور سنہیڈرم کے شریک اور یہودی سردار تو اس بات کے بالکل قائل ہو گئے تھے۔ موت ہر طرح کی بحث اور جھگڑوں کو تمام کر دیتی ہے۔ اسی طرح مسیح کی موت نے بھی اس جھگڑے کو جو اُس کے اور یہودی سرداروں کے درمیان پایا جاتا تھا تمام کر دیا اور ایسی صُورت میں کہ فتح یہودی لیڈروں کے حصّے میں آئی یسُوع نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا پر اس

دعوے کے ساتھ اُن کے امتحانات میں سے جن کے وُہ منتظر تھے کوئی بھی اُن کی حسبِ خواہش نہ دکھایا۔ اُسے قوم نے کبھی اپنا مسیح سمجھ کر قبول نہ کیا اور نہ اُس کے شاگرد ہی بے شمار یا صاحبِ اقتدار تھے اور اگر اُس کے کام کی طرف دیکھا جائے تو وُہ بھی دو تین سال سے زیادہ عمر کا نہ تھا اور وُہ خود اُس وقت قبر میں بےحِس و حرکت پڑا تھا پس کون اُس کو یاد کر سکتا تھا۔

شاگردوں کی دل شکنی میں بھی کوئی کسر باقی نہ تھی چنانچہ جس وقت وُہ پکڑا گیا اُس وقت وُہ سب اُسے چھوڑ کر بھاگ گئے۔ پطرس سردار کاہن کے گھر تک اُس کے ساتھ گیا، مگر وُہ وہاں جا کر اور بھی زیادہ شرمناک حالت میں گرفتار ہُوا۔ چنانچہ اپنے مالک کا انکار کر بیٹھا۔ یُوحنّا نے البتہ گلگتا تک اُس کا ساتھ دیا مگر وُہ بھی شاید ابھی مُبتدی ہی یہ اُمید رکھتا ہو گا، کہ ممکن ہے کہ اب بھی وُہ صلیب سے اُتر آئے اور داؤد کے تخت پر رونق افروز ہو لیکن یہ آخری لمحہ بھی گزر گیا اور وُہ اُمید بر نہ آئی۔ اب یہ شاگرد اس کے سوا اور کیا کر سکتے تھے کہ مایوس ہو کر اپنے گھروں کو واپس آئیں اور پھر ماہی گیری کا پیشہ اختیار کریں اور عمر بھر اپنی غلطی کو جس کے سبب سے اُنہوں نے ایک جھوٹے مسیح کی پیروی کی تھی یاد کر کے اپنے سر دُھنا کریں اور اپنے دِل سے پُوچھا کریں کہ وُہ تخت کہاں ہیں جن پر ہم کو بٹھانے کا وعدہ اُس نے کیا تھا؟

بیشک یسُوع نے تو اپنے دُکھوں اور موت اور جی اُٹھنے کی خبر اُن کو دے دی تھی مگر وُہ ان باتوں کا مطلب نہیں سمجھتے تھے۔ اب یا تو وُہ اُن کو بالکل بھول گئے تھے یا اُن کا مطلب اَور ہی نکالنے لگ گئے تھے۔ سو جب وُہ اس دُنیا سے رحلت کر گیا تو ان باتوں نے

اُن کو کچھ تسلی نہ دی۔ چنانچہ وہ عورتیں جو پہلے مسیحی سبت کے دن اُس کی قبر پر آئیں، اِس اُمید سے نہیں آئی تھیں کہ قبر کو خالی پائیں گی بلکہ وہ اس لئے آئی تھیں کہ لاش کو مصالحہ اور خوشبو سے آراستہ کریں۔ مریم شاگردوں کے پاس اس لئے دوڑی نہیں گئی تھی کہ اُن کو یہ بتائے کہ خداوند جی اُٹھا ہے بلکہ وہ اُن کو یہ کہنے گئی تھی کہ اُس کی نعش قبر میں نہیں ہے معلوم نہیں کہ لوگوں نے اُسے کہاں رکھ دیا ہے؟ پھر جب عورتوں نے شاگردوں کو بتایا کہ خداوند نے ہم سے ملاقات کی ہے تو اُن کے الفاظ بھی شاگردوں کو جھوٹ سے معلوم ہوئے۔ یوحنا خود بتاتا ہے کہ نہ پطرس اور نہ وہ یہ جانتا تھا کہ وہ نوشتوں کے مطابق پھر جی اُٹھے گا۔ کیا اُن لفظوں سے جو اُن دو شاگردوں کے مُنہ سے نکلے جو اماؤس کو جارہے تھے بڑھ کر کوئی اور الفاظ بھی تاسف آمیز ہیں؟ وہ کہتے تھے "ہم کو اُمید تھی کہ اسرائیل کو مخلصی یہی دیگا"؟ جب شاگرد فراہم ہوئے تو اُنہوں نے رونا اور ماتم کرنا شروع کیا۔ ہاں ان لوگوں سے زیادہ اور کوئی مایوس اور شکستہ دل نہ تھا۔

مگر ہم خوش ہیں کہ وہ مغموم اور مایوس ہوئے۔ وہ شک لائے تاکہ ہم ایمان لائیں۔ یہی عقیدہ اس مشکل سوال کا حل ہے، کہ وہ کیا بات تھی جس کے سبب سے چند ہی دنوں کے بعد یہ لوگ جو اب مایوس معلوم ہوتے ہیں بڑی خوشی اور بھروسے سے بھر گئے اور اُن کا ایمان تروتازہ ہوا اور مسیحی مذہب ایسی تازگی اور طاقت سے حرکت میں آیا کہ ویسی تازگی اور طاقت اس سے پہلے کبھی نظر نہیں آئی تھی؟ یہ لوگ ہمیں بتاتے ہیں کہ اس کا سبب یہ تھا کہ مسیح مُردوں میں سے جی اُٹھا تھا۔ وہ ہم کو بتلاتے ہیں

کہ وہ کس طرح خالی قبر پر گئے کس طرح یسوع مریم مگدلینی اور دوسری عورتوں کو دکھائی دیا، کس طرح پطرس پر اور اُن دو شاگردوں پر جو اماؤس کو جارہے تھے ظاہر ہوا۔ کس طرح اُس کے بعد ایک مرتبہ دس کو اور ایک دفعہ گیارہ کو نظر آیا۔ کس طرح ایک دفعہ گیارہ کو نظر آیا۔ کس طرح ایک دفعہ یعقوب نے اور ایک دفعہ پانچ سو نے اُس کو دیکھا۔ کیا یہ شہادتیں ماننے کے قابل نہیں؟ اگر یہ شہادتیں اکیلی ہوتیں تو شاید ہم ان کو نہ مانتے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ مسیح کا مُردوں میں سے جی اُٹھنا (جس کا دعویٰ وہ کرتے ہیں) ایسا واقعہ تھا جس کے ساتھ مسیحی مذہب بھی اپنی قبر میں سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ ہم پوچھتے ہیں کہ اگر پہلا دعویٰ سچا نہیں تو مسیحی مذہب جو اُس کی موت کے سبب سے بے جان ہو گیا تھا کس طرح پھر زندہ ہوا؟ شاید کوئی یہ کہے کہ یسوع نے اُن کے دلوں کو شاہانہ اُمیدوں سے بھر دیا تھا اور اگرچہ وہ اُمیدیں پوری نہ ہوئیں تو بھی ان لوگوں کے لئے مشکل تھا کہ ایسی اُمیدوں کو دل میں ایک مرتبہ جگہ دے کر پھر اپنے ادنیٰ کاموں میں مصروف ہوں۔ پس اُنہوں نے اپنے لئے مسیح کے مُردوں میں سے جی اُٹھنے کا ایک قصہ گھڑ لیا یا شاید کوئی یہ کہے کہ اُنہوں نے حقیقت میں تو مسیح کو دیکھا نہیں تھا لیکن اُنہیں وہم ہو گیا تھا کہ ہم نے اُسے دیکھا ہے مگر یہ دعوے قائم نہیں رہ سکتے کیونکہ جب اُن کے ایمان نے پھر تقویت پائی تو اُنہوں نے دنیوی خیالات کو بالکل چھوڑ دیا اور روحانی مزاج بن گئے۔ پھر وہ تختوں کی اُمید نہیں رکھتے تھے بلکہ ہر دم اپنے آپ کو ایذا اور موت کا شکار سمجھتے تھے مگر باوجود اس کے ایسی دانائی اور سرگرمی اور بڑے بڑے نتائج کی اُمید رکھنے والے ایمان سے مسیح کے نام کی منادی میں مصروف تھے کہ بیشتر کبھی ایسی خوبیاں

اُن میں نظر نہیں آتی تھیں۔ پس بات اصل میں یہ ہے کہ جس طرح مسیح جسم کی عجیب تبدیلی کے ساتھ جی اُٹھا اُس کا دین بھی عجیب تبدیلی کے ساتھ اُٹھ کھڑا ہُوا یا یوں کہیں کہ اُس کے مذہب نے بھی جسمانیت کو اُتار پھینکا لیکن ہم پُوچھتے ہیں کہ یہ تبدیلی کس طرح وقوع میں آئی؟ شاگرد یہ جواب دیتے ہیں کہ اس تبدیلی کا باعث مسیح کا جی اُٹھنا اور اُس کے دیدار کا وُہ نظارہ ہے جو اُس کے جی اُٹھنے کے بعد ہم کو نصیب ہُوا مگر اُن کی گواہی فیصلہ کُن ثبوت نہیں بلکہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہی عجیب تبدیلی جو وقوع میں آئی، یسُوع کے مُردوں میں سے جی اُٹھنے کا سب سے پختہ ثبوت ہے۔ وُہ تبدیلی یہ تھی کہ وُہ جو پہلے بُزدل تھے یک بیک دلیر بن گئے۔ وُہ جو پہلے نااُمید تھے اُمید سے بھر گئے۔ وُہ جو پہلے کم اعتقاد تھے ایمان میں پختہ ہو گئے اور دُنیا کو آئندہ کے بارے میں پُرحکمت تصوّرات سے بھر گئے اور کلیسیا کو قائم کرنے کے لئے تمام ضروری اوصاف اُن میں پیدا ہو گئے اور دُنیا کو مسیح کے پاس لانے اور بنی آدم کے درمیان مسیحی مذہب کو پاکیزگی کے ساتھ قائم کرنے کی حکمت اُن میں آ گئی۔ پُرانے عہدنامے کے آخری سبت اور اُن دو تین ہفتوں کے درمیان جن کے اندر یہ عجیب تبدیلی وجود میں آئی ضرور کوئی نہ کوئی واقعہ سرزد ہُوا ہو گا جسے اس نتیجہ کا کافی سبب سمجھنا چاہیئے۔ اس عُقدہ کو صرف یہی دعویٰ حل کر سکتا ہے کہ یسُوع مُردوں میں سے جی اُٹھا۔ پس اُس کا جی اُٹھنا ایک ایسے ثبوت پر قائم ہے جو گواہوں کے ثبوت سے کہیں مضبُوط اور زبردست ہے اور بڑی خُوشی کی بات ہے کہ مسیح کا جی اُٹھنا ایسے ثبوت پر قائم ہے کیونکہ اگر مسیح نہیں جیا تو ہمارا ایمان بے فائدہ ہے لیکن اگر وُہ جی اُٹھا ہے تو اُس کی تمام زندگی جو اعجاز سے پُر تھی اعتبار

اور قبُول کرنے کے لائق ہے کیونکہ اُس کا جی اُٹھنا تمام مُعجزوں سے بڑا مُعجزہ ہے۔ اُس کا خُدا کی طرف سے ہونا بھی اِسی سے ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ خُدا کے سوا اور کون اُس کو زندہ کر سکتا تھا؟ اور اسی سے ابدی دُنیا کی حقیقتیں برحق معلُوم ہوتی ہیں۔

خُداوند مسیح زندہ ہونے کے بعد اتنی مدت تک اس دُنیا میں رہا کہ اُس کے پیرو اُس کے جی اُٹھنے کے بالکل قائل ہو گئے۔ یاد رہے کہ شاگرد بڑی دیر میں اس بات سے قائل ہُوئے۔ چنانچہ جب اُنہوں نے عورتوں سے اُس کے جی اُٹھنے کی خبر سُنی تو اُنہوں نے پُورا یقین نہ کیا۔ توما نے دُوسر رسُولوں کی گواہی پر شک کیا اور ان پانچ سو نے جن کو وُہ ایک گلیلی پہاڑ پر ملا اپنی آنکھ کی گواہی کا اعتبار نہ کیا جب تک کہ اُس کی آواز کو نہ پہچانا مگر جس صبر و برداشت سے وُہ اِن شک لانے والوں کے ساتھ سلُوک کرتا رہا اُس نے ثابت کر دیا کہ گو اس وقت اُس کی جسمانی صُورت کسی قدر تبدیل ہو گئی ہے تو بھی اُس کا دِل پہلے کی طرح محبت اور برداشت سے بھرا ہُوا ہے۔ یہ حقیقت بڑے مؤثر طور پر اس بات سے ظاہر ہوتی ہے کہ وُہ اُن کو اُنہی جگہوں میں ملتا رہا جہاں جلال کو پہنچنے سے پہلے آیا جایا کرتا تھا۔ یہ وُہی پُرانی جگہیں تھیں جہاں وُہ دُعا مانگا اور مُنادی کیا کرتا تھا۔ جہاں جا جا کر اُس نے اپنے کام کو انجام دیا۔ جہاں اپنے دُکھ سہے تھے یا یُوں کہیں کہ وُہ جی اُٹھنے کے بعد بھی گلیل کے پہاڑ اور پسندیدہ جھیل اور کوہِ زیتُون اور بیت عنیاہ میں نمُودار ہُوا اور یروشلیم میں جس نے اُسے قتل کیا دکھائی دیا اور وُہ اب بھی اُسے پیار کرنے سے باز نہیں رہ سکتا۔

مگر اُس کے ساتھ ہی ایسے نشانات بھی موجود تھے جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اب اِس دُنیا سے کچھ تعلّق نہیں رکھتا تھا۔ چنانچہ اُس کی انسانیّت میں جی اُٹھنے کے بعد ایک قسم کی جُدائی پیدا ہوگئی تھی مثلاً جب مریم نے اُس کے پاؤں کو چُومنا چاہا تو اُس نے اُس کو چھُونے سے منع کیا۔ وہ اپنے دوستوں کے درمیان ایسے طور پر یک بیک نمودار ہو جاتا تھا کہ اِس راز کا بیان ہماری طاقت سے بعید ہے، اور جس طرح یک بیک ظاہر ہوتا تھا اُسی طرح غائب بھی ہو جاتا تھا اور کبھی کبھی دکھائی دیتا تھا کیونکہ جس طرح پہلے اُن کے ساتھ شیر و شکر تھا اُس طرح اب نہ تھا۔ آخرکار چالیس دِن کے بعد جب وہ غرض جس کے لیئے وہ اتنے دِن تک زمین پر رہا پُوری ہوگئی اور اُس کے شاگرد اپنی خوشی کی نئی طاقت کے ساتھ تمام قوموں کو اُس کی زندگی اور محبّت کا مژدہ دینے کے لیئے تیار ہوگئے تو اُس کی جلالی انسانیّت اُس دُنیا کو صعُود کر گئی جو اُس کا اصلی وطن تھا۔

فائدہ ۔ جب وہ جسم جس کے وسیلے سے کوئی زندگی اِس دُنیا میں نمودار ہوتی ہے، فنا ہو جاتا ہے تو اس زندگی کا تعلّق اِس دُنیا سے قطع نہیں ہوتا کیونکہ وہ بنی آدم کی زندگی کے دریا میں گِر کر اپنے سارے زور سے اپنا اثر دکھاتی رہتی ہے۔ حق تو یہ ہے کہ بسا اوقات یہی تاثیر جو بعد میں ظاہر ہوتی ہے ثابت کرتی ہے کہ آدمی کی زندگی درحقیقت کیسی وزن دار تھی۔ مسیح کی زندگی کا بھی یہی حال ہے۔ انجیلوں کے بے مبالغہ بیان سے تو اُس نتائج آفرین قُدرت کا پتہ نہیں لگتا جو اُس کی زندگی سے اُس وقت جاری ہُوئی جس وقت معلوم ہوتا تھا کہ

یسُوع بالکل فنا ہوگیا ہے۔ جو اثر اُس کی زندگی نے موجودہ دُنیا پر پیدا کر رکھا ہے اُس کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حقیقت میں کیسا عظیم الشّان شخص تھا۔ ہاں جو نتیجہ اب ہم کو نظر آتا ہے اُسے دیکھ کر یہ کہنا پڑتا ہے کہ جو کچھ اس نتیجے میں نظر آتا ہے وہ سب کچھ اُس کے سبب یا علّت میں بھی موجود تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اُس کی زندگی تمام بنی آدم کی زندگی پر چھائی ہُوئی ہے اور اُس کی تاثیروں کے طفیل سے انسان کے دِل میں رُوحانیّت کی گلزار کھلی ہُوئی ہے اور تمام تاثیروں کو اس طرح جذب کرتی جاتی ہے جس طرح کسی دریا میں جو مُلک کے بیچ سے گزرتا ہے اُس کے معاون گِر کر معدُوم ہو جاتے ہیں۔ اُس کی وسعت کی نسبت اُس کی خاصیّت زیادہ قابلِ غور ہے۔

پر اُس کی حقیقت کی اصل شہادت نہ تو زمانہ حال کی تہذیب کی عام تاریخ میں ملتی ہے اور نہ کلیسیا کی ظاہری سرگذشت میں اس قدر پائی جاتی ہے جس قدر اُن ایمان داروں کے مسلسل تجربوں میں دیکھی جاتی ہے جو مسیحی پُشتوں کے بیچ میں سے ایک دُوسرے کا ہاتھ پکڑے ہُوئے ایک سلسلہ باندھ کر اپنے خُداوند سے جا ملتے ہیں وہ لاکھوں رُوحیں جنہیں اُس نے اُن کے گُناہ اور دُنیا سے نجات دی اپنے تجربہ کے وسیلے سے ثابت کرتی ہیں کہ تاریخ نئی پیدائش بخشنے والے نجات دہندے کے وسیلے سے جو بنی آدم کے سلسلے میں ایک عام کڑی نہ تھا دو ٹکڑے ہوگئی ہے۔ اُن کا تجربہ ظاہر کرتا ہے کہ اُسے بنی آدم اپنی طاقتوں کے وسیلے سے پیدا نہیں کر سکتے تھے کیونکہ وہ ایک کامل نمُونہ ہے اور بنی آدم میں خاص ابن آدم وُہی ہے۔ وہ لوگ جو ایک

یسوع بالکل فنا ہوگیا ہے۔ جو اُس کی زندگی نے موجودہ دُنیا پر
پیدا کر رکھا ہے اُس کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وُہ حقیقت میں کیسا
عظیم الشان شخص تھا۔ لیکن ... نتیجہ سب ہم کو نظر آتا ہے اُسے دیکھ کر
یہ کہنا پڑتا ہے کہ جو کچھ اِس ... میں نظر آتا ہے وُہ سب کچھ اُس کے
سبب یا علت میں بھی موجود تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اُس کی زندگی تمام
بنی آدم کی زندگی پر چھائی ہوئی ہے اور اُس کی تاثیروں کے طفیل سے
انسان کے دل میں رُوحانیت کی گلزار کھلی ہوئی ہے اور تمام تاثیروں
کو اس طرح جذب کرتی جاتی ہے جس طرح کسی دریا میں جو ملک کے بیچ
سے گزرتا ہے اُس کے معاون گر کر معدوم ہو جاتے ہیں۔ اُس کی وسعت
کی نسبت اُس کی خاصیت زیادہ قابلِ غور ہے۔

پر اُس کی حقیقت کی اصلی شہادت نہ تو زمانہ حال کی تہذیب
کی عام تاریخ میں ملتی ہے اور نہ کلیسیا کی ظاہری سرگذشت میں اس
قدر پائی جاتی ہے جس قدر اُن ایمان داروں کے مسلسل تجربوں میں
دیکھی جاتی ہے جو مسیحی پشتوں کے بیچ میں سے ایک دُوسرے کا
ہاتھ پکڑے ہوئے ایک مسلسل ... اپنے خداوند سے جا ملتے ہیں
وُہ لاکھوں رُوحیں جنہیں اُس نے آدم کے گناہ اور دُنیا سے نجات دی
اپنے تجربہ کے وسیلے سے ثابت کرتی ہیں کہ تاریخ نئی پیدائش بخشنے
والے نجات دہندہ کے وسیلے سے جو بنی آدم کے سلسلے میں ایک خاص
کڑی نہ تھا دو ٹکڑے ہو گئی ہے ... کا تجربہ ظاہر کرتا ہے کہ اُسے
بنی آدم اپنی طاقتوں کے وسیلے سے ... نہیں کر سکتے تھے کیونکہ وُہ ایک
کامل نمونہ ہے اور بنی آدم میں خاص ... آدم وُہی ہے۔ وُہ لوگ جو ایک

رکھتے جن سے ظاہر
تھا۔ چنانچہ اُس
جُدائی پیدا ہوگئی
تو اُس نے اُس کو
ان ایسے طور پر یک
طاقت سے بعید ہے،
بھی ہو جاتا تھا
اُن کے ساتھ شیرو
کے بعد جب وُہ غرض
ہو گئی اور اُس کے
سوں کو اُس کی زندگی اور
انسانیت اُس

زندگی اِس دُنیا
گی کا تعلق اِس
کے دریا میں گر کر
تو یہ ہے کہ
رتی ہے کہ آدمی
کی کا بھی یہی حال
قُدرت کا پتہ نہیں
معلوم ہوتا تھا کہ

ساتھ ہی ایسے نشانا
اِس دُنیا سے کچھ
جی اُٹھنے کے بعد
ہم نے اُس کے پاؤ
۔ وُہ اپنے دوستو
تھا کہ اس راز کا بہ
ب ظاہر ہوتا تھا اُ
دیتا تھا کیونکہ جبر
ہے نہ تھا۔ آخرکار
نے دِن تک زمین
ئی طاقت کے
لئے تیار ہو گئے تو
س کا اصلی وطن
ر جسم جس کے و
فنا ہو جاتا ہے
کیونکہ وُہ بنی آدم
اپنا اثر دکھاتی
حد میں ظاہر ہوتی
وزن دار تھی
ر بیان سے تو اُ
س وقت جاری

مگر اُس
ہوتا تھا کہ
کی انسانیت
تھی مثلاً
چھُونے
بیک نمودا
جس ط
اور
شا تھا اُس
شاگرد اپنی
کا مُردہ
دُنیا کو صحُو
فائدہ
میں نمودار
دُنیا سے قطع
اپنے سارے
لبسا اوقات
کی زندگی در حقیقت
ہے۔ انجیلوں کے
لگتا جو اُس کی زند

طرف خُدا کی پاکیزگی کو محسوس کرتے اور دُوسری طرف اپنی گُنہگاری کو پُورے طور سے جانتے ہیں مگر پھر بھی اُس سلامتی سے خُوش وقت و خُوش حال ہیں جو پاک زندگی کا ایک بے زوال منبع ہے۔ اُن کا تجربہ ثابت کرتا ہے کہ دُنیا میں حقیقی میل کی ایک راہ کُھل گئی ہے جس کے وسیلے سے گُنہگار انسان خُدائے پاک کے ساتھ مِل جاتا ہے۔ ہزارہا بنی آدم جو اُس خُدا کے دیدار سے مالا مال ہیں جو مسیح کے کلام سے صاف کی ہُوئی آنکھ کو ایسا خالص نُور معلوم ہوتا ہے جس میں تاریکی کو ذرا دخل نہیں، اپنے تجربہ سے ظاہر کرتے ہیں کہ ازلی خُدا کا آخری مکاشفہ دُنیا کو اُسی کے وسیلے سے پہنچا جو خُدا کو ایسے کامل طور سے جانتا تھا کہ اُس کے علم کو دیکھ کر اُسے خُدا سے کم نہیں کہہ سکتے۔

مسیح کی زندگی دُنیا کی تواریخ سے کبھی معدُوم نہ ہوگی بلکہ اُس کا اثر دِن بدن زیادہ زور پکڑتا جاتا ہے۔ موجُودہ دُنیا میں جس قدر نئی باتیں ظاہر ہوتی جاتی ہیں اور بنی آدم کے افضل تصوّرات جس قدر نشو و نما پاتے جاتے ہیں جس قدر اُن کی اعلیٰ طاقتیں بڑھتی جاتی ہیں اور بہتر جذبات پاک ہوتے جاتے ہیں اُسی قدر مسیح کی حقیقت روز بروز منکشف ہوتی جاتی ہے اور بنی نوع انسان یہ چاہتے ہیں کہ تمام انسانی زندگی اُس کے تصوّرات اور اُس کی سیرت کے سانچے میں ڈھالی جائے ؛

اِلتماس

کتاب "حیاتُ المسیح" جو اب خُدا چھپ کر ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہے اوراق ترقی میں کئی صاحبان کی نظر سے گُذر چُکی ہے۔ اُردو زبان میں دو تین نامکمل کتابوں کو چھوڑ کر اور کوئی کتاب اِس قسم کی جہاں تک مجھے علم ہے موجُود نہیں اور مجھے اُمید ہے کہ جب تک اِس سے بہتر کوئی اور حیاتُ المسیح تیار نہ ہو تب تک یہی موجُودہ ضرورت کو رفع کرتی رہے گی۔

انگریزی زبان میں کئی کتابیں اِس مضمون پر پائی جاتی ہیں جن کے مطالعہ سے پڑھنے والے کو بہُت فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ مسیح کی زندگی کے تمام واقعات سلسلہ وار ذہن نشین ہو جاتے ہیں اور یہ پتہ لگ جاتا ہے کہ فلاں واقعہ اُس کی زندگی کے فلاں وقت سے علاقہ رکھتا ہے۔ یہ کام آسانی سے نہیں ہو سکتا کیونکہ جو ایسا کرنے کی لیاقت رکھتے ہیں اُن کو اشغالِ زندگی فُرصت نہیں دیتے اور جنہیں فُرصت حاصل ہے وُہ شاید لیاقت نہیں رکھتے۔ لہٰذا اناجیل کے مطالعہ میں اِس قسم کی کتابیں بہُت مدد دیتی ہیں۔ اِس بات سے کوئی اِنکار نہیں کر سکتا کہ حیاتُ المسیح خواہ کیسی ہی مطوّل اور مُفصّل ہو پھر بھی وُہ رُتبہ نہیں رکھتی جو اناجیل کو حاصل ہے۔ پس حیاتُ المسیح گویا ایک طرح کی مدد ہے جس کے وسیلے سے انجیلوں کے بیانات روشن ہو جاتے ہیں۔ جو شخص انسان کے تالیف کردہ سوانح عُمری پر اکتفا کرتا ہے اور انجیلوں کا مطالعہ نہیں کرتا وہ اِس رُوحانی لُطف سے جو کلام کے پڑھنے سے حاصل ہوتا ہے محرُوم رہتا ہے۔ پس مجھے اُمید ہے کہ صاحبان اِس

کتاب کو پڑھیں گے وُہ اِس سے اُس ماخذ کی طرف رجوع کرنے کی تحریک پائیں گے جس میں خُداوند کی زندگی کا اصل حال درج ہے ۔مَیں یہ بھی جتا دینا چاہتا ہُوں کہ مجھے اِس کتاب کی تالیف کا بھی حق حاصل نہیں گو اس کے تیار کرنے میں مَیں نے ایڈرشام اور فیرر اور انڈریوز اور ہیڈلہ کی تصانیف سے بھی بعض بعض جگہ مدد لی ہے اور مَیں اُن کی کتابوں سے بہت کچھ اس میں درج کرسکتا تھا مگر چونکہ اِس بات کا خیال دامن گیر تھا کہ کتاب کی ضخامت بڑھنے نہ پائے ، لہٰذا فقط چند موقعوں پر اکتفا کی۔ زیادہ تر مدد اس کے تیار کرنے میں سٹاکر صاحب کی کتاب حیاتُ المسیح سے لی گئی ہے بلکہ یُوں کہنا چاہیئے کہ اِس کتاب کا بہت سا حصّہ اُسی کتاب سے لیا گیا ہے ۔ترقی میں جو کچھ شائع ہوا وہ صرف سٹاکر صاحب کی کتاب کا خلاصہ تھا ، مگر اب اِس پر بہت کچھ بڑھایا گیا ہے کئی مفید اور کارآمد حواشی بھی اضافہ کیے گئے ہیں اور جتنا حصّہ ترقی میں شائع ہو چکا ہے اس کی نظرثانی کی گئی ہے ۔ مجھے اُمید ہے اور میری دُعا بھی یہی ہے کہ اس کتاب کے وسیلے سے بہت لوگوں کی زندگیاں اُس کی زندگی کی مانند بن جائیں جس کی پاک اور الٰہی زندگی کا بیان اِس کتاب میں قلمبند ہے اور کئی ایک کے دِل میں اُس کا ایسا عشق پیدا ہو کہ جب تک وُہ اُس پر ایمان نہ لائیں تب تک اُن کو دِلی آرام نہ ملے کیونکہ دِلی آرام کی ندیاں اِسی طرح اُن کے اندر جاری ہو سکتی ہیں ؀

خادم طالبُ الدّین پاسٹر۔ ہندوستانی پریسبٹیرین چرچ - لاہور